خطاطی کا شاہجہاں

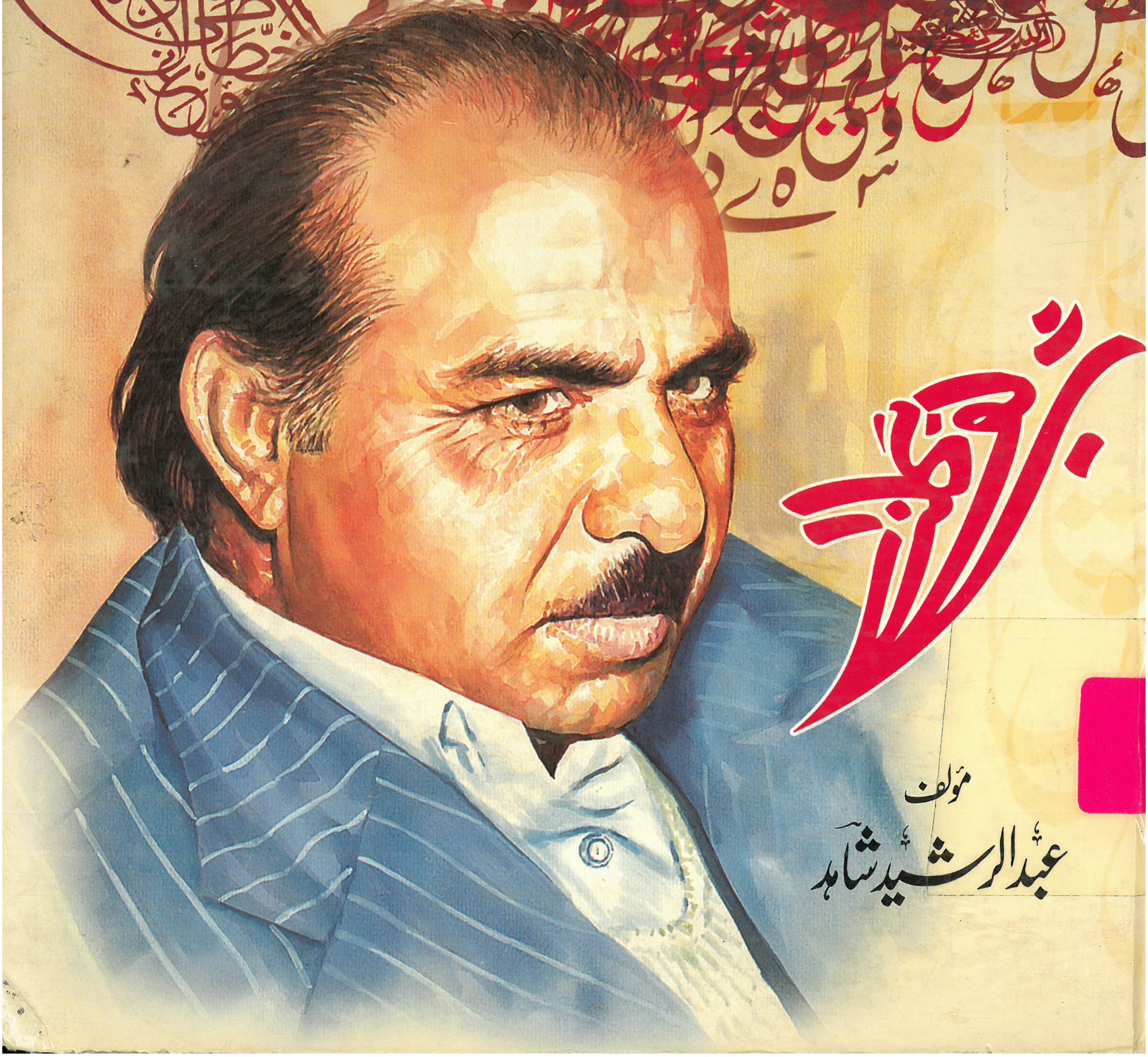

مؤلف

عبدالرشید شاہد

اللهم صل علی محمد و آل محمد

اللہ جمیل و یحب الجمال

گلزار

خطّاطی کا شاہجہاں

عبدالرشید شاہد

9668
Acc #
9668

القلم پبلشرز
164 اولڈ اقبال آباد، ڈرگ روڈ، کینٹ، کراچی
فون: 021-34575043 موبائل: 0333-2389942

DATA ENTRED

اشاریہ

1	اقراء		7
2	القلم		8
3	عرض مولف		11
4	شریف گلزار ایک باعمل انسان	عبدالرشید شاہد	14
5	اسم بامسمٰی	شکیل عادل زادہ	15
6	آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند	عرفان غازی	19
7	رفتید ولے نہ از دل ما	فرہاد زیدی	23
8	آسمان صحافت پر صبح کا تارا	حاجی صالح محمد صدیق	29
9	خط قدیم سے خط گلزار تک کا طویل سفر	ڈاکٹر یسین رضوی	33
10	شریف گلزار کے ساتھ گل وگلزار صبح	انتظار حسین	39
11	شریف گلزار ——— شریف بھی اور گلزار بھی	شمیم اختر	41
12	شریف گلزار، ماضی قریب کے ایک جادوگر	ولی رضوی	45
13	خطاطی کا شاہجہاں	حافظ شفیق الرحمان	49
14	کمپیوٹر سے تیز رفتار —— شریف گلزار	نذیر حق	53
15	لے آوٹ کے لحاظ سے اخباری صفحہ کا جائزہ	عبدالرشید شاہد	58
16	لائی حیات آئے	جاوید گلزار	59
17	بیش تر خوش نویس علم وہنر سے بے بہرہ ہیں	مجاہد بریلوی	67
18	خلیفہ احمد حسین سہیل رقم	محمد اقبال بھٹہ	74
19	الفاظ کے پھولوں سے ہار پرونے والے	آفتاب ظفر	77
20	روزنامہ مشرق۔ایک مکمل اخبار	خالد محمود	81
21	خوش نویس کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہیے	عرفان احمد خان	91
22	اخباری میک اپ کا شعبہ وقت کی اہم ضرورت ہے	اسد عباس ساہی	95
23	وہ صفحہ قرطاس پر موتی بکھیرتے تھے	حبیب الرحمان	100
24	گلزار ہست وبود	محمد راشد شیخ	105
25	جدید فن خطاطی کا معمار	عبدالرشید قریشی	107

26	صریر خامہ کا موسیقار	عبدالرشید شاہد	111
27	شریف گلزار کے قائم کردہ خطاطی کے ادارے	محمد اقبال بھٹہ	122
28	پاکستان میں خطاطی کے فروغ کے لیے اکیڈمی قائم کی جائے	اسٹاف رپورٹر	123
29	شریف گلزار اور محمد یعقوب ـــــ ایک محمود ایک ایاز	عبدالرشید شاہد	125
30	حرفے چند	ملک نواز احمد اعوان	129
31	ہم بھی وہیں موجود تھے	عبدالرشید شاہد	131
32	اخباری مگرمچھ		131
33	کوہستان میں ملازمت		135
34	نسیم حجازی		136
35	گیمبر کا حادثہ		138
36	کوہستان کی زوال پذیری		139
37	تین پیٹو		143
38	بانی مشرق عنایت اللہ		146
39	وہ جو صحرا میں پھول کھلا دیتے تھے		150
40	کراچی کی طرف کوچ		154
41	اخبار خواتین کی تیاریاں		157
42	اخبار خواتین پاک وصاف صحافت کا نقیب		160
43	ایسا کہاں سے لاؤں......		164
44	روزنامہ مشرق کا کراچی سے طلوع		164
45	میر خلیل الرحمٰن کی پیش کش		166
46	ارشاد احمد خان۔انتظار حسین۔ابن انشا		169
47	اسٹائلش سرخیاں لکھنے کا آغاز		172
48	خطاطی کی کلید وصلیاں		175
49	وہ جو ہم سے بچھڑ گئے	مرتب محمد ایوب صابر	196

انتساب

میرے بزرگ و محترم استاد مکرم

شریف گلزار کے نام

جنہوں نے اپنی شبانہ روز محنت سے اخبارات کو لے آوٹ کا حسن عطا کیا۔

یگانہ روزگار ہیرے تراشے اور انہیں تابناک بنا دیا۔

اخباری دنیا ان کی اصلاحات کی ہمیشہ احسان مند رہے گی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾

خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾

اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ

عَلَّمَ بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ

مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

پڑھو (اے نبیؐ) اپنے رب کے نام ساتھ، جس نے پیدا کیا، جمے ہوئے خون کے ایک لوتھڑے
سے انسان کی تخلیق کی۔ پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ سے علم سکھایا،
انسان کو وہ علم دیا جسے وہ نہ جانتا تھا۔

القلم

عبدالرشید شاہد

بسم الله الرحمن الرحيم

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

فارسی دانوں کی ایک روایت کے مطابق اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا۔ اللہ کریم نے قرآن پاک میں قلم کی قسم کھائی ہے اوراس سورۃ کا نام بھی القلم ہی ہے۔

نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْن

ن۔قسم ہے قلم کی اوراس چیز کی جسے لکھنے والے لکھ رہے ہیں۔

سورۃ علق میں یوں بیان فرمایا: اِقْـرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْـرَمُ O

الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ يَعْلَمْ O

پڑھو، اور تمہارا رب بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا، انسان کو وہ علم دیا۔ جسے وہ نہ جانتا تھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی تخلیق کے ساتھ قلم کی بھی تخلیق ہوئی۔ جس سے انسان کو علم سے بہرہ ور کیا گیا اور علم کی وجہ سے انسان دوسری مخلوقات پر سبقت لے گیا اور خلیفۃ الارض کا اعزاز حاصل کیا۔

سوال یہ ہے کہ قلم کو قلم کیوں کہا جاتا ہے؟ قلم کو قلم اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کا سر قلم کر دیا جاتا ہے۔ علم کو لکھنے کیلئے قلم کی تخلیق ہوئی اور قلم تب لکھنے کے قابل ہوا جب اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ قلم کی اس قربانی کے باعث ہی علم کے فیوض و برکات آگے بڑھ سکے۔ قلم اپنے سر کی قربانی دیتا ہے تب علم آگے بڑھتا ہے۔

زمانہ قدیم میں بعض ایسے شواہد ملتے ہیں کہ پتھر۔ چونے اور کوئلے کو بطور قلم استعمال کیا گیا۔ اس زمانے میں زیادہ تر تحریریں اشکال کی صورت میں ہوتی تھیں۔ جنوبی فرانس اور صحرائے اعظم میں واقع پہاڑوں کے اندر اس دور کی بنائی ہوئی تصویریں ملتی ہیں۔ محققین کے نزدیک اس کا زمانہ پندرہ ہزار سال قبل مسیح ہے۔ مثال کے طور پر ایک گول دائرہ بنا کر سورج کو ظاہر کیا گیا اور اس سے دن مراد لیا جاتا تھا۔ اسی طرح چاند بنا کر رات کا تاثر دیا جاتا اور لہریں بنا کر دریا اور پانی مراد لیا جاتا تھا۔

یہودیوں کی مذہبی کتابوں میں تحریر کے متعلق روایت یہ ہے:

دنیا کا پہلا شخص جس نے کپڑا سیا اور تحریر لکھی وہ اخنوع ہیں۔ درس و تدریس کی

کثرت کی وجہ سے وہ ادریس کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حضرت ادریسؑ اللہ کے نبی تھے۔ ان کا زمانہ طوفانِ نوح سے قبل کا بتایا جاتا ہے اور طوفانِ نوح کا زمانہ 3,800 قبل مسیح متعین کیا گیا ہے۔

ایک روایت کے مطابق باقاعدہ تحریر یا خطاطی کا آغاز حضرت ادریس علیہ السلام نے کیا۔ سب سے پہلے قلم کا استعمال بھی انہوں نے ہی کیا اور وہ قلم لکڑی کا بنا ہوا تھا۔ لکڑی کے قلم کے بارے میں قرآن مجید سے بھی شہادت ملتی ہے۔ سورۃ لقمان کی ستائیسویں آیت میں یوں ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ○

زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر (دوات) جسے سات مزید سمندر روشنائی مہیا کریں۔ تب بھی اللہ کی باتیں لکھنے سے ختم نہ ہوں گی۔ اس آیت میں اشجار کا ذکر کر کے یہ واضح کر دیا گیا کہ قلم لکڑی ہی کا بنا تھا۔

قلم کے قط کے بارے میں مختلف روایات ملتی ہیں۔ زیادہ تر ادوار میں قط کو سیدھا رکھا گیا۔ ابنِ مقلہ ایک خطاط گزرے ہیں۔ انہوں نے کئی رسم الخط ایجاد کئے۔ ان کی ایک پوری تاریخ ہے، ان کے ایک شاگرد یاقوت المستعصمی گزرے ہیں۔ یہ عباسی خلیفہ المستعصم باللہ کی سرپرستی میں تھے۔ انہوں نے المستعصمی کا لاحقہ اسی نسبت کے باعث اپنے نام کے ساتھ لگایا۔ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ان کے خواب میں آئے اور ہدایت فرمائی کہ قلم کے قط کو ٹیڑھا کر دو۔ انہوں نے قط ٹیڑھا کیا تو تحریر میں ایک نئی دل کشی آ گئی۔ اس کے بعد ٹیڑھے قط کو اپنا لیا گیا۔

خطاطی میں جو قلم استعمال ہوتے ہیں ان کے قط طرزِ تحریر کے حساب سے لگائے جاتے ہیں۔ جن کا درجہ زاویہ 45 ڈگری سینٹی گریڈ ہوتا ہے۔ چونکہ ہر خطاط کے لکھنے کا انداز الگ الگ ہوتا ہے اس لئے وہ اپنی سہولت کے اعتبار سے قط لگاتا ہے۔ خطاط کو خطاطی کے اصول بھی قائم رکھنے ہوتے ہیں۔ زود نویسی بھی پیش نظر ہوتی ہے اور اسے معیاری اور خوبصورت بھی ہونا چاہئے۔

خطاطی کے لئے بہترین قلم کون سا ہوتا ہے۔ قلم کی چار صفات ہیں۔

1-باہر سے سرخ ہو۔ یعنی خوب پکا ہوا ہو۔ 2-اندر سے سفید ہو۔ 3-مضبوط اور سخت ہونا چاہئے۔ 4-وزنی ہونا چاہئے۔

ایسے قلم واسطی کہلاتے ہیں جن میں یہ صفات پائی جاتی ہیں۔ ماوراالنہر کے اُس پار ایک شہر ہے جس کا نام واسط ہے۔ یہ قلم یہیں پائے جاتے ہیں اور اسی شہر کی نسبت سے ان کا نام واسطی پڑ گیا۔

خطاط جو قلم بناتے ہیں اس کی دو نوکیں ہوتی ہیں۔ ان دونوں نوکوں کے الگ الگ نام ہیں۔ ایک نوک خطاط کے قریب ہوتی ہے اور دوسری دور۔ الفاظ کی بناوٹ میں یہ دونوں نوکیں الگ الگ اور ملکر کردار ادا کرتی ہیں۔ دور والی نوک وحشی کہلاتی ہے اور قریب والی اُنسی کہلاتی ہے۔ وحشی، وحشت سے ہے اور دوری کا تاثر دیتا ہے جبکہ اُنسی، اُنس سے ہے جو قربت کے تاثر کو ظاہر کرتا ہے۔

عربی کا ایک مقولہ ہے کہ قلم پر کبھی ظلم نہ کرو۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ باریک قلم سے موٹا لکھنے کی کوشش مت کرو اور موٹے قلم سے باریک مت لکھو۔ یہ قلم کے ساتھ ظلم ہوگا۔

عربی زبان میں قلم اُسے کہا جاتا ہے جس سے لکھا جاتا ہے اور خود خط کو بھی عربی میں قلم کہا جاتا ہے۔ خطاطی کے مشہور چھ خط جنہیں ابن مقلہ کی ایجاد کہا جاتا ہے۔ محقق۔ ریحان۔ ثلث۔ توقیع۔ رقاع اور نسخ کو مجموعہ اقلام کہا جاتا ہے۔

قلم خود اپنی صفت یوں بیان کرتا ہے:

قلم گوید کہ من شاہ جہانم
قلم کش را بروزی می رسانم

علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے کلام میں متعدد جگہ قلم کا ذکر کیا ہے۔ جیسے:

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب

اور دوسری جگہ فرمایا:

یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ لوح اور قلم کو اللہ تعالیٰ بے حد عزیز رکھتا ہے۔

قلم ذریعہ علم ہے

حقیقی ذریعہ علم تو عقل، تجربہ اور مشاہدہ ہے جو قلم کے ذریعے محفوظ ہو جاتا ہے۔ قلم ہاتھ کی زبان ہے۔ دل کا یہ ایلچی بھیدوں کو ظاہر کرنے اور نشانیوں کی حفاظت کرنے والا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ قلم نبی الٰہی ہے۔

گلزار - ۱۹۷۲ء

سے اکثریت نے اپنا قیمتی وقت صرف کر کے تحریریں لکھیں اور مجھے سرخرو کیا۔ میں اپنے ان تمام ساتھیوں اور دوستوں کا تہہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ساتھ محبتوں اور شفقتوں بھرا تعاون کیا۔ دراصل ان کا یہ تعاون شریف گلزار صاحب ساتھ ان کی بے لوث محبت کا ثبوت ہے۔ جوانہوں نے میری آواز پر لبیک کہا۔

میں اپنے محترم و مربی دوست اکرام الحق تلمیذ حافظ محمد یوسف سدیدی کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ انہوں نے اس یادگاری مجلّہ میں ٹائیٹل اور اندرونی صفحات کی سرخیاں لکھ کر کتاب کے حسن میں اضافہ کر دیا۔

مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ اس موقع پر مجھے ذہنی صدمات سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ کئی چہرے بے نقاب ہوئے۔ منافقت کا ملمع اتر گیا۔ انہوں نے نہ صرف کچھ لکھنے سے صاف انکار کر دیا۔ بلکہ شریف گلزار کو صرف ایک ''افسر'' قرار دیا۔ یہ وقت کی ستم ظریفی ہے کہ قربت کے اظہار اور فوائد حاصل کرنے میں یہ لوگ سب سے آگے تھے۔ آج انہوں نے ''رات گئی بات گئی'' کہہ کر اپنا دامن چھڑا لیا۔

تقریباً تین سال کا عرصہ اس تگ و دو میں صرف ہو گیا اور جو کچھ مجھ سے ممکن تھا اسے میں نے آپ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ میں ان کے تمام پہلوؤں کا احاطہ نہیں کر سکا۔ اپنی تہی دامنی کا مجھے احساس ہے لیکن سیانے کہتے ہیں کہ '' کچھ نہ ہونے سے کچھ ہونا بہتر ہے''۔ باقی میں نے ان دوستوں پر چھوڑ دیا ہے جو مرحوم کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے اور اس بات کا اعتراف بھی کرتے ہیں کہ ہمیں یہاں تک پہنچانے میں شریف گلزار کا ہاتھ ہے۔

ان کے ہمدردوں اور بہی خواہوں کو آگے بڑھنا چاہئے جو اس قابل ہیں کہ وہ ان فنون کو بخوبی سمجھتے ہیں اس کو وہ لکھ بھی سکتے ہیں اور سمجھا بھی سکتے ہیں۔

سرمئی سطروں پہ دوڑاتی شعاعِ احمریں
سنگِ موسیٰ کو عطا کرتیں جمالِ مرمریں
لکھ رہی ہیں ،لکھ رہی ہیں ،لکھ رہی ہیں انگلیاں
رت کی خونیں حکایت ،زندگی کی داستاں
انگلیاں چھلکا چکیں گی جب معانی کے ایاغ
جل اُٹھیں گے طاق کے دائروں میں لاکھوں چراغ

آخر میں ایک دفعہ پھر اپنے دوستوں اور معاونین کا شکر گزار ہوں جنہوں نے میرے ساتھ تعاون کیا اور میری رہنمائی فرمائی۔

عبدالرشید شاہد

شریف گلزار۔ ایک باعمل انسان

گھٹا ہوا جسم، نہ غیر ضروری موٹاپا، اور نہ ہی دبلا پن، موزوں ناک، لبوں کے نیچے چمکدار دانت، دل ودماغ کو متاثر کرنے والی روشن آنکھیں، ذہانت سے بھرپور پیشانی، ماتھے سے لے کر گردن تک لمبے لمبے بال، تیز دھار مونچھیں، بھرے بھرے بازو، لگتا تھا کہ نوجوانی میں پہلوانی کی یادگار ہو۔ طاقتور پنجہ، تیز رفتار، سوچنے اور کام کرنے کی رفتار یکساں، ادھر تیزی سے آئیڈیا آیا اور اُسی تیز رفتاری سے کاغذ پر منتقل ہوگیا۔ دیکھنے والا حیران رہ جاتا تھا کہ یہ کیا سے کیا ہوگیا ہے بات کرتے تو چند لفظوں میں پوری کہانی بیان کردیتے۔ آدمی کے بشرے کو دیکھ کر اندازہ لگالیتے کہ اُس کا کیا مسئلہ ہوسکتا ہے۔ بات کرتے تو سامنے والے کا ذہنی بوجھ اُتار کر مطمئن کردیتے۔ ہنس مکھ، لطیفے سننا اور سنانا جیسے ان کی ہابی ہو، صرف نام کے ہی گلزار نہیں تھے طبیعت بھی گل وگلزار پائی۔ خطاطی کی تاریخ کے ماہر، بولتے تو گویا اُسی زمانے میں بول رہے ہوں اور چلتے چلتے موجودہ زمانے تک پہنچ جاتے۔ علامہ اقبال کی شاعری کے شیدائی۔ دورانِ گفتگو ان کے اشعار زبان پر رہتے ہر موضوع پر بے تھکان بات کرتے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی مصلح اپنی قوم سے مخاطب ہے، دورانِ گفتگو اُٹھنے والے سوالات کا جواب تسلی بخش انداز سے دیتے کہ سننے والا مطمئن ہوجاتا۔ کوئی نہ کوئی کتاب زیرِ مطالعہ رہتی۔ کم کھانا اور کم سونا عادات میں شامل تھا۔ اصرار کے باوجود ایک لقمہ بھی زائد نہ لیتے، کہتے تھے کہ آدمی کے لئے چھ گھنٹے کی نیند کافی ہوتی ہے باقی وقت آدمی کو تعمیری کاموں میں صرف کرنا چاہئے اُن کی ذات گویا ایک یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی تھی اُن کے پاس بیٹھنے والا کچھ نہ کچھ حاصل کراُٹھتا تھا۔ خطاطی کرتے تو انگلیوں کے پوروں سے کیا کیا گل کھلاتے کہ دیکھنے والا اَش اَش کراُٹھتا۔ ساتھ ہی ساتھ خطاطی کے اسرار ورموز بھی بیان کرتے جاتے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے چلتے تو ابن مقلہ پر دم لیتے۔ وہاں سے چلتے تو امام ویردی سے چلتے ہوئے عبدالمجید پروین رقم کے دور میں پہنچ جاتے دورانِ خطاطی لفظوں کے جوڑ اور پیوندوں کو الگ الگ لکھ کر دکھاتے۔ یہ خطاطی کے واحد استاد ہیں جنہوں نے لفظوں کے پیوندوں کو الگ الگ لکھا۔ انہوں نے جو وصلیاں لکھی ہیں اس میں انہوں نے پیوندوں کو الگ الگ ظاہر کیا ہے جو آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے کہ شریف گلزار خطاط بڑے تھے یا آرٹ ایڈیٹر۔ لیکن یہ بات طے شدہ ہے کہ اخبارات میں لے آؤٹ شریف گلزار ہی نے داخل کیا ہے۔ اس کے اصول اور ضابطے بنائے، اپنی محنت، لگن اور بے انتہا شوق سے اخبارات کو نیا رنگ دیا۔ اس وقت اخبارات کی جو شکل نظر آرہی ہے کچھ تبدیلیوں اور ترمیموں کے ساتھ وہی ہے جو شریف گلزار نے عطا کی۔ ایسا لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس خاص کام کے لئے پیدا کیا ہے باتیں کرنا اور بات ہے اور کسی کام کو کر دکھانا اور بات ہے اور شریف گلزار ایک ایسے ہی باعمل انسان کا نام ہے۔

اِسمِ بامُسمّیٰ

شکیل عادل زادہ

علم وادب سے تعلق رکھنے والا ایسا کون ہوگا جو شکیل عادل زادہ کو نہ جانتا ہو، ڈائجسٹ کی دنیا کے بے تاج بادشاہ، لفظوں کے انتخاب اوران کا حسن اجاگر کرنے میں یگانۂ روزگار۔ یوں کہیے، ''سب رنگ'' اور ''شکیل عادل زادہ'' ایک ہی سکے کے دورخ ہیں۔ شروع میں ڈائجسٹ ادب سے کسی قدر دوری کا تصور رکھتا تھا۔ ''سب رنگ'' نے یہ مغائرت دور کی، بلکہ ڈائجسٹ کی دنیا میں ایسے ادبی شاہ کار تخلیق کیے کہ زمانہ اسے ادب ماننے پر مجبور ہوا۔ شکیل بھائی، ایک ایسی علمی وادبی شخصیت ہیں جنھوں نے وقت کے بزرجمہروں کو حیران کیا۔ ان کی ہمہ وقت محنت اور جست جو سے ''سب رنگ'' عالمی افق پر درخشندہ ستارہ بن کر ابھرا۔ اور جس نے عام آدمی سے لے کر شہرت یافتہ ادیبوں تک کی آنکھیں خیرہ کیں۔ واقعہ یہ ہے کہ سب رنگ کے ذریعے پاکستان کے علاوہ دنیا بھر کا اردو داں طبقہ شادکام ہوا۔ ہم آہنگی ایسی کہ لگتا تھا کہ پورا ڈائجسٹ ایک ہی قلم کی شاہ کار تحریر ہے۔ شکیل بھائی، مجھ سے خاص تعلق اور میری فرمائش پر شریف گل زار صاحب سے ہونے والی چند ملاقاتوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے، وہی رنگ، وہی اسلوبِ بیاں، جس سے ایک زمانہ آشنا ہے۔

یاد نہیں کہاں، شریف گل زار صاحب سے پہلی بار لاہور میں تعارف ہوا تھا یا کراچی میں، غالباً کراچی میں۔

کوئی چالیس سال پہلے کا قصہ ہے۔ 'سب رنگ' کے اجرا کا وقت تھا۔ 'خدا کی بستی' اور 'جانگلوس' کے خالق شوکت صدیقی نے مشورہ دیا تھا کہ 'سب رنگ' کی کتابت میں لاہوری روش کو ترجیح دینا۔ یہاں کراچی میں دلّی روش کا رواج تھا، دلّی طرز کی خطاطی میں لفظ چپٹی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ لاہوری روش میں اُوپر کی طرف جاتے ہیں، نوک پلک تیز ہوتی ہے۔ خفی خوش نویسی میں سطروں کے درمیان امکان رہتا ہے کہ دوسری سطر کے الفاظ اُوپر کی سطر کو چھو جائیں۔ کراچی کے لوگ عموماً دلّی روش کے عادی تھے۔ میں نے شوکت صاحب کے تجویز پر جرأت کی اور روزنامہ 'مشرق' کے خطاط رشید شاہد، مولوی اسماعیل سلفی، عبدالواحد (مرحوم) کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ خط اور روش وغیرہ کے بارے میں مجھے ایسی کچھ تمیز نہیں تھی۔ ان صاحبان کی رفاقت میں رموز واسرار کھلتے رہے۔ ادھر جانِ عزیز مولانا کوکب نورانی نے بھی نکتے تعلیم کیے۔ رشید صاحب اور مولوی اسماعیل کے توسط سے خطاطِ دوراں جناب یوسف سدیدی اور شریف گل زار صاحب سے بھی نیاز حاصل ہوا۔

'سب رنگ' کے شروع کے دور میں میرا حال دیوانوں ایسا تھا۔ ایک عجب بے کلی، کھانے پینے نہ پہننے اوڑھنے کا ہوش۔ دن اور رات کی خبر ہی نہ تھی۔ پیسے پاس نہیں تھے۔ جس ادارے سے رخصت ہوا تھا، اس کے طعنے اور دشنام ہر وقت سینہ جلاتے تھے۔ رشید صاحب اور اسماعیل صاحب میرے حال احوال کے گواہ ہیں۔ 'سب رنگ' کے نکھار، شکل وصورت کے اعتبار سے اِسے منفرد بنانے میں ان حضرات نے اپنے اخباری اور دیگر دُنیوی مشاغل کے باوجود جس تن

دہی، دل بمعی اور ذوق وشوق سے ساتھ دیا، اس کا لیا ذکر لیا جائے۔ روزشب کے ان معاملات کا تعلق اب دلوں سے ہے، بیان کرنے کا یارا نہیں۔

تو اِنھی خیراندیشوں نے اُنھی دنوں کسی روز جناب شریف گل زار سے ملوایا۔ تاب ناک آنکھیں، شرمیلی مسکراہٹ سے چہرہ فروزاں، دیہی قسم کی ایک سادگی شایستگی اور انکسار (شہریوں جیسی آلودہ پزیرائی، بے گانہ سی یگانگت کا اظہار اور مبالغہ آمیز تپاک وغیرہ قطعاً نہیں۔) اُمڈ کے بولے۔ ''ارے! آپ کا تو بہت ذکر سُنا ہے، ملاقات کا اشتیاق تھا۔ کیا خوب رسالہ نکال رہے ہیں۔ یقین کیجیے، میں بڑے شوق سے پڑھتا ہوں۔'' میں نے وہی کہا جو اس موقع پر کہنا چاہیے تھا کہ بس ایک کوشش ہے۔ کہنے لگے۔ ''نہیں، مجھے یہ لوگ بتاتے رہتے ہیں کہ آپ کس طرح جی جان سے لگے ہوئے ہیں۔'' وہ اس طرح ملے جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ ان کا شمار اُن بہت کم شخصیات میں ہوتا تھا جن سے مل کے رعب وجلال، دبدبہ وحشم کے بجائے ایک جمال آفریں احساس جسم وجاں میں سرایت کر جاتا ہے۔ میرا اُن سے بہت دل لگا، کسی مشفق شخص سے ملاقات کی طمانیت کا احساس۔ کچھ حاصل ہونے کی سرخوشی۔

'سب رنگ' اُوپر جا رہا تھا یا یوں کہیے کہ 'سب رنگ' کے پَر نکل آئے تھے اور وہ آسماں چھو لینے کے لیے ہاتھ پانو مار رہا تھا، چناں چہ اُس زمانے میں کثرت سے لاہور جانا ہوتا تھا۔ گرمیوں کی ایک تیز وطرار دوپہر ملاقات کی غرض سے 'مشرق' کے دفتر میں حاضری دی۔ بہت حیران ہوئے۔ وارفتگی سے بولے۔ ''میں آپ کو یاد رہا۔'' میں نے کہا۔ ''آپ کو کوئی بھول سکتا ہے۔'' اِدھر اُدھر کے خوش گوار کلمات کے بعد بولے۔ ''میں نے 'سب رنگ' کے لیے کئی لوحیں لکھی ہیں، مصروفیت میں بھیج نہ پایا۔ اب آپ یہاں آئے ہوئے ہیں تو ساتھ لیتے جائیے۔'' پھر حکم دیا۔ ''رات کا کھانا آپ میرے ساتھ کھائیں گے۔'' میں نے عذر کیا کہ رات کو کسی اور جگہ مدعو ہوں۔ کہنے لگے۔ ''پھر چائے سہی، مل بیٹھنے کا بہانہ ہے بھائی، گپ شپ رہے گی۔''

عبدالرشید شاہد

علامہ کوکب نورانی

محمد اسماعیل سلفی

حافظ محمد یوسف سدیدی

انکار کی مجال نہیں تھی اور انکار کا سوال بھی نہیں تھا۔ شام کو وہ میرے منتظر تھے، دو اور احباب بھی ان کے ساتھ تھے، ان کے نام مجھے یاد نہیں رہے۔ ایک خوش نما، دل خوش کن ریستوراں میں لے گئے۔ وہ شام سی غیر معمولی، کسی یادگار شام کی طرح میرے اندر بسی ہوئی ہے۔ اِس دوران انھوں نے میری آپ بیتی تمام تر شوق وانہماک سے سنی۔ ہر شریف النفس عمدہ سامع ہوتا ہے۔ خصوصاً چھوٹوں کے لیے بڑوں کی طرف سے یہ دل جوئی کا اعلاترین مظہر ہے۔ 'سب رنگ' کی کہانیوں کے بارے میں بات کرتے رہے اور دوسرے رسالوں، اخباروں کے تجربات سناتے رہے۔ اُن تجربات میں بالواسطہ ہدایتیں پنہاں تھیں۔

صبح ہوتی ہے، شام ہوتی ہے، لوگ آتے ہیں، لوگ چلے جاتے

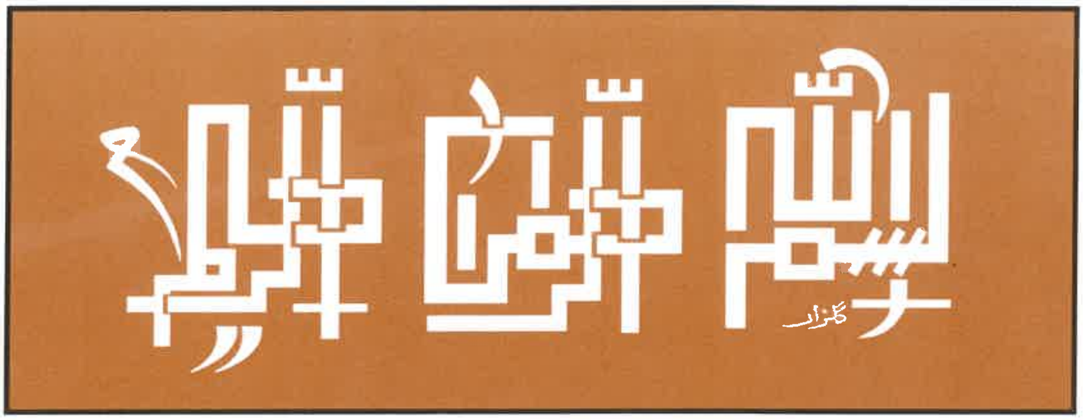

شریف گلزار کا ایک شاہکار چینی رسم الخط میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا طغرہ

ہیں۔ ایک اور واقعہ یاد آ رہا ہے۔ لاہور میں شام کی چائے پر ایسی ہی ایک ملاقات کے دوران مجھ سے ایک نادانی سرزد ہوگئی۔ شریف گل زار صاحب کے ساتھ جو مختصر داڑھی والا ایک خوش چہرہ نوجوان تھا، اُس کی خوش طبعی اور نیازمندانہ تیور دیکھ کے میں نے گزارش کی کہ یہاں لاہور میں آپ میرا ایک کام کر دیا کریں تو بڑی نوازش ہو۔ راستے میں گزرتے ہوئے اخبار رسالوں کے اسٹالوں پر ذرا نگاہ رکھیے کہ 'سب رنگ' وہاں موجود ہے، نمایاں طور پر رکھا گیا ہے یا نہیں۔ اسٹال والے کو کوئی شکایت تو نہیں، اور زحمت تو ہوگی، اگر مجھے بذریعۂ خط مطلع کر دیا جائے یا اخبار مارکیٹ میں موجود تقسیم کار سے رابطہ کر لیا جائے۔ نوجوان نے سینے پر ہاتھ رکھ کے فیاضانہ انداز میں کہا۔ ''ارے صاحب! زحمت کی کیا بات کر رہے ہیں۔ یہ کوئی کام ہے۔ آپ میرے مربی شریف گل زار صاحب کے دوست ہیں اور ایک ایسا رسالہ نکال رہے ہیں، ہر ماہ جس کا میں شدت سے انتظار کرتا ہوں۔ آپ حکم کیجیے، بندہ تابع دار ہے۔''

میری رگ پھڑکی۔ ایسی نشستوں میں مناسب نہیں ہوتا کہ گفت گو کے درمیاں نادانستگی میں کوئی لفظ غلط بولا جائے تو برملا ٹوک دیا جائے۔ مجھ سے چوک ہوگئی جو ابھی تک ہوتی رہتی ہے۔ اصل میں، یہ سرزنش نہیں، مجھے خیال ہوتا ہے، صاحبِ کلام کی اُسی وقت اصلاح ہو جائے۔ کہ آئندہ وہ اُس غلط لفظ کی ادائی سے اجتناب کرے۔

'سب رنگ' میں شروع تا آخر میں اور میرے رفقا اسی وظیفے پر کار بند رہے کہ زبان و بیان کے اعتبار سے بھی رسالہ منفرد ہو۔ میں اور میرے رفقا میں کوئی بھی لسانیات کا آدمی نہیں تھا لیکن سبھی کی ایک کوشش تھی کہ کوئی لفظ غلط نہ جاسکے۔ چار پانچ زبانوں کی مرکب اردو زبان میں صحیح و غلط کی یہ جست جُو بہت وقت اور ایثار چاہتی ہے۔ روزانہ طمانچے لگتے تھے کہ یہ لفظ تو، ہم جسے ہم ایک زمانے سے صحیح سمجھتے تھے، غلط ثابت ہوا۔ بہرحال، میں نے عرض کیا نا، کوئی دعوا نہیں، ایک کوشش تھی۔ اِدھر کچھ قارئین کی تائید و ستائش سے حوصلہ فزوں ہوتا رہا۔

اُس شام شریف گل زار صاحب کے ساتھ آئے نوجوان کی ازخود رفتگی، کچھ سیکھنے اور جاننے کی طلب دیکھ کے مجھے ہمت ہوئی۔ میں نے مسکرا کے اور لفظ چباتے ہوئے کہا۔ ''جناب! یہ تابع دار کے لفظ پر غور فرمانے کا مسئلہ ہے۔''

شریف گل زار صاحب نے پہلو بدلا، نوجوان کے چہرے پر بھی

رنگ آئے۔ میں نے معذرت چاہی کہ مجھ سے یہ کوتاہی بالعموم ہوتی رہتی ہے لیکن مقصد نیک ہے۔ ازراہِ کرم بُرا مت مانیے گا۔ ساری اُردو دنیا میں تابع دار کا لفظ ماتحت ، اطاعت گزار ، فرماں بردار، خادم، محکوم، نوکر کے معنوں میں لیا جاتا ہے اور عموماً غلط استعمال ہوتا رہا ہے۔ اب آپ دوسری جانب آئیے۔ امانت دار، امانت رکھنے والے، تھانے دار، تھانے والے، ٹھیکے دار، ٹھیکا رکھنے والے ،قرض دار، مقروض کے معانی میں استعمال ہوتے ہیں۔ گویا دار کے معنی ہیں۔ حامل، والا، رکھنے والا۔ اب اس تابع کو دار سے مرکب کیجیے تو......"

شریف گل زار کی آنکھوں کی دائمی تابانی سوا ہوگئی، سر پہ ہاتھ پٹخ کے بے ساختہ بولے۔"ارے جناب واقعی!...... ہائیں!...... یہ کیا...... کبھی اس پہ غور ہی نہیں کیا، یہ تو بڑی صاف بات ہے۔ صبح وشام دس بار ہم بے دھیانی میں کیا الٹ سلٹ بول جاتے ہیں۔" انھوں نے کشادہ دلی سے اعتراف کیا کہ خود انھوں نے کبھی اس لفظ کی ترکیب پر غور نہیں کیا بل کہ ضرورت ہی نہیں سمجھی۔

مجھے خفت ہوتی رہی اور وہ بچوں جیسی خوشی کا اظہار کرتے رہے۔ کہنے لگے۔"یہ تو آپ بہت ٹھیک کرتے ہیں۔ برمحل ٹوک دیتے ہیں۔"

وہ ایک بڑے آدمی تھے، ہر لحاظ سے اعلاترین انسانی صفات سے مرصّع ۔شگفتہ شگفتہ، متواضع منکسر اور خوش خلق۔ سرتاپا اسمِ بامسمّٰی۔ بے شماروں میں کوئی ایسے ہی ممتاز نہیں ہو جاتا۔ کردار کی خوبیاں اپنی جگہ، اور بے شک جو بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ شریف گل زار میں دوسری خوبیاں بہ درجۂ کمال تھیں۔ خیال آفرینی، نکتہ پردازی اور خلاقی کی خوبیاں۔ اُن میں تخلیق کاری کا ایک جوہرِ خداداد تھا۔ تمام کوششیں، محنتیں اور ریاضتیں اور بے قراریاں ثانوی ہیں اور دوسرے درجے کے مراحل کا درجہ رکھتی ہیں۔ جب تک خداداد صلاحیت سے کوئی فن کار متصف نہ ہو۔ یہ پہلی شرط ہے اور خیال رہے، یہ جوہر آبائی اور موروثی بھی نہیں ہوتا۔ یہ تو ایک عطیہ ہے۔ بہت سے بدنصیب اِسے خود پہچان نہیں پاتے۔ بہت سے اس کی قدر و قیمت ہی سے آشنا نہیں ہوتے یا اُن میں بعد کے مراحل سے نبرد آزمائی کی استطاعت نہیں ہوتی۔ بہت سوں کو اپنے گرد و پیش، ماحول، حالات اور گردشِ دوراں سے مہلت نہیں مل پاتی۔ بہت کم ہی اِس شرفِ خداوندی کا حق ادا کر پاتے ہیں۔ وہ اس کی پرورش کرتے ہیں، وہ اپنے تخلیقی جوہر کی بقا اور جلا کے لیے زندگیاں صرف کر دیتے ہیں اور کچھ دے کے جاتے ہیں۔ روزنامہ 'مشرق' نے حُسن کار شریف گل زار کی وجہ سے اُردو اخباری دنیا میں زیب و زینت، آرائش و زیبائش کی ایک مثال قائم کی۔ رشید شاہد نے کئی جگہ اپنی کتاب میں لکھا ہے، یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ صحافت میں وہ اپنے شعبے کے بہترین منتظم تھے یا بہترین خطاط۔ خطاطی، مصوری ہے۔ شریف گل زار نے خطاطی میں مروّجہ توازن وتناسب آداب وقواعد کا جتنا خیال رکھا ہے، ان کے فن پاروں میں اجتہاد بھی اُسی قدر نظر آتا ہے، اس کتاب میں ان کے محفوظ رہ جانے والے آثار گواہ ہیں کہ ان کے ہاں خطاطی کا کیسا نادر و نایاب ہنر موجود تھا۔

کتابیں اُس شخص پر لکھی جا سکتی ہیں۔ ذکر اُنھی لوگوں کا ہوتا ہے، یاد، وہی لوگ کیے جاتے ہیں جو جاتے تو سب کی طرح خالی ہاتھ ہی ہیں مگر بے نقش نہیں...... شریف گل زار، ایک مثالی آدمی اور مثالی فن کار اپنے گہرے نقوش کی طاقت پر، اپنے کردار اور کام کے زور پر زندہ رہیں گے۔ موت تو دوسرے لوگوں کی ہوتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

شکیل عادل زادہ (عفی عنہ)

عرفان غازی

آں قدح بشکست
وآں ساقی نہ ماند

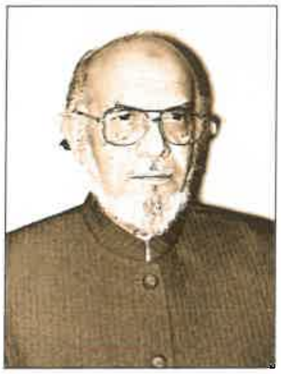

ٹھیک پینتالیس سال پہلے کی بات ہے۔یوایس آئی ایس لاہور میں بطور فیچر ایڈیٹر کام کرتا تھا۔ایک دن عالی رضوی کا فون آیا۔عنایت اللہ صاحب تجھ سے ملنا چاہتے ہیں ۔شام کو ملاقات ہوئی۔کہنے لگے ''کوہستان میں تمہارے لئے جگہ خالی ہے'' ۔میں ہچکچایا تو کہا اچھا شام کو ایک آدھ گھنٹہ نکال کر ہمارے لندن کے ہفت روزہ مشرق کے لئے کچھ صفحات مرتب کردیا کرو۔میں نے حامی بھرلی۔انہوں نے چپراسی سے کہا شریف گلزار کو بلاؤ۔ایک صاحب اس طرح مسکرتے ہوئے داخل ہوئے جیسے کوئی بہت مزیدار لطیفہ سن کر آرہے ہوں۔عنایت صاحب نے تعارف کرایا۔یہ ہمارے آرٹ ایڈیٹر ہیں۔مشرق کے لئے جو کچھ تیار کریں ان کے حوالے کردیں۔آرٹ ایڈیٹر؟اخبار نویسی کی دنیا میں داخل ہوئے چودہ برس گذر چکے تھے۔یہ اب پتہ چلا کہ کوئی آرٹ ایڈیٹر بھی ہوتا ہے۔پاکستانی صحافت کی تاریخ میں عنایت اللہ کو خاص مقام اسی وجہ سے حاصل ہوا کہ اخبار کو دیدہ زیب اور قاری کے لئے پرکشش بنانا ان کے نزدیک بہت اہم تھا۔راولپنڈی سے کوہستان کا اجراء ہوا اس وقت سے اسی کوشش میں تھے۔شریف گلزار نے ان کے اس خواب میں رنگ بھرے۔

۱۹۶۳ء میں جب کوہستان سے نکلنے والے ایک سو دس کارکنوں نے اپنا اخبار شائع کرنے کا فیصلہ کیا تو عنایت اللہ صاحب کو لندن سے بلا کر امام کیا۔انہی کی اصول پسندی کی خاطر تو کوہستان چھوڑا تھا۔طے پایا روزنامہ مشرق مروجہ روش سے ہٹ کر چلنا چاہیے ابو صالح اصلاحی ،اقبال زبیری،ضیاء الاسلام انصاری،فرہاد زیدی،اشرف طاہر،توصیف احمد خاں،ریاض بٹالوی اور مزید کئی

کراچی: خورشید اعجاز۔ اقبال زبیری۔ علی اختر رضوی۔ ارشاد احمد خان اور شریف گلزار

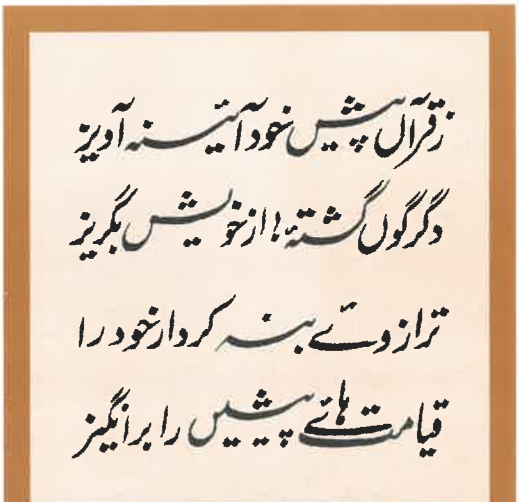

شریف گلزار صاحب کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک رباعی

ساتھی، جن کے نام حافظے میں محفوظ نہیں رہے، ان لوگوں نے ادارتی صفحات میں نئے تجربے کئے۔ لیکن اخبار کی مجموعی ہیئت میں انوکھا پن شریف گلزار اور اس کی آرٹ ٹیم نے پیدا کیا۔ اخبار کے اجراء سے ایک مہینہ قبل ایڈورٹائزنگ مینیجر حمید اللہ ''ہنگامہ'' نے اپنی بیوی کو بچوں سمیت میکے بھیج دیا۔ مزنگ روڈ پر اپنے فلیٹ میں فرشی بستر لگا دیئے دن رات مطالعے بھی ہو رہے ہیں۔ بحث مباحثے بھی جاری ہیں۔ مشقیں بھی ہو رہی ہیں۔ شریف گلزار صاحب خوشنویسوں اور آرٹ سب ایڈیٹروں کو الگ لئے بیٹھے ہیں۔ یک کالمی، دو کالمی، سہ کالمی سرخیوں کے لئے قطوں کے نمبر مقرر کئے جا رہے ہیں۔ ہر خبر، ہر صفحے میں عبارت کی سیاہی کے ساتھ سفیدی نمایاں ہونی چاہیئے تاکہ قاری کی آنکھوں پر بوجھ نہ پڑے۔ پیراگراف کی پابندی کی جائے۔ صفحہ

بناتے وقت خبر میں خبر پھنسانے سے گریز کیا جائے۔ اقبال زبیری ،فرہاد زیدی اور ضیاء الاسلام انصاری سب ایڈیٹروں اور رپورٹروں کو لئے بیٹھے ہیں۔ تکرار سے اجتناب ،اختصار کے باوجود مکمل اظہار، سرخی کا مضمون پہلے پیرے میں بیان کرنا۔ افواہ پر خبر کی بنیاد نہ رکھنا وغیرہ وغیرہ۔ پورا اسکول کھلا ہوا تھا۔

انہی لوگوں کی محنت کا ثمر تھا کہ مشرق طلوع ہوا تو دنوں اور ہفتوں میں ملک کا دوسرا بڑا اخبار شمار ہونے لگا۔ پھر یہ ٹیم بکھری تو نہ مشرق رہا نہ مشرق کی قائم کردہ روایات باقی رہیں۔ آج ہمارے اخبارات میں اعلیٰ تعلیم یافتہ افراد پہلے سے کہیں زیادہ تعداد میں موجود ہیں۔ انشاپردازی کے بہتر نمونے نظر سے گذرتے ہیں۔ مگر اخبار کی وہ زیدہ زیبی نظر نہیں آتی جس کے شریف گلزار نے تجربے کئے تھے۔ جہازی سائز کی رنگین نسوانی تصویر ناپختہ ذہنوں کو تو متوجہ کرتی ہے۔ سنجیدہ قاری کے لئے اس میں کوئی کشش نہیں۔ خبر نویسی پر بات کرنے کا یہ موقع نہیں۔ لیکن اخباری صفحات پر سفیدی کا قتل عام ہوتا ہے اور سیاہی کی جو بھرمار ہوتی ہے اس طرح کی حرکتوں پر میں نے نوجوان خوش نویسوں اور آرٹ سب ایڈیٹروں کو شریف گلزار جیسے ہنس مکھ اور ہمہ وقت متبسم آدمی کے ہاتھوں سزا پاتے بھی دیکھا ہے۔ مشرق کے ساتھ آٹھ سالہ تعلق کی یاد جب بھی آتی ہے شریف گلزار ضرور یاد آتا ہے۔

آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم : اس منفرد طغریٰ میں شریف گلزار کے قلم کی گردش دیدنی ہے

رفتید ولے نہ از دلِ ما

فرہاد زیدی

فرہاد زیدی نے 1963ء کی ابتدا میں روزنامہ کوہستان کے اسسٹنٹ ایڈیٹر نیوز کا عہدہ سنبھالا...... پھر روزنامہ مشرق لاہور (ستمبر 1963ء میں) کے ڈپٹی چیف نیوز ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ فروری 1966ء میں روزنامہ انجام کراچی اور پشاور کے چیف ایڈیٹر بنے۔ 1967ء میں انجام روزنامہ مشرق میں ضم ہوگیا تو مشرق کراچی کے پہلے ایڈیٹر بنائے گئے۔ 1968ء میں روزنامہ حریت کراچی کے ایڈیٹر اور پھر منیجنگ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ 1982ء سے 1993ء تک اسلام آباد کے انگریزی روزنامے دی مسلم میں ایگزیکٹو ڈائریکٹر۔ چیف ایگزیکٹو اور چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے کام کیا..... 1993ء سے 1995ء تک پاکستان ٹیلی ویژن کے منیجنگ ڈائریکٹر بھی رہے۔

شریف گلزار اب اس دنیا میں نہیں رہے۔ مجھے اس کا علم صرف تین سال پہلے ہوا جب مشرق اور اخبار خواتین کے ایک پرانے رفیق کار عرفان کراچی میں مجھ سے ملنے آئے۔ یہ جان کر مجھے افسوس تو ہوا لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں...... دراصل ہم دونوں پینتیس چالیس برس پہلے ہی ایک دوسرے کی دنیا سے نکل گئے تھے۔

یوں بھی میں مرنے والوں کا منہ نہیں دیکھا کرتا جو ایک عام دستور ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جن لوگوں سے زندگی میں آپ کو اُنس یا تعلق خاطر ہوتا ہے میں جب بھی انہیں یاد کروں یا ان کے بارے میں سوچوں تو ان کا زندگی سے بھرپور چہرہ ہی میری نظروں کے سامنے آئے۔ شریف گلزار کا چہرہ ہی نہیں ان کی پوری شخصیت زندگی کی حرارت سے بھرپور تھی۔ اسی لئے جب برادرم رشید شاہد نے ان کے بارے میں کچھ لکھنے کو کہا اور میں کاغذ قلم لے کر بیٹھا تو ہمارے درمیان پینتیس چالیس برس کے فاصلے چند لمحوں میں سمٹ گئے اور میرے سامنے شریف گلزار کا وہ ہنستا مسکراتا اور صحت مند چہرہ آگیا جو میری اور ان کی شناسائی کا حرفِ آغاز تھا......اور جس نے اگلے پانچ برسوں تک ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ حسن سلوک اور احترام کے بندھن میں جکڑے رکھا۔

میں اب سوچتا ہوں تو حیرت ہوتی ہے کہ صرف پانچ برسوں کی رفاقت ایک ایسے جذبے میں کیسے تبدیل ہوسکتی ہے جو دو شخصیتوں کو ایک دوسرے کے اتنا قریب کردے کہ جب بھی ان تعلقات پر سے ماہ وسال کی گرد صاف کی جائے تو اس کے نیچے سے وہ شفاف اور چمکتا دمکتا آئینہ نکل آئے جس میں نہ کوئی بال آیا ہو نہ زنگ لگا ہو۔ خاص طور پر ایسی صورت میں جبکہ ہم میں کبھی دوستی کا کوئی رشتہ بھی استوار نہ ہوا ہو...... ہم صرف رفیق کار اور ایک اخباری ادارے کی ایسی ٹیم کے ممبر تھے جس کا ہر رکن انتہائی نامساعد حالات میں بھی دوسرے اخبارات کے ساتھ مسابقت کے جذبے سے سرشار تھا اور اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے سوا اس کے ذہن میں کوئی اور سودا نہ تھا۔

روزنامہ کوہستان لاہور میں اس ٹیم کے سربراہ عنایت اللہ صاحب تھے...... اور اس کے اہم اور ذمہ دار ارکان میں ابو صالح اصلاحی، اقبال زبیری، ضیاالاسلام انصاری، شریف گلزار، حمیداللہ خان، ایم اے لطیف، مسعود علی اور دوسرے لوگوں کا تعلق ادارتی معاملات، نیوز اور انتظامیہ کے شعبوں سے تھا۔ مجھے بھی عنایت اللہ صاحب نے جو کوہستان کے مینجنگ ایڈیٹر تھے ترغیب دی کہ میں برٹش انفارمیشن سروسز چھوڑ کر ان کے اخبار سے وابستہ ہو جاؤں اور یوں میں بھی 1963ء کے اوائل میں اس ٹیم کا ممبر بن کر نیوز ڈیسک سے وابستہ ہو گیا۔

یہیں میری ملاقات شریف گلزار صاحب سے ہوئی جو نہ صرف شعبہ کتابت کے انچارج بلکہ آرٹ ایڈیٹر بھی تھے۔ مجھے کوہستان کی ٹیم میں شامل ہونے کے بعد ایک دن بھی اجنبیت کا احساس نہ ہوا۔ میرے ساتھ گلزار صاحب کے حسن سلوک کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ چونکہ رات کو دو ڈھائی بجے فارغ ہونے کے بعد...... میکلوڈ روڈ سے ماڈل ٹاؤن میرے گھر جانے کا ابھی کوئی انتظام نہیں ہوا تھا اس لئے شریف گلزار مجھے اپنے ساتھ شاہ عالم مارکیٹ لے جاتے تھے جہاں ایک کمرے میں دو یا تین خوش نویس ساتھی رہتے تھے...... مجھے یاد نہیں کہ گلزار صاحب خود بھی وہاں رہتے تھے یا نہیں لیکن جب تک میرے اپنے گھر ماڈل ٹاؤن جانے کا کوئی بندوبست نہیں ہو گیا انہوں نے میری شب بسری کے انتظام میں کوئی خلل نہیں آنے دیا۔

فرہاد زیدی، شریف گلزار، مولانا انجم ایک تقریب میں

کوہستان میں میرا قیام تین چار مہینے سے زیادہ نہیں رہا۔ کیونکہ اخباری کارکنوں کے پہلے ویج بورڈ کے نفاذ کے مسئلے پر عنایت اللہ صاحب کے کوہستان کے بورڈ آف ڈائریکٹرز سے شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے چنانچہ عنایت صاحب نے جن کی قیادت میں کوہستان کی اشاعت ستر ہزار تک پہنچ گئی تھی کارکنوں کے حق کا دفاع کرتے ہوئے استعفا دے دیا...... اور اس کے ساتھ ہی اخبار کے تین چوتھائی کارکنوں نے بھی کوہستان کی ملازمت کو خیرباد کہہ دیا...... ان میں شریف گلزار اور ان کی پوری ٹیم شامل تھی۔

کوہستان کے وہ تمام ارباب اختیار جن کے نام میں نے اوپر گنوائے ہیں اب عنایت اللہ صاحب کے گرد جمع تھے...... اور یوں چند مہینے کی منصوبہ بندی کے بعد لاہور سے روزنامہ مشرق منصۂ شہود پر آیا۔

مشرق میں شریف گلزار کا کام کوہستان کی نسبت کئی گنا بڑھ گیا لیکن انہوں نے اپنے حسن انتظام اور اپنے ساتھیوں سے کام لینے کی خداداد صلاحیت کے بل پر نہ صرف کتابت کے شعبے بلکہ آرٹ سیکشن کو بھی چند ہفتوں میں اس طرح منظم کیا کہ ستمبر 1963ء کے بعد مشرق کے روزانہ چار ایڈیشنوں کی بروقت اشاعت میں کوئی خلل نہیں آیا...... اور بارہ جہازی سائز کے صفحات پر مشتمل مشرق صرف تین مہینے کے اندر ایک لاکھ کی سرکولیشن حاصل کر گیا۔

شریف گلزار

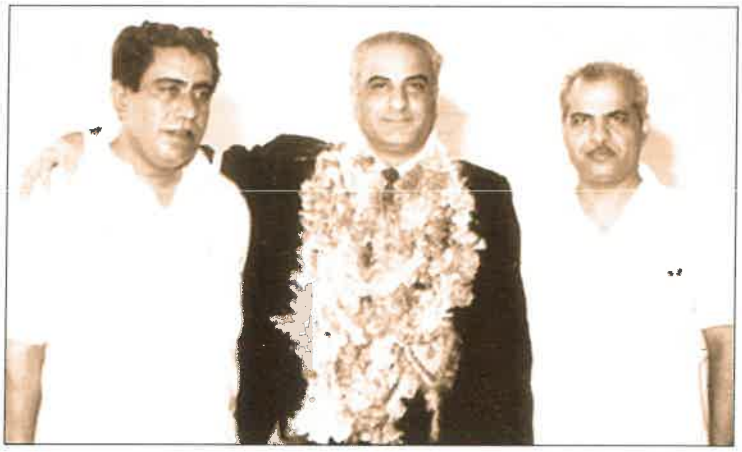

کراچی: شریف گلزار، اقبال زبیری، خورشید اعجاز

اس زمانے میں اردو اخبارات میں ابھی کمپیوٹر نہیں آیا تھا اور اخبار ونڈا ئنک سسٹم پر طبع ہوتا تھا۔ اس کا سہرا بھی عنایت اللہ اور شریف گلزار کے سر جاتا ہے۔ اسی طرح اخبارات کو سیاہ وسفید کے چکر سے نکال کر روزانہ اخبارات میں کلر پرنٹنگ بھی کوہستان کے بعد مشرق ہی نے شروع کی۔

شریف گلزار نے صرف صاحب طرز نوش نویس تھے اور اخبار کی شہ سرخی سے لے کر دوسری تین اور چار کالمی سرخیاں اس قدر جلد بلکہ منٹوں میں لکھ لیتے تھے کہ عقل دنگ رہ جاتی تھی۔ اسی طرح ایک آرٹ ایڈیٹر کی حیثیت سے وہ اخباری صفحات کا لے آؤٹ (LAYOUT) بھی اتنی پھرتی سے طے کرتے تھے کہ گھنٹوں کا کام بے حد مختصر وقت میں انجام پا جاتا تھا۔ اس کام میں انہیں اپنی بے حد لائق ٹیم کے ارکان کا بھرپور تعاون حاصل ہوتا تھا۔ اس سے اخبار کی ساکھ اور اشاعت پر جو اثر پڑتا تھا اس کی وضاحت کے لئے ایک مثال کافی ہے۔

1964ء میں امریکہ کے صدر کینیڈی کے قتل کی خبر رات کو بارہ بجے کے قریب کریڈ (CREED) پر موصول ہوئی...... یہ ایک دوسطری خبر یا فلیش نیوز تھی، اس وقت لوکل ایڈیشن تقریباً تیار تھا۔ اس ایڈیشن کا پہلا اور آخری صفحہ روک کر نیوز ڈیسک نے ریڈیو اور بعد میں کریڈ پر آنے والی خبروں کے ٹکڑے کتابت کے لئے دینے شروع کر دیئے۔ لیکن سب سے بڑا کام آرٹ سیکشن نے دکھایا۔ کینیڈی خاندان کی تمام میسر تصویریں...... حالات زندگی اور ان کے بارے میں تمام دوسری معلومات اور تفصیلات اس طرح اور اتنی پھرتی سے جمع کر لی گئیں کہ پہلے اور آخری صفحے پر صرف دو تین دوسری خبروں کے لئے جگہ بن سکی...... اور رات کو دو بجے جب یہ ایڈیشن پریس بھیجا گیا تو دن کے دس بجے تک چھپتا رہا۔ ہاکروں کی ٹولیاں قطار اندر قطار پریس پر پہنچتی رہیں اور مشرق کے بنڈل چھین کر لے جاتی رہیں۔ اس دن دو روپے کا اخبار دس سے پندرہ روپے میں فروخت ہوا۔ دوسرے اخبارات نے کینیڈی کے قتل کی خبر کو شہ سرخی بنایا اور بس...... یہ مشرق کے عروج کا نقطہ آغاز بن گیا اور اس کے لئے شریف گلزار کی ٹیم کو جتنا بھی خراج تحسین پیش کیا جائے کم ہے۔

شعبہ کتابت اور آرٹ سیکشن کے تقریباً ساٹھ ستر کارکن براہ راست شریف گلزار کے چارج میں تھے۔ وہ سب سے پیار اور محبت سے پیش

آتے تھے لیکن کام میں کسی کوتاہی کے روادار نہیں تھے، یہاں تک کہ میں نے ایک دن انہیں ایک فٹ رول سے تمام حاضر عملے کی پٹائی کرتے بھی دیکھا۔ اس وقت وہ ایک ایسے ہیڈ ماسٹر کی طرح لگ رہے تھے جسے اپنے شاگردوں کی شرارت پر غصہ آ گیا ہو......لیکن کسی نے صدائے احتجاج بلند نہیں کی۔ سب سر جھکائے اپنا کام کرتے رہے......انہیں احساس تھا کہ ان کے ساتھ اس شخص کی محبت ہر شک و شبہے سے بالاتر ہے۔

شریف گلزار کا یہ بھی کارنامہ تھا کہ انہوں نے خوش نویسوں کو تخت سے اٹھا کر میز کرسی پر بیٹھ کر کتابت کرنے کا سلیقہ سکھا دیا۔ اس سے پہلے خوش نویس حضرات دریاں بچھے ہوئے تخت پر بیٹھ کر اور گھٹنوں پر تختی رکھ کر کتابت کرتے تھے۔ میز کرسی پر بیٹھنے کا قرینہ کوہستان اور مشرق سے شروع ہوا تھا۔

مشرق لاہور کے ابتدائی ایک ڈیڑھ سال کام کے اعتبار سے بہت سخت گزرے......اس تمام عرصے میں کسی نے شاید ہی کوئی چھٹی کی ہو

شریف گلزار صاحب جناب اعتزاز احسن کے ساتھ چینی خطاط کی ایک نمائش میں

کم از کم شریف گلزار کو میں نے کسی دن دفتر سے غیر حاضر نہیں دیکھا......وہ صبح دس بجے دفتر آ جاتے تھے اور رات کو تین چار بجے تک دفتر میں ہی موجود رہتے تھے۔ ان کے نائبین کا بھی یہی وطیرہ تھا۔ ایک دن پتہ چلا کہ وہ تین بجے سہ پہر سے دو تین گھنٹے تک دفتر میں نہیں تھے۔ میں نے اس بات پر حیرت ظاہر کی تو انہوں نے بتایا کہ وہ ایک سنیما کے میٹنی شو میں چلے گئے تھے......! اور وہ بھی اس لئے کہ انہیں سخت نیند آ رہی تھی، گرمی بھی بہت تھی، سنیما ایئر کنڈیشنڈ ہوتا ہے اس لئے وہ وہاں جا کر سو گئے۔ فلم ختم ہوئی تو دفتر چلا آئے......!!

عنایت اللہ صاحب کے بارے میں مشہور تھا کہ ان کا اوڑھنا بچھونا اخبار ہی ہے۔ یہی بات بلاخوفِ تردید شریف گلزار کے بارے میں بھی کہی جا سکتی ہے۔

مجھے نہیں یاد کہ کوہستان یا مشرق میں میری ان کے ساتھ کسی بات پر معمولی سی بھی تلخی ہوئی ہو......ہم دونوں کے درمیان کام کی سختیوں کے باوجود ہمیشہ خیر سگالی اور باہمی اعتماد کی فضا رہی......اور میرے ساتھ ان کا یہ رویہ مجھی سے مخصوص نہیں تھا......ان کا تعاون اور خوش دلی کا سلوک سب کے ساتھ یکساں تھا۔

پھر میرا اور ان کا ساتھ اخبار خواتین میں بھی کم و بیش ایک سال رہا۔ عنایت صاب نے کراچی سے خواتین کے لئے ہفت روزہ نکالنے کا فیصلہ کیا تو جو ٹیم لاہور سے لائی گئی اس میں شریف گلزار صاحب بھی تھے اور میں بھی۔ اخبار خواتین کی پہلی ایڈیٹر مسرت جبیں مقرر ہوئیں......گلزار صاحب کے ساتھ حبیب الرحمٰن، محمد یعقوب، رشید شاہد، عرفان احمد، طاہر زیدی اور سیف اللہ بھی کراچی آئے۔

فروری 1966ء میں اخبار خواتین کراچی کا پہلا شمارہ اسی ٹیم نے نکالا......اور اس شان سے کہ یہ پہلا شمارہ 25 ہزار کی تعداد میں شائع اور فروخت ہوا......اور آٹھ نو مہینے میں اس کی سرکولیشن پچاس ہزار تک

شریف گلزار کے قلم کا لکھا ہوا خطِ نستعلیق کا ایک شاہکار

پہنچ گئی۔

شریف گلزار، مسرت جبیں کو خانم کہتے تھے (غالباً خانم کی ڈائری کے حوالے سے) ایک دن ہم بیٹھے آپس میں باتیں کر رہے تھے تو گلزار صاحب نے اپنی گرہستی کی صلاحیتوں پر روشنی ڈالی...... کہنے لگے (لاہور میں) ایک دن میری بیوی گھر پر نہیں تھی تو میں نے سوچا کہ خود ہی کچھ پکالوں...... بڑی تلاش کے بعد مجھے سویوں کا ایک پیکٹ مل گیا۔ میں نے ایک دیگچی میں پانی ڈال کر چولہے پر چڑھا دیا...... پھر غور کرتا رہا کہ سویاں کیسے پکائی جائیں...... بالآخر میں نے سویوں کے پیکٹ سے ایک لمبی سوویں کا تار لیکر اور اس کا ایک سرا ہاتھ میں پکڑ کر اسے دیگچی میں لٹکا دیا...... کچھ دیر بعد جب مجھے یقین ہو گیا کہ یہ پک گئی ہے تو اسے باہر نکال کر پلیٹ میں رکھا اور یہی عمل تین چار بار دہرایا...... اتنے میں میری بیوی آ گئی...... اس نے مجھے کچن سے باہر نکال دیا......!!!

ایک دن 'خانم' نے ان سے پوچھ لیا کہ آپ کے بچے کتنے بڑے ہیں۔ انہوں نے اپنے دونوں ہاتھ ہوا میں پھیلا دیئے اور جب ان میں دو فٹ کا فاصلہ رہ گیا تو کہا کہ ایک تو اتنا بڑا ہے...... پھر اس فاصلے کو تین فٹ تک بڑھا کر بولے کہ دوسرا اتنا بڑا ہے...... اسی طرح

شریف گلزار اور اعتزاز احسن خطاطی کی نمائش کے موقع پر

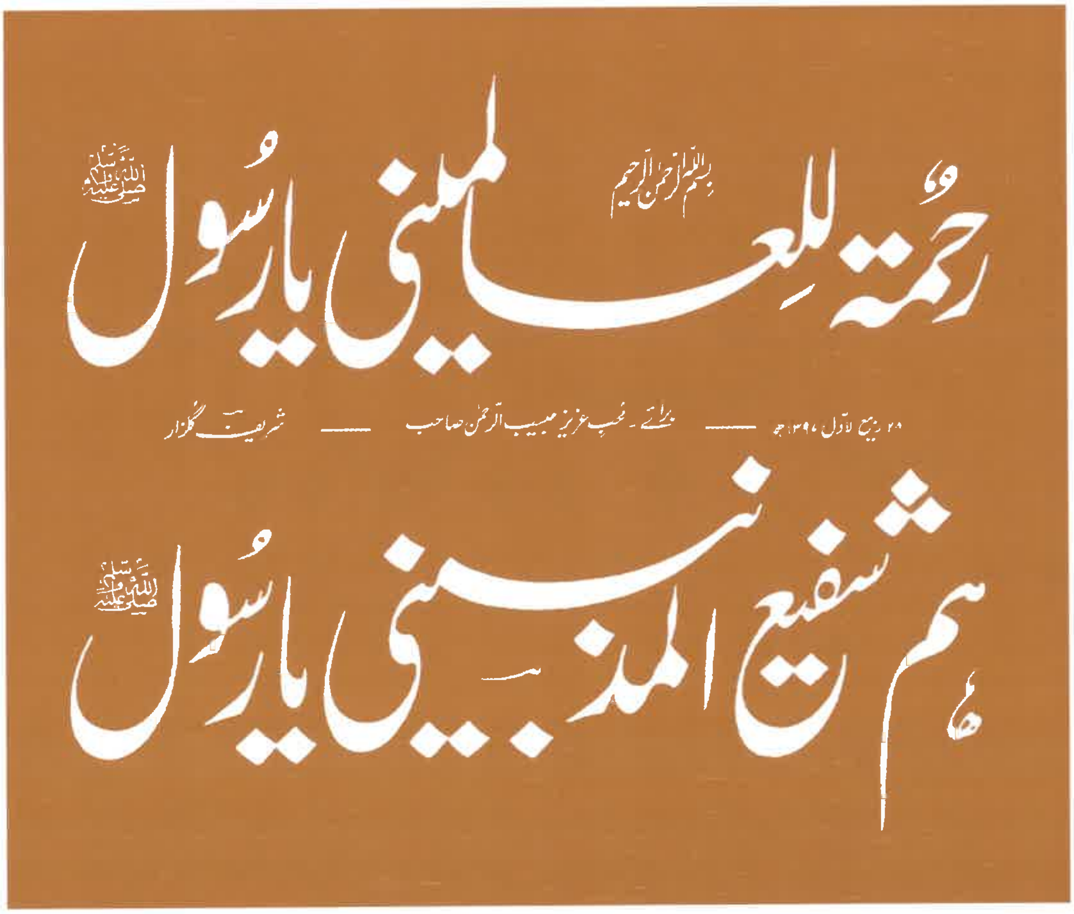

جناب شریف گلزار صاحب کی خطاطی کا ایک نمونہ جو انہوں نے جناب حبیب الرحمان صاحب کے لئے لکھا

تیسرے بچے کی عمر کا تعین انہوں نے چار فٹ کے قریب کیا...... پھر کہنے لگے اصل میں جب کبھی میں گھر جاتا ہوں تو بچے سو رہے ہوتے ہیں اور جب صبح اٹھتا ہوں تو وہ اسکول جا چکے ہوتے ہیں...... اس لئے مجھے ان کی عمروں کا صحیح اندازہ نہیں......!

اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اپنے کام کا دھنی اتنا بڑا آدمی کتنا معصوم بھی تھا......! اب نہ عنایت اللہ ہم میں ہیں اور نہ شریف گلزار...... اور نہ وہ تمام ساتھی جن کا رفیق کار بننے کا موقع مجھے کوہستان میں ملا تھا اور جو مشرق لاہور اور اخبار خواتین کراچی میں ہم سفر تھے...... لیکن ان کی یادیں اب بھی میرے دل میں جاگزیں ہیں...... شریف گلزار کا نام ان سب میں اس اعتبار سے نمایاں ہے کہ خدا کے اس بندے نے مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا...... وہ مشرق لاہور کے ابتدائی صبر آزما دن ہوں...... یا 1965ء کی جنگ میں بلیک آؤٹ اور سائرنوں کے شور سے ڈرانے والی آوازیں...... شریف گلزار کا مسکراتا، کھلا ہوا چہرہ اور سرتاقدم کام میں ڈوبا ہوا وجود میرے لئے ایسا سرمایہ ہے جو میرے خیالوں میں روشنی کی کرن کی طرح ہمیشہ جگمگاتا رہے گا

حاجی صالح محمد صدیق

آسمانِ صحافت پر صُبح کا تارا

یہ تقریر صالح محمد صدیق نے فلیٹیز ہوٹل لاہور میں شریف گلزار کے اعزاز میں ہونے والی تقریب میں کی

جب مجھے یہ بتایا گیا کہ شریف گلزار صاحب کے ساتھ ایک نشست کا اہتمام کیا جا رہا ہے اور قابل صد تعظیم دوست اقبال زبیری صاحب کا حکم ہے کہ میں اس محفل میں ضرور شریک ہوؤں تو باوجود اپنی بے مائیگی اور کوتاہ دامنی کے انکار نہ کر سکا اور محفل میں شرکت کے لئے چلا آیا مجھے رات حیرت بھی ہوئی تھی اور اب کچھ اطمینان خاطر بھی ہوا ہے مجھے حیرت اس لئے ہوئی تھی کہ شریف گلزار عمر کی جب سنچری پوری کریں گے۔ جو یقیناً کریں گے۔ کیونکہ وہ کریز پر ایک باکمال کھلاڑی کی طرح خود اعتمادی کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ چاروں طرف چوکے اور چھکے لگا رہے ہیں اور جب ان کی شاندار سنگل وکٹ چمپئن شپ کی شاندار سنچری پوری ہوگی اور انہیں مین آف دی میچ ایوارڈ دینے کے لئے ان کے اعزاز میں شاندار تقریب کا اہتمام ہوگا۔ انہیں شاندار الفاظ میں خراج تحسین و تکریم ادا کیا جائے گا اور اس کے ساتھ جب خشت اول رکھنے کے سلسلے میں میرا ذکر آئے گا تو اس وقت تک کلین بولڈ نہیں تو سٹمپ آؤٹ ضرور ہو چکا ہوں گا اور کچھ نہیں میرے لئے مغفرت کے لئے دو چار جملے یقیناً کہے جائیں گے۔ اطمینان مجھے اس بات پر ہوا کہ ان کی شاندار بیٹنگ پر میری زندگی میں ہی ایک تقریب منعقد ہو رہی ہے تا کہ میں بھی اس پودے کو جو تناور درخت بن چکا ہے خود اپنی زبان سے اس کی شان میں کچھ کہوں جو آپ کے سامنے شریف گلزار کی خوش پوش گفتار خوشرنگ خوش نما خوش قلم خوش زباں اور خوش کلام شخصیت کی شکل میں موجود ہے۔ اس کے گیسوئے فن کو سنوارنے میں میں نے بھی حقیر سا حصہ لیا ہے۔ آپ پوچھیں گے مجھ ایسا حقیر شخص جس کی ساری زندگی ناکامیابیوں ، ناکامیوں، نارسائیوں، محرومیوں سے عبارت ہے وہ ایک خوشحال خوش اقبال، خوش خصال اور خوش فعال زندگی کو سنوارنے کا کیسے دعویٰ کر سکتا ہے

بات دراصل یہ ہے کہ پارس سے چھو جانے والی ہر شے چمکدار اور آنکھوں کو خیرہ کرنے والا سونا بن جاتی ہے لیکن پتھر کی تقدیر وہی ہوتی ہے جو ازل سے ہے اور ابد تک رہے گی۔ اس اظہار کی جرأت

ظہور کاظمی کے فن پاروں کی نمائش کے موقع پر شریف گلزار اپنے تاثرات قلمبند کر رہے ہیں

بھی مجھے شریف گلزار نے دی۔

ایک مرتبہ انہوں نے چٹان کو ایک انٹرویو دیا اس میں انہوں نے بڑی محبت اور دل نوازی سے یہ بتایا کہ اس منزل کی طرف رہنمائی اس خاکسار نے کی تھی اور آج اسی بنا پر میں شریف گلزار صاحب کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں یہ غالباً ۱۹۵۵ء کا واقعہ ہے میں ہلال پاکستان کا ایڈیٹر ہوتا تھا ایک دن ایک ہنس مکھ نوجوان دفتر تشریف لایا اور اس نے شریک سفر ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ خوش نویس ہے اور خوشنویسی کو بطور پیشہ اختیار کرنا چاہتا ہے میرے سوال کرنے پر اس نے بتایا کہ میں بارھویں جماعت پاس ہوں اور ۱۴ اویں کا امتحان دینے کی تیاریاں کر رہا ہوں یہ وہ زمانہ تھا جب میں جوان تھا اس وقت میرا دل یہ چاہتا تھا کہ اگر میں کچھ نہیں بن سکا تو جو نوجوان قریب آئے اسے صحیح مشورہ دوں تا کہ وہ کچھ بن جائے اور کچھ نہیں تو دعائے خیر سے ہی یاد کرے گا۔ اس سے پہلے دو ایک ایسے واقعات ہو چکے تھے۔ مثال کے طور پر ایک نوجوان آیا کہنے لگا آپ مجھ سے اپنی زندگی کا بیمہ کرا لیں۔ میں رواداری میں حامی بھر لی اب یہ حالت تھی کہ صبح آنکھ کھلتی ہے تو وہ صاحب سر پر سوار ہیں شام کو جا رہا ہوں تو وہ میرے گرد ہیں اصرار ہے کہ بیمہ پالیسی لو۔ آخر خیال آیا کہ کیوں نہ اس نوجوان پر حکیم والا نسخہ آزمایا جائے۔ اس حکیم صاحب کے پاس ایک سردار جی آئے اور کہنے لگے سر میں سخت درد ہے کوئی دوائی دو جلد آرام آ جائے۔ چنانچہ حکیم صاحب نے ملازم کو آواز دے دی اور او فقیریا دوڑ کر آ اور سردار صاحب کی بغل میں دستی بم لگا کر اس کی پن نکال دو۔ سردار جی بولے حکیم صاحب درد تو سر میں ہو رہا ہے اور آپ فرما رہے کہ بغل میں ڈائنامیٹ رکھ کر آگ لگا دو۔ اس پر حکیم صاحب بولے "اسی تینوں بغل دی فکر پا رہے آں، جدوں تینوں بغل دی فکر ہوئی تے سر درد آپے بُھل جاویں گا" چنانچہ اس انشورنس ایجنٹ سے میں نے یہی کہا۔ اس سے پوچھا پڑھا ہوا ہے اس نے جواب دیا میٹرک پاس ہوں میں نے کہا یہ تو کوئی کمال نہیں میاں پڑھو بارھویں کرو، چودھویں

کرو، پھر ایل ایل بی کر کے وکیل بن جاؤ۔ کیا بتاؤں اس نوجوان نے میری بات مان لی اب وہ ہائی کورٹ کا بہت بڑا وکیل ہے جب ملتا ہے وہ بڑے ادب سے ملتا ہے اور بڑی محبت سے یاد کرتا ہے میں سوچا کہ کیوں نہ شریف گلزار صاحب کو یہ مشورہ دیا جائے کہ وہ پڑھیں اور وکیل بنیں یا کوئی بلند مقام حاصل کریں لیکن شریف گلزار صاحب نے کہا کہ میں خوشنویسی بھی کروں گا اور پڑھوں گا بھی۔ اس پر میں ترپ کا پتہ پھینکا ایک شرط پر رہ سکتے ہو۔ تخت کی بجائے کرسی پر بیٹھ کر کتابت کرنا ہوگی۔ شریف گلزار نے جواب دیا میں بھی یہی چاہتا ہوں یہ تھی ابتداء شریف گلزار کی۔ شریف گلزار کو شاید یاد ہو اس زمانے میں میرا ایک جگری دوست عبدالحمید ہوتا تھا جو ایم ایس سی فرسٹ کلاس فرسٹ تھا اور اسے پی ایچ ڈی کرنے کے لئے اوڈز سکالرشپ ملا تھا اور اسے لندن جانا تھا وہ بھی میرے ساتھ میز پر بیٹھ کر کتابت سیکھتا تھا اس نے جب اگلے دن شریف گلزار کو کرسی پر بیٹھ کر کتابت کرتے دیکھا تو وہ کہنے لگا یار یہ ہنس مکھ انقلاب پسند خوش نویس زندگی میں یقیناً کامیاب ہوگا اور پیشے کو اتنی عزت اتنی توقیر اتنی بلندی اور عظمت دے گا۔ بڑے بڑے جغادری لوگ بھی دنگ رہ جائیں گے چنانچہ یہی ہوا کہ شریف گلزار نے اس وقت عملے کے دوسرے ارکان کو بھی کھینچ کر کرسیوں پر لانے کی کوشش کی لیکن وہ جو کہتے ہیں

بھو بھاگت بھاگت بھاگے
رنگ لاگت لاگت لاگے
بہت دیر کا سویا سنوا
جاگت جاگت جاگے

وہ لوگ جو جدی پشتی تخت نشین تھے انہیں یہ ادا پسند نہ آئی۔ صرف دو تین خوشنویسوں نے ابتداء کی یہ زمانہ لتھوگرافی کا تھا میں نے ''لوموند'' اخبار کی طرز پر سرخیاں لکھوانا شروع کیں شریف گلزار نے ان میں بھی اپنے قلم اور فٹ رول کی وہ جولانیاں دکھائیں کہ لوگ اش اش کر اٹھتے تھے۔ اس زمانے میں اتنا خوبصورت اور اتنا اچھا لکھتے تھے ایسی سیٹنگ یا ترتیب یا لے آؤٹ اردو میں تھی ہی نہیں۔ لوگ شریف گلزار کی تقلید کرتے تھے۔

اسی دوران ایک چھوٹا سا واقعہ ہوا اس زمانے میں شریف گلزار کی میرے ساتھ بھائیوں سے زیادہ دوستی تھی، طبیعت میں تھوڑا سا تضاد تھا لیکن طبیعت دونوں کی آتش زیر پا۔ میں نے کوئی بات کی انہیں طیش آ گیا اور نوکری چھوڑ چھاڑ کر چلے گئے اور جاتی مرتبہ قلمدان بھی توڑ پھوڑ کر پھینک گئے مجھے بھی تاؤ آ گیا جب ذرا جوش مدہم پڑا تو مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ میں نے فوراً فیصلہ کر لیا کہ جا کر معافی مانگوں گا اور اسے منالاؤں گا۔ انہوں نے اس زمانے میں انارکلی کے لوہاری گیٹ کی طرف ناکہ پر اوپر کی منزل میں بیٹھک بنا رکھی تھی میں انہیں ڈھونڈنے کے لئے دفتر سے نکلا۔ جب اردو بازار کے دوسرے سرے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ شریف گلزار چلے آ رہے ہیں مجھے دیکھتے ہی دوڑ کر لپٹ گئے اور دونوں کی زبان سے بیک وقت نکلا کہ میں تو آپ کی طرف جا رہا تھا۔ شریف گلزار نے مجھے معاف کر دیا

پشاور (دائیں سے بائیں) محمد صدیق ہزاروی، اقبال زبیری، اقبال چوہدری، شریف گلزار، مسعود انور شفقی، اے کے امین

شریف گلزار کے قلم کا ایک شاہکار

اور شریف گلزار اپنا فیصلہ واپس نہ لیتے تو میں دعوٰی سے کہہ سکتا ہوں کہ آج چہرہ صحافت پر جو تازگی، جو نکھار جو حسن و جمال ہے نظر نہ آتا جو آج مشرق کا نہیں دوسرے اخباروں کا بھی طرہ امتیاز ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شریف گلزار نے اس فن کو بلندی دی، عظمت دی اور وہ وقار دیا جو عنقا تھا۔ مجھے آج یہ کہنے میں عار نہیں کہ میں نے شریف گلزار کا پاؤں پکڑ کا سیڑھی پر رکھا تھا باقی زینے اس نے خود طے کیے۔ اس نے انگلی کے پوروں سے اوج فلک پر خوشنما ستاروں کو چھوا ہے اور یہ سب اس کی فن خطاطی سے محبت، اس فن کو اوج ثریا تک پہنچانے کا شوق اور اس فن کی عظمتوں کو عظیم و کریم بنانے کی خلش کا نتیجہ ہے کہ آج ہر اخبار ان کے فن کو اپنانے کے لئے بے قرار ہے۔

آج شریف گلزار اپنے فن کی بلندیوں پر ہے۔ جو خطاط ہی نہیں ایک فن کار ہے جس نے لفظوں کو خوبصورتی دی، ان کے حسن کو دوبالا کیا۔ آج معمولی سے معمولی خوش نویس بھی ان کے بتائے ہوئے فن کے ذریعے اپنے شاہکار کو نظر نواز، نظر گرفت، نظر واشت، نظریات اور نظر نہاد بنا سکتا ہے اور داد وصول کر سکتا ہے اور یہ ایسا کارنامہ ہے اور ایسا اچھوتا رنگ ہے جس میں ہر روزنامہ، ہر ہفت روزہ اور ماہوار رسالہ رنگا ہوا نظر آتا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کیا یہ کارنامہ نہیں۔ یقیناً ہے۔ شریف گلزار کا نام آسمان صحافت پر صبح کے ستارے کی طرح روشن رہے گا۔ اس کا نام اس کی زندگی میں جدید صحافت کی تاریخ میں سنہرے حروف سے لکھا جائے گا۔

خط نسخ کو دائمی طور سے اپنایا گیا۔

خط نسخ اور اس کی کوکھ سے جنم لینے والے متعدد خط مختلف ادوار میں تکامل یا پرفیکشن کا مرحلہ مسلسل طے کرتے رہے۔ ہمیں خط کی حوالے سے عرب کی مختلف سرزمینوں میں خطاطی کی روایات قائم ہوتی نظر نہیں آئیں تاہم ایران پھر افغانستان و ہندوستان میں خطاطی کے کئی نامور استاد ضرور ملتے ہیں۔ اب سے کوئی پچاس برس قبل تک خط کو بے حد اہمیت حاصل تھی اور خوشنویسی کو تمام مدرسوں میں باقاعدہ مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جاتا تھا۔ آپ کو مختلف کتاب خانوں میں قلمی و خطی نسخوں کے مشاہدے سے معلوم ہوگا کہ بیشتر ادیبوں، شاعروں اور نثر نگاروں کی نگارشات ان کے اپنے خط میں بہت خوبصورتی سے موجود ہیں۔ بغداد کے درس نظامی کی تو یہ خصوصیت تھی کہ وہاں سے بد خط طالب علم کو فارغ التحصیل کی سند جاری نہیں کی جاتی تھی۔

حاضرین تقریب میں موجود جناب حاجی صالح محمد صدیق، جناب اقبال زبیری اور منظور حسین بخاری صاحب

جناب شریف گلزار صاحب تقریب میں خطاطی کا مظاہرہ کر رہے ہیں

اگرچہ ایران، ہندوستان میں تقریباً تمام قدیم ادیب بہت ہی خوش قلم اور خوش خط ہوتے تھے مگر ادب اور خط آپس میں لازم وملزوم نہیں ہوئے یعنی یہ نہیں ہوا کہ ہر ادیب اچھا خوشنویس ہو اور ہر اچھا خوشنویس ادیب بھی ہو۔ ہرچند کہ ایک شخص میں عام طور سے یہ دونوں خواص ضرور موجود ہوتے تھے۔

موجودہ صدی کے اوئل تک پیشہ ور ادیب یا پیشہ ور شاعر کی اصطلاحیں وجود میں نہیں آئی تھیں۔ یہ ضرور ہے کہ بعض شعراء شاہی دربار سے وابستہ ہونے کی وجہ سے اپنی روزی اپنے شاعرانہ کمال سے حاصل کرتے تھے۔ مگر شاعروں کی اکثریت عام طور سے کسی اور پیشے سے وابستہ ہوتی تھی۔ اسی طرح ادیب کا حال تھا۔ تاہم ساتویں صدی ہجری کے بعد یعنی تقریباً بارہویں صدی عیسوی کے لگ بھگ ایران اور ہندوستان میں پیشہ ور خوشنویسیوں کی ایک معقول تعداد وجود میں آچکی تھی اور کئی مدرسے محض خوشنویسی کی تعلیم کے لئے وقف تھے۔ ان میں اندرون لاہور میں کوچہ فقیراں میں وہ تاریخی مدرسہ قابل ذکر ہے جو میر عماد کی نواسی زیب النساء نے ایران سے آکر لاہور میں قائم

کیا۔ یہ پہلی خوشنویس خاتون ہیں جس کا تذکرہ کتابوں میں خطاطی کی استاد کی حیثیت سے ملتا ہے۔

اب سے کوئی سو سال پہلے جب اردو اور فارسی میں صحافت کا با قاعدہ اجراء ہوا اور مختلف قسم کے سیاسی وادبی اور ماہنامے و ہفت روزے وغیرہ جاری ہونے شروع ہوئے تو خوشنویسی وخطاطی کو با قاعدہ پیشے کی حیثیت سے مزید فروغ حاصل ہوا۔ ایران میں تو ابتدائی مراحل میں ہی صحافت کے لئے ٹائپ کو اختیار کرلیا گیا تھا مگر ہندوستان میں ہمیشہ ہی صحافت کو خطاطی کی مرہون منت سمجھا جاتا رہا۔ یہی رجحان اب تک جاری ہے۔ برصغیر کی اردو صحافت میں ابتداء ہی سے خط نستعلیق کو معیاری خط کے طور پر استعمال کیا گیا مگر تقسیم ہند کے بعد صحافت میں نئے تجربے ہونے شروع ہوئے تو مختلف سرخیاں تعارفی کلمات اور تصاویر کی تشریح یعنی کیپشن وغیرہ نستعلیق کے علاوہ دوسرے رسم الخط میں بھی لکھے جانے لگے۔

صحافت میں نئے تجربوں کا ذکر آتا ہے تو عنایت اللہ مرحوم کا نام خود بخود زبان پر آجاتا ہے۔ مرحوم نے لاہور میں بچوں کے ایک رسالے سے اپنا صحافتی کیریر شروع کیا اور پھر اس ملک میں یکے بعد

ٹیلنٹ کلب کے زیر اہتمام ''شریف گلزار کے ساتھ ایک نشست'' میں صدر تقریب جناب ولایت حسین حیدری ایڈوکیٹ خطاب کر رہے ہیں

تقریب میں حاضرین سے جناب حاجی صالح محمد صدیق خطاب کر رہے ہیں

دیگرے تعمیر، کوہستان اور مشرق جیسے قدآور اخبارات کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے ہی برطانیہ میں اردو پریس کی پہلی اینٹ رکھی اور انہوں نے ہی اخبارِ خواتین جیسے بھاری بھرکم جریدے کے ذریعے زنانہ صحافت کی نئی روایات قائم کیں عنایت اللہ مرحوم نے پہلی بار اردو صحافت کو تصویری صحافت اور اردو خبری نظام کو تصویری خبری نظام عطا کیا وہ کوہستان میں اس سلسلے میں متعدد تجربے کر چکے تھے مگر جب 1963ء میں مشرق کا اجرا ہوا تو انہوں نے اردو صحافت کا آفتاب اپنے ہاتھوں سے طلوع کر کے اردو صحافت کو وہ ہمت عطا کردی جس پر آج تمام اخبارات فخر سے چل رہے ہیں۔

عنایت اللہ مرحوم خبروں اور مقالات کی سرخیوں کے لیئے یکساں نستعلیق خط کی بجائے متنوع خط اپنانے کے خواہشمند تھے شریف گلزار نے ان کے ذہن کو پڑھا اور ان کی خواہشات کو اپنی قلم کے ذریعے حقیقت میں ڈھال دیا انہوں نے خط طغریٰ اور خطِ نستعلیق کے

ٹیلنٹ کلب کے زیر اہتمام ''شریف گلزار کے ساتھ ایک نشست'' میں
جناب شریف گلزار صاحب کے قلم سے لکھے گئے بسم اللہ کے چند خوبصورت نمونے

A-9668

جناب یاسین رضوی صاحب تقریب میں حاضرین سے خطاب کررہے ہیں

امتزاج سے وہ متنوع خط پیدا کئے جنہیں ہم پوری ذمہ داری سے شریف گلزار کے نام سے منسوب کر کے خطِ گلزار کا نام دے سکتے ہیں۔

شریف گلزار نے اس کہاوت کو حقیقت میں بدلا ہے کہ اچھا ادب اچھی خطاطی کا محتاج ہے۔ بلکہ یوں کہا جائے تو بے جانہ ہوگا کہ معیاری صحافت بھی معیاری خطاطی کے ذریعے وجود میں آتی ہے جس طرح ایک اچھی کتاب اور اچھا رسالہ، بری کتابت کی وجہ سے مارکیٹ میں ناکامی کا شکار بن جاتا ہے۔ اسی طرح بُری کتابت سے تیار شدہ ایک اخبار بھی قارئین کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے میں ناکام ہوجاتا ہے شریف گلزار نے ایک اور احسان خطاطی پر یہ کیا ہے کہ اچھی تنخواہوں کے ذریعے خطاط کو معاشرے میں اہم مقام دلایا ہے اب یہ شریف گلزار کا کام ہے کہ وہ اچھے خطاط پیدا کرنے کے لئے خطاط اکیڈمی قائم کریں درحقیقت اس کام میں انہیں فن کے قدردانوں کی حمایت وسرپرستی بھرپور انداز میں حاصل ہوسکے گی جہاں تک ہمارا تعلق ہے ہم اس اکیڈمی کے قیام میں ان کی مدد کا پوری ذمہ داری سے اعلان کرتے ہیں۔

ہم نے ہمیشہ یہ بات زور دے کر کہی ہے کہ جس طرح اچھی شکل اور اچھی آواز خدائے تعالیٰ کا انعام ہے اسی طرح اچھی تحریر اور اچھا خط بھی خدا کا ایک زبردست انعام ہے شکل اور آواز تو ایک فانی ہے۔ مگر ایک اچھا ادیب اپنی تحریریں اور ایک اچھا خطاط اپنا فن امر بنا جاتا ہے۔ اس لازوال فن کا مالک ہونے پر ہم شریف گلزار کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔

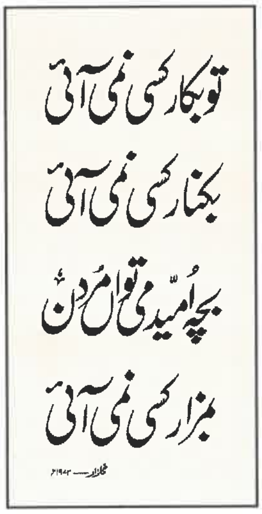

روزنامہ مشرق پشاور کے ایڈیٹر مسعود انور شفقی، شریف گلزار کے ساتھ

انتظار حسین

شریف گلزار کے ساتھ گل و گلزار صبح

یہ کالم مشہور کالم نویس انتظار حسین نے فلیٹی ہوٹل لاہور میں شریف گلزار کی اعزاز میں ہونے والی تقریب کے بارے میں لکھا

شریف گلزار بلیک بورڈ کے سامنے مار کر لئے کھڑے تھے اور خطاطی کی تاریخ میں لمبے لمبے ڈگ بھر رہے تھے، حضرت علیؓ سے چلے اور ابن مقلہ تک پہنچے، ابن مقلہ سے چلے اور پروین رقم پر آ کر دم لیا۔ ادھر مار کر سے بلیک بورڈ پر وہ بسم اللہ لکھے چلے جا رہے تھے۔ بسم اللہ لکھنے میں شریف گلزار نے کیا گل و گلزار کھلائے۔

چل مرے خامے بسم اللہ

کوفی خط سے چلے اور آج کے نستعلیق پر آ کر قلم روکا۔ اصل میں آج شریف گلزار کے ساتھ صبح منائی جا رہی تھی۔ اہلِ قلم اور اہلِ فن کے ساتھ شامیں مناتے ہم نے دیکھی تھیں۔ اس صاحب ہنر کے ساتھ ٹیلنٹ کلب نے فلیٹی ہوٹل میں صبح منانے کا اہتمام کیا۔ جاڑوں کی دھوپ بھری صبح یوں بھی اچھی ہوتی ہے۔ شریف گلزار کے ساتھ منائی گئی صبح گل و گلزار ہو گئی ولایت حسین حیدری ایڈووکیٹ صدارت کر رہے تھے۔ قدر شناس خراج تحسین پیش کر رہے تھے۔ ٹیلنٹ کلب کے چیئرمین ڈاکٹر یاسین رضوی کہہ رہے تھے کہ انہوں نے خط طغریٰ اور خط نستعلیق کے امتزاج سے وہ متنوع خط پیدا کیے جنہیں ہم پوری ذمہ داری سے شریف گلزار کی نام سے منسوب کر کے خط گلزار کا نام دے سکتے ہیں۔

حبیب الرحمٰن نے اس اجمال کی تفصیل یوں کی، کہ خطاطی کی متعدد طرزوں پر تو انہیں عبور ہے ہی، خواہ نستعلیق ہو یا نسخ، ثلث ہو یا رقاع، خط غبار ہو یا خط معکوس، طغری ہو یا کوفی۔ انہوں نے اس میں

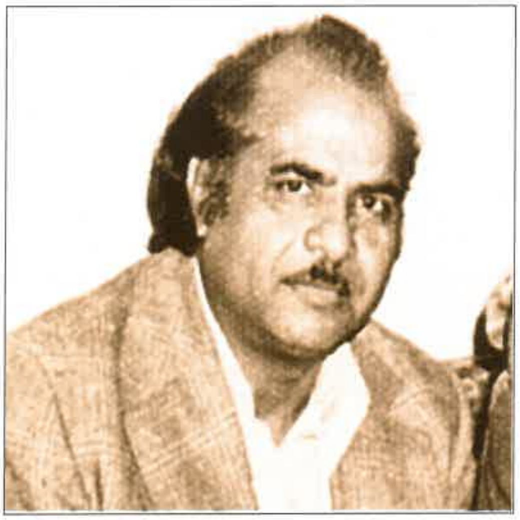

بے شمار شاہکار تخلیق کئے ہیں اور اپنے فن کے جوہر دکھائے ہیں۔ لیکن ان تمام سے ہٹ کر انہوں نے اخبار کی ضرورت کے مطابق کئی نئے خط ایجاد کئے۔

حبیب الرحمٰن نے شریف گلزار کے فن کے بارے میں چند اشارے کر کے باقی کا کام حاجی صالح محمد صدیق پر چھوڑ دیا اور حاجی صالح محمد صدیق صاحب نے یہ کہا کہ شریف گلزار تو اپنی ذات میں خطاطی کی کئی منزلوں والی عمارت ہیں، اس عمارت کی پہلی منزل کی بنیادیں تو میں نے ہی کھڑی کی تھیں۔

یہ تو ہوئی اس ''صاحب ایجاد خطاط'' کو قدر شناسوں کی داد تحسین۔ مگر خود اس خطاط کی تقریر بہت معلومات افزا تھی اخبار کے دفتر میں ہنرمندوں کو دیکھ کر تو بس اخبار کی ضرورت کی ہی حد تک ان کے

ہنر کا اندازہ ہوتا ہے اور حبیب الرحمٰن بھی شریف گلزار کو کوہستان کے دفتر میں بس اتنا دیکھ سکے کہ ایک شخص برق رفتاری کے ساتھ اخبار کی سرخیاں لکھ رہا ہے۔ وہ اس برق رفتاری کو دیکھ کر ہی دنگ رہ گئے۔ مگر ٹیلنٹ کلب کی اس تقریب میں آکر پتہ چلا کہ یہ ہنرمند تو خطاطی کی پوری تاریخ کو اپنے حافظہ میں لئے اور اپنی پوروں میں سمیٹے پھر رہا ہے۔

خط کوفی سے لے کر آج کے خط نستعلیق تک سب پہ یکساں عبور حاصل ہے۔ چاک کو گردش دی اور بسم اللہ کو کبھی کوفی میں لکھا، کبھی خط ریحان میں، کبھی ثلث میں، کبھی خطِ طغریٰ میں۔

شریف گلزار کہتے تھے کہ ہماری خطاطی کی تاریخ حضرت علیؓ سے شروع ہوتی ہے اور محفل کے صدر ولایت حسین حیدری نے بتایا کہ جب آنحضرت ﷺ نے دشمنان اسلام کو یہ چیلنج کیا تھا کہ اگر تم قرآن کا جواب لا سکتے ہو تو لاؤ اور اس آیت کی طرح ایک آیت لکھ کر بتاؤ تو جس آیت کا حوالہ دیا گیا تھا۔ اسے حضرت علیؓ نے خوشنما خط میں رقم کیا تھا۔

شریف گلزار حضرت علیؓ سے چلے اور ابن مقلہ تک آئے جس کے متعلق انہوں نے بتایا کہ اس نے چھ خط ایجاد کئے تھے۔ ابن مقلہ نامی گرامی خطاط تھا۔ شاعر تھا، عالم تھا اور تین خلفاء کا وزیر رہا اور تین ہی دفعہ اسے سزائیں ملیں اور کیسی سزائیں۔ ایک دفعہ زبان کاٹنے کی سزا دی گئی۔ دوسری مرتبہ دایاں ہاتھ کاٹا گیا۔ مگر اس ہنرمند کو دیکھو کہ اس نے بائیں ہاتھ ہی سے اپنا ہنر دکھانا شروع کر دیا اور پورے کلام مجید کی کتابت کر ڈالی۔

شریف گلزار نے اس برصغیر میں خطاطی کے فن کا جائزہ لیتے ہوئے بتایا کہ یہاں خطاطی کے تین بڑے مرکز بنے۔ دلی، لکھنؤ، اور لاہور۔ لکھنؤ میں اعجاز رقم تھے، دلی میں میر پنجہ کش جو پنجہ بھی لڑاتے تھے اور خطاطی بھی کرتے تھے۔ 1857ء کی جنگ آزادی میں شہید ہوئے۔ لاہور میں امام ویردی۔ ان کے اثر میں یہاں خطاطی کی روایت قائم ہوئی۔ آگے چل کر اسی سلسلہ میں پروین رقم پیدا ہوئے اور انہوں نے اس روایت کو چار چاند لگائے۔ شریف گلزار کے فن کا سلسلہ بھی اسی روایت سے ملتا ہے۔ حبیب الرحمٰن نے شریف گلزار کے استاد احمد حسین سہیل رقم کا ذکر کیا جو صوفی عبدالمجید پروین رقم کے کزن بھائی تھے اور جنہوں نے نستعلیق کی پرانی طرز کو مختلف تبدیلیوں کے ذریعہ ایک نیا رنگ عطا کیا جس سے آج کی نسل مستفید ہو رہی ہے۔

شریف گلزار نے ایک بات ہمیں یہ بتائی کہ ہماری خطاطی میں جتنے خط ایجاد ہوئے ہیں انہیں دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے تعلیمی خط اور تزئینی خط۔ تعلیمی خط صرف تین ہیں، نسخ، نستعلیق اور رقاع۔ باقی تزئینی خط ہیں اور تزئینی خط کی وجہ پیدائش یہ سمجھئے کہ اسلام میں مصوری کی تو ممانعت تھی۔ ہنرمندوں نے اپنی مصوری کے ذوق کی تسکین کا سامان خطاطی کے ذریعہ کیا۔ بس اسی عمل میں نئے تزئینی خط ایجاد ہوئے۔

یوں ہم نے اس دھوپ میں چمکتی صبح میں شریف گلزار سے تعاون حاصل کیا اور ان کی واسطے سے خطاطی کی تاریخ کی جھلکیاں دیکھیں۔

شریف گلزار صاحب نے اپنے شاگرد محمد یونس کھوکھر کو اپنے مخصوص خط میں نام لکھ کر دیا

شمیم اختر

شریف گلزار، شریف بھی اور گلزار بھی

شمیم اختر

شمیم اختر کا شمار ملک کے ممتاز صحافیوں میں ہوتا ہے خصوصاً صحافی خواتین میں وہ ایک منفرد مقام رکھتی ہیں انہوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ اخبارِ خواتین میں گزارا اور اس ہفت روزے کے ذریعے عورتوں کو ان کی شناخت کا احساس دلایا آج کل وہ ایک فری لانسر کی حیثیت سے ملک کے ممتاز روزناموں اور جرائد کے لئے لکھ رہی ہیں وہ انگلستان سے نکلنے والے جریدے "زمین" اور لاس اینجلس (امریکہ) سے شائع ہونے والے روزنامہ "پاکستان لنک" کے لئے بھی لکھ چکی ہیں۔ شمیم اختر نوائے وقت گروپ آف نیوز پیپرز کے تحت شائع ہونے والے ہفت روزہ "فیملی میگزین" کی فاؤنڈنگ ایڈیٹر ہیں۔ ان کی پاکستانی بچوں کے آرٹ پر کتاب زیرِ طبع ہے۔

شمیم اختر پشاور میں پیدا ہوئیں ابتدائی تعلیم کے بعد وہ کراچی آگئیں اور سینٹ جوزف کالج سے بی اے کرنے کے بعد کراچی یونیورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے کیا۔ فلسفہ مذہب ان کا خاص مضمون تھا۔ اخبارِ خواتین میں ملازمت کے دوران انہوں نے تھامسن فاؤنڈیشن کے زیرِ اہتمام صحافت کا ایک کریش کورس کیا اور فیچر رائٹنگ میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ نیشنل بک فاؤنڈیشن آف پاکستان اور یونیسکو کے اشتراک سے منعقدہ بچوں کی کتابوں کی تدوین کا کورس مکمل کیا۔ ان کا تعلیمی کیریئر ان کی پیشہ وارانہ کیریئر کی طرح ہمیشہ شاندار رہا۔ اپنی پیشہ وارانہ اور ذاتی حیثیت میں وہ امریکہ، روس، برطانیہ، فرانس، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، کینیڈا، کینیا، مصر، ایران، سری لنکا، سنگاپور، چین، جاپان، ملائشیا، شمالی کوریا، ترکی، اردن، سعودی عرب، بحرین، دبئی، بھارت، اور اسپین کا دورہ کر چکی ہیں۔

شمیم اختر اپنی کامیاب تعلیم، پیشے کی طرح ایک کامیاب ازدواجی زندگی بھی گزار رہی ہیں۔

شریف گلزار: مخاطب کو سمجھاتے ہوئے

یہ گزرے وقتوں کی باتیں ہیں جب کمپیوٹر نہیں تھا نوری نستعلیق کے موجد احمد مرزا جمیل اپنے خواب کی تعبیر کی تلاش میں تھے۔ اخبارات کے دفاتر میں ایک شعبہ کتابت ہوتا تھا بلکہ یہی تو وہ ستون تھا جس پر ہم لکھنے والوں کے خیالات کی عمارت کھڑی ہوتی تھی یہ خطاطوں کی دنیا تھی بلکہ ان کے حسنِ تحریر کو نام دینے کے لئے خوش نویس زیادہ مناسب لفظ ہے میں نے اپنے دفتر میں ان حضرات کو کرسیوں پر بیٹھے دیکھا تھا جبکہ شہر کے دیگر دفاتر میں یہ فرش پر گدی لگا کر بیٹھتے تھے کاغذ کو اپنی چار انگلیوں کے سہارے گھٹنے پر رکھ کر باریک بینی سے گل فشانی کرتے تھے۔ عنایت اللہ مرحوم نے جہاں

کراچی: شریف گلزار، اقبال زبیری، خورشید اعجاز، علی اختر رضوی

اخبار کی شکل وصورت اور مضامین کی ہیئت تبدیل کی تھی اور لکھنے والوں کو جدیدیت کی راہ دکھائی تھی وہیں انہوں نے خوش نویسوں کی عزت افزائی کے لئے ان کو کرسیوں پر بٹھادیا تھا ان کی سوچ اپنی جگہ بجا تھی کہ سبھی کو وقت کے دھارے کے ساتھ ساتھ جینا ہوتا ہے چاہے وہ پیشۂ درویش یعنی لکھنے پڑھنے کے شعبے سے متعلق لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔

1970ء میں جب نذیر ناجی لاہور میں مجھے حنیف رامے سے ملانے لے گئے تھے وہ کتابوں کی ایک دکان کے اندرونی حصے میں فرش پر گدی جمائے بیٹھے گھٹنوں پر کاغذ جمائے خطاطی کر رہے تھے تبھی مجھے پتہ چلا کہ یہ کام فرش پر بیٹھ کر کیا جاتا تھا۔ مشرق والوں نے اسے مغرب کی کرسی پر چڑھادیا اس وقت کسے معلوم تھا کہ یہ کام مغرب کی کرسی سے اُٹھ کر مغرب کے بنائے ہوئے کمپیوٹر میں گھس جائے گا اور وہاں سے ایک خاص ٹیکسال میں ڈھل کر برآمد ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک خوش نویس کی تحریر میں اپنایت کی جو خوبی تھی وہ کمپیوٹر کی مشین سے نکلے ہوئے حروف کو نصیب نہیں۔ ہمارے اخبار کے رشید شاہد اور اسحاق شاہد کے لکھے ہوئے لفظوں کا حسن آج بھی نظروں کے سامنے ہے ان کے استاد شریف گلزار تھے۔

شریف گلزار، کردار کے شریف اور تحریر میں گلزار تھے جب دفتر میں کسی خاص کالم یا خبر کی دھوم مچتی تو گلزار صاحب سرخی لکھنے کا کام سنبھالتے تھے۔

کل جب رشید شاہد نے مجھے کہا کہ میں گلزار صاحب کے بارے میں کچھ لکھ دوں تو میں نے 39 (انتالیس) برس پیچھے مڑ کر دیکھا وہاں مجھے گلزار صاحب اپنی مخصوص ہنسی ہنستے کھڑے دکھائی دیئے۔ وہ ہنستے ہوئے مجھے کہہ رہے ہیں کہ ''میں نے تمہیں ستمبر 1967 میں صحیح مشورہ دیا تھا نا؟''

اگر میں یہ کہوں کہ میرے کیریئر کے 39 برسوں میں صرف 6 ماہ میرے ہیں اور بقیہ ساڑھے اڑتیں برس گلزار صاحب کے دیئے ہوئے ہیں مشورے کا نتیجہ ہیں تو کچھ غلط نہ ہوگا۔

تعلیم کے فوراً بعد اخبارِ خواتین میں ملازمت میری پہلی بندش تھی ذہنی ناپختگی کے سبب میں زیادہ روک ٹوک برداشت نہیں کرسکتی تھی نہ ہی مجھے تنقید گوارہ تھی اپنی ان خامیوں کے سبب مجھے محسوس ہوا کہ مجھے

بلاوجہ پریشان کیا جارہا ہے ۔ انہی دنوں ایک بنک میں آفیسرز کی اسامی کا اشتہار شائع ہوا۔ میں نے درخواست دی، انٹرویو ہوا اور میں چُن لی گئی وہاں بلاوے کا خط جیب میں ڈال کر میں نے اپنا استعفیٰ مشرق کی انتظامیہ کو دے دیا۔

ادھر میں نے استعفیٰ دیا ادھر گلزار صاحب آئے اور مجھے اشارے سے باہر بلایا ہم دونوں آمنے سامنے کرسیوں پر بیٹھ گئے، انہوں نے استعفیٰ جیب سے نکالا اور کہا" یہ تم نے خود لکھا ہے یا کسی نے زبردستی لکھوایا ہے۔"

میں نے ان سے کہا کہ" میں کینے، رنجش، اور حسد کے ماحول میں کام نہیں کرسکتی میرے لئے نوکریوں کی کمی نہیں ہے" یہ کہہ کر میں نے ان کو بنک میں اپنی نوکری کا لیٹر دکھایا۔

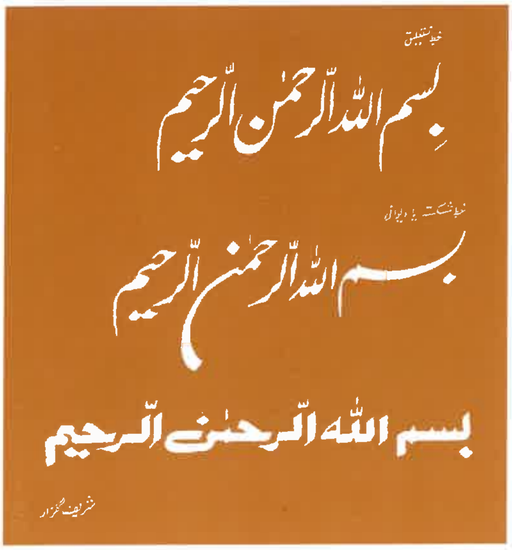

بسم اللہ کے تین انداز

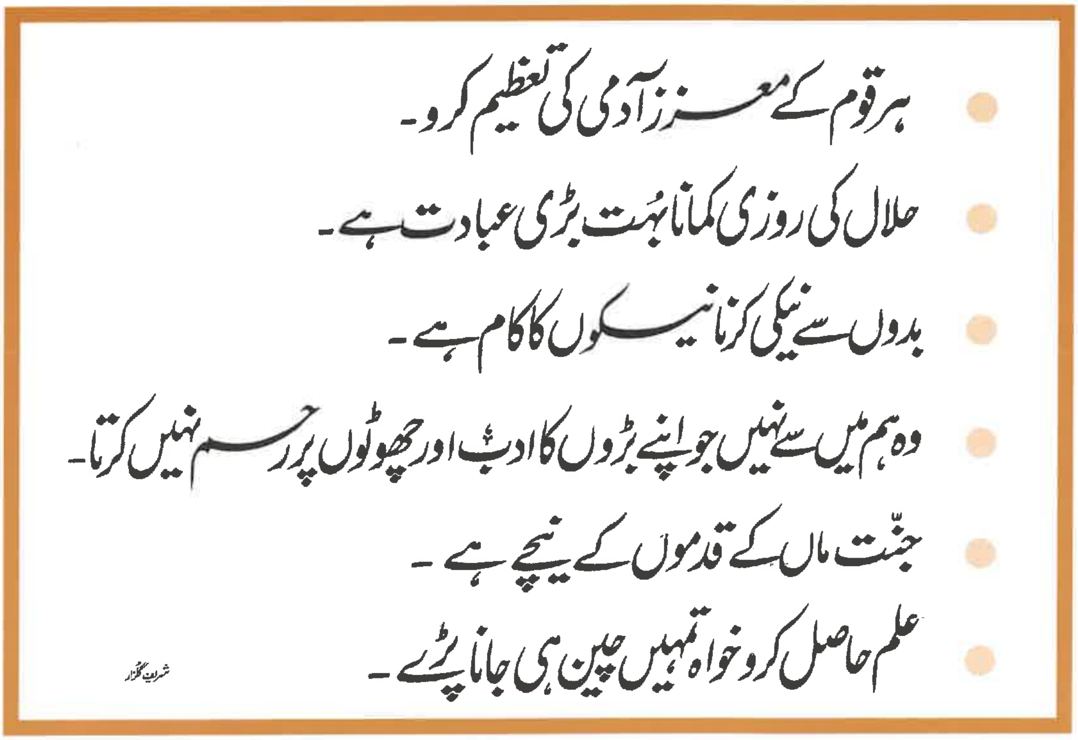

مختلف اقوالِ زریں، شریف گلزار کے قلم سے

اقبال زبیری اور شریف گلزار، کام کے ساتھ ساتھ صلاح مشورہ بھی جاری ہے

وہ کہنے لگے ''میں نے یہ تو نہیں کہا کہ تمہارے لئے نوکریوں کی کمی ہے، تم جہاں بھی جاؤ گی تمہیں اسی طرح کے لوگوں کے ساتھ کام کرنا پڑے گا اگر تم یہاں سے چلی گئیں تو یہ تمہارے دشمنوں کی جیت ہوگی وہ تو یہی چاہتے ہیں کہ تم چلی جاؤ، کیا تم اپنے دشمنوں کو خوش دیکھنا چاہتی ہو؟''

شریف گلزار اور ہمایوں فرخ خوشگوار موڈ میں

یہ کہہ کر انہوں نے میرا استعفیٰ اپنی جیب سے نکالا اور میری طرف بڑھ کر کہا ''لو اسے اپنے ہاتھوں سے پھاڑ دو، اور آئندہ یہ حرکت نہ کرنا، معلوم نہیں پھر میں کہاں ہوں گا''۔ وہ کرسی سے اُٹھ کر جانے لگے تو ہنس کر بولے ''جو لیٹر تمہاری جیب میں ہے اُسے بھی پھاڑ دو، تم اس کام کے لئے بنائی گئی ہو، کسی بنک میں حساب کتاب کے لئے نہیں۔''

گلزار صاحب لاہور اور کراچی کے درمیان آتے اور جاتے رہے اور پھر ایک وفادار کی طرح عنایت صاحب کے ساتھ لاہور کے ہو رہے اور وہیں سے اپنی منزل کی جانب کوچ کر گئے۔ انہوں نے پلٹ کر بھی نہیں پوچھا کہ باقی کے ساڑھے اڑتیس برس تم نے کیسے گذارے ہیں۔

خیر یہ برس تو جیسے گذرنے تھے گزر گئے۔ انہوں نے مجھے بنک کے حساب کتاب سے روکا تھا میں نے ان کی نصیحت پر عمل کیا اور زندگی میں کام کے سوا اور کوئی حساب کتاب رکھا ہی نہیں۔ وہ مجھے ایسے کام میں ڈال گئے جس میں کتاب تو ہے حساب نہیں اور نہ ہی کوئی ریٹائرمنٹ۔ گلزار صاحب اس احسان کے بعد میں آپ کو کیسے بھول سکتی ہوں۔

شریف گلزار، ماضی قریب کے ایک جادوگر

ولی رضوی

☆ صحافت سے وابستگی : 1967 روزنامہ حریت کراچی

☆ جن اساتذہ کے قرب میں رہنے کا اعزاز حاصل ہوا: مولانا حسن مثنیٰ، آفسر آزر، اے آر ممتاز۔

1968 حریت، ڈان کی ملکیت میں چلا گیا تو مشرق کراچی میں ملازمت کا موقع ملا۔

☆ جن اساتذہ سے استفادہ حاصل کرنے کا موقع ملا

اقبال زبیری، رضا علی عابدی، عرفان غازی، مجید اصغر، حافظ محمد اسلام، اختر عالم، محمود شام اور یہ فہرست کافی طویل ہے۔ 1970 کی اخباری دنیا کی ہڑتال میں مشرق سے برطرفی ہوئی تو فوراً ہی جنگ میں ملازمت مل گئی۔

☆ 1973 میں مشرق میں واپسی ہوئی نجکاری سے ایک سال پہلے مشرق سے استعفیٰ دیا 6 سال امن میں ایگزیکٹو ایڈیٹر رہا۔ یہاں جناب اجمل دہلوی سے کالم لکھنے کا ہنر سیکھا۔ 1998 میں دوبارہ جنگ سے وابستہ ہوگیا

☆ 2002 میں الیکٹرانک میڈیا سے منسلک ہوا انڈس سے سفر آغاز کیا، اے آر وائی سے وابستہ رہا اور اب ٹی وی ون سے منسلک ہیں۔

☆ تعلیمی استعداد: ایم اے صحافت، (فرسٹ کلاس فرسٹ) کراچی یونیورسٹی ایل ایل بی، (فرسٹ کلاس فرسٹ) کراچی یونیورسٹی، ایل ایل ایم، (فرسٹ کلاس فرسٹ) کراچی یونیورسٹی

ملازمت کے ساتھ ہی تعلیم مکمل کی، صحافت پڑھی بھی پڑھائی بھی اور 35 سال سے زیادہ عرصے سے عملی صحافت میں بھی ہیں۔

وہ لفظوں کے پیکر بناتے تھے اور پیکر کو آراستہ کرنے کے لئے ایک آرٹ گیلری تخلیق کرتے تھے۔

اُن کے پاس اخبار کے جہازی سائز کے کچھ صفحے ہوتے تھے اور بس باقی کام وہ اپنے vision سے کرتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب پاکستان کے اخباروں میں Layout, Makeup, Page Making اور Color Scheme کو جگہ نہیں ملی تھی۔

صحافت کے نصاب میں البتہ یہ سب کچھ اُس وقت بھی موجود تھا تاہم یونیورسٹی میں کوئی ان مضامین یا عنوانات کو پڑھنے اور پڑھانے میں دلچسپی نہیں رکھتا تھا ہمارے یہاں صحافت کا نصاب غیر ملکی

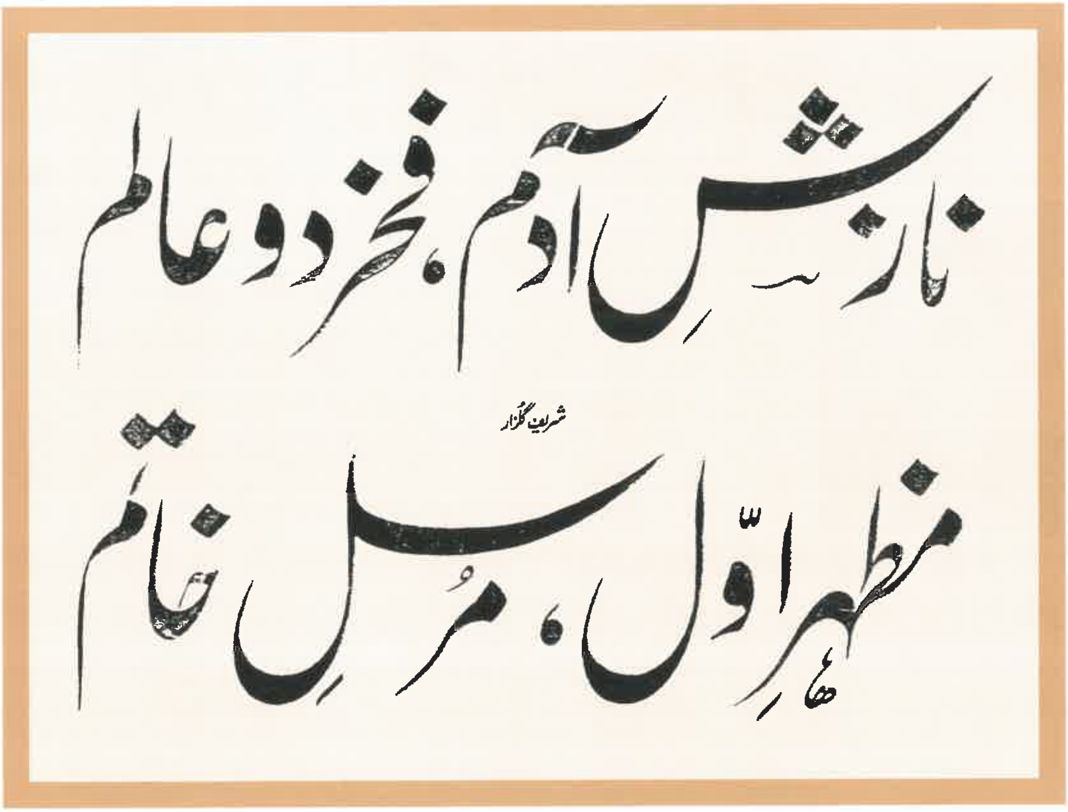

جناب شریف گلزار صاحب کی خطاطی کا ایک نمونہ جو انہوں نے چند سیکنڈ میں لکھ دیا

لندن کے اخبارات کا مطالعاتی جائزہ لینے کے بعد وطن واپسی

ایئرپورٹ پر جناب اقبال زبیری۔ جناب شریف گلزار۔ چوہدری محمد صدیق۔ خورشید اعجاز اور علی حمزہ خاں نمایاں ہیں

شریف گلزار، اقبال زبیری، غلام اکبر

یونیورسٹیوں کے نصاب کو سامنے رکھ کر نقل کیا گیا تھا اس لئے اُس کی کسی بات کی اہمیت کو جانا ہی نہیں گیا۔ Layout کے باب میں طویل ترین عرصے تک یہ پڑھایا جاتا رہا کہ:

''کارٹون ہمیشہ صفحے کے انتہائی دائیں طرف باٹم کارنر پر لگانا چاہیئے!''

انہوں نے تو انگریزی صفحے کے ''لے آؤٹ'' کے مطابق یہ اصول لکھا ہوگا لیکن ہم نے ذہن پر زور دیئے بغیر اس اصول کو اپنی کتابوں میں بھی ویسے کا ویسا ہی اتار لیا۔ میں نے اس بات پر عمل ہوتے کہیں اور کبھی نہیں دیکھا لیکن ایک دائم حیرانی کسی پچھل پیری کی طرح مجھ سے لپٹ گئی۔

آپ سوچیں گے بات شروع ہوئی تھی شریف گلزار صاحب سے اور پہنچ گئی شہر آشوب تک۔ لیکن میں اصرار کروں گا کہ اس کا تعلق بھی شریف گلزار کے مکتب سے ضرور بنتا ہے۔ یہ زیادہ دن پہلے کی بات نہیں کہ ایم اے صحافت میں Layout کے پرچے میں طلباء کو چھ، سات خبروں کی سرخیاں، کچھ تصویریں اور ایک سادہ کاغذ دے کر کہا جاتا تھا کہ آپ کو اخبار کا فرنٹ پیج بنانا ہو تو ان خبروں کو کیسے ترتیب دیں گے۔

لڑکے پرچہ ہاتھ میں لئے در و دیوار کو گھورتے رہتے تھے اور کوئی تجریدی خیال نقش کر کے چلے آتے تھے۔

میں کہنا یہ چاہ رہا ہوں کہ انگریزی سے استفادہ کرنے کی وجہ سے یہ مضامین اور عنوانات ہمارے نصاب میں تو آ گئے تھے لیکن پڑھنے اور پڑھانے والے نہیں تھے۔ جو لوگ اخبار مرتب کر رہے تھے اور اُن کی اشاعت کے ذمّہ دار تھے انہیں رنگوں سے تعارف ہی نہیں ہوا تھا وہ حرفوں اور لفظوں کے معنی در معنی طلسم کو بھی نہیں سمجھتے تھے۔ انہیں ترتیب، تناسب اور توازن سے پیدا ہونے والے حُسن سے بھی آشنائی نہیں تھی۔

مشرق کے بانی عنایت اللہ صاحب انگریزی اخبارات کی ترتیب و پیش کش کا جائزہ لینے کے بعد لندن سے وطن واپس آئے تو ان کے ساتھ محترم اقبال زبیری اور مکرمی شریف گلزار بھی تھے۔

لفظوں کے نئے پیکر تراشنے اور اخبار کو ایک نئی صورت دینے کی

شریف گلزار مشرق کراچی کے فوٹوگرافر اقبال زیدی کی صاحبزادی کو گود میں اٹھائے ہوئے

ذمہ داری شریف گلزار صاحب کے سپرد تھی۔

گلزار صاحب کا ایک میدان خطاطی تھا سو اس شعبے میں انہوں نے کارِ عشق کیا جن دوستوں کو انہوں نے یہ ہنر منتقل کیا یا جو احباب اُن کے مکتب سے وابستہ ہوئے انہوں نے بھی کمال کیا۔

گلزار صاحب سے میری بہت زیادہ قربت نہیں تھی اس کا مجھے اعتراف ہے لیکن جیسے کسی مصوّر کی کوئی پینٹنگ آپ کو اپنے سامنے روک لیتی ہے ایسے ہی گلزار صاحب کی کوئی سطر کبھی کبھی مجھے بھی روک لیتی ہے......بس اس طرح میں شریف گلزار صاحب کے قریب پہنچا۔

بے حد محبت کرنے والے رشید شاہد صاحب کا احسان ہے کہ ان ٹوٹے پھوٹے لفظوں کے ذریعہ مجھے آپ سے ایک بات Share کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

گلزار صاحب لاہور میں تھے مشرق کا مرکزی دفتر بھی وہیں تھا تاہم کبھی کبھار وہ اپنے شعبے کی کارکردگی دیکھنے کراچی ضرور آتے تھے۔

بہت مصروف رہنے کے باوجود وہ ایک آدھ عام نشست کے لئے بھی وقت نکال لیا کرتے تھے۔ ایسی ہی ایک نشست تھی شریف گلزار حرف ولفظ کی صورت گری پر کلام کر رہے تھے باتیں کرتے کرتے ایک مقام پر انہوں نے توقف کیا اور کہا ''دیکھئے ''انتظار'' ایسے لکھئے کہ پڑھنے والا ''انتظار'' کی کیفیت بھی محسوس کرنے لگے''۔

لفظوں کی صورت گری ایسی ہو تو جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔

شریف گلزار صاحب نے اخبار کے صفحات پر حرف ولفظ، ترتیب وتوازن اور رنگوں کی ساحری شروع کی تو پاکستان کی صحافت میں انقلاب برپا ہوا۔ آج کے اخبار میں جو رنگ ہیں جو حروف ہیں اور جو Layout ہے وہ گلزار صاحب کا دیا ہوا ہے۔

Page Making اور لے آؤٹ کا مضمون آج بھی پڑھایا جاتا ہوگا تو کیا اس تذکرے کو شریف گلزار صاحب کے نام منسوب نہیں کیا جاسکتا؟۔

حافظ شفیق الرحمٰن

خطّاطی کا شاہجہاں

اخبار اگر ایک دلہن ہے تو آرٹ سیکشن اس کا بیوٹی پارلر ہوتا ہے جہاں اس کا میک اپ کیا جاتا، اس کے نین نقش سنوارے جاتے اور خط وخال میں دلبری، دلکشی، رعنائی اور زیبائی سموئی جاتی ہے اخبار کے روئے زیبا کو غازہ خون جگر سے اجال کر اسے عروس نازنین کا دلکش روپ دینے میں جس شخص نے سب سے زیادہ نام کمایا اس کا نام نامی شریف گلزار ہے۔

علم و ہنر کسی کی میراث نہیں...... جہد مسلسل اور عمل پیہم کے اس میخانے کا تو عالم یہ ہے کہ

جو بڑھ کے خود اٹھا لے ہاتھ میں ساغر اسی کا ہے

علم و ہنر کے ساتھ غربت اور مفلسی کا ایک خاص رشتہ ہے اور یہ رشتہ ازلی ہے۔ گھاس پھوس اور تنکوں سے بنی ہوئی جھونپڑیوں میں ایسی ایسی عظیم شخصیات نے جنم لیا جن کی عظمت و رفعت کے سامنے اس نیلے آسمان کی بوڑھی آنکھوں نے شہنشاہوں کے نقرئی محلات کے طلائی کنگریوں کے سر پر غرور کو ختم ہوتے دیکھا۔ مرشد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا کہ بڑے گھروں میں چھوٹے چھوٹے گھروں میں بڑے انسان جنم لیتے ہیں۔ شہر اقبال سیالکوٹ کے ایک چھوٹے سے گاؤں مندرانوالہ کے کچے گھروندے میں 1931ء کو ایک ایسے بڑے انسان نے جنم لیا جس نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی کتابت خطاطی اور اخباری تزئین و آرائش کے شعبوں میں ناقابلِ فراموش خدمات انجام دیں...... اس بڑے انسان کا نام شریف گلزار تھا...... جدید اخباری دنیا کا کون سا فرد ہے جو شریف گلزار کو نہیں جانتا...... قلم کے اس مزدور اور معمار نے صحافت کو سحرائے سینہ میں ایسے ایسے لازوال الاھرام تعمیر کئے جو ماہ وسال کی سینکڑوں گردشوں، آندھیوں اور زلزلوں کے باوجود نقش دوام کی صورت زندہ رہیں گے۔

شریف گلزار نے انتہائی نامساعد حالات کے باوجود ایف اے تک باقاعدہ تعلیم حاصل کی۔ اسلامیہ کالج گوجرانوالہ میں جب وہ بی اے کے سال اول کے طالب علم تھے کہ غربت اور تنگ دستی کے ہاتھوں مجبور ہو کر انہیں اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ حالات کو سنبھالا اور معاشی چیرہ دستیوں کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے گھر کو اُجالا دینے کے لئے انہوں نے 1952ء میں انتخابی فہرستوں کی کتابت کا سلسلہ شروع کیا۔

انتخابی فہرستوں کی کتابت کے دوران انہیں محسوس ہوا کہ اگر یہ فن باقاعدہ سیکھیں تو وہ چنگاری سے آفتاب بن سکتے ہیں۔ کتابت کا فن ایک بحر ناپید کنار ہے...... غواص اور پیراک جوں جوں اس کی

مانوس بلی سے پیار۔ خطاطی سے عشق

پاکستان کے دو نامور خطاط۔سید نفیس الحسینی اور شریف گلزار

کامل استاد سے باقاعدہ تربیت حاصل کرنے کے بعد 1954ء میں روزنامہ ہلال پاکستان میں ملازم ہوئے۔1956ء میں جب روزنامہ کوہستان کا آغاز ہوا تو عنایت اللہ مرحوم نے اخبار کے لے آؤٹ میں خوبصورتی پیدا کرنے اوراس کی سٹال شو بڑھانے کے لئے شریف گلزار کی خدمات سے استفادہ کیا وہ اس روزنامہ میں چیف آرٹ ایڈیٹراور چیف کیلی گرافسٹ مقرر ہوئے روزنامہ اخبارات میں الگ سے آرٹ سیکشن کے قیام کا سہرا انہی کے سر بندھتا ہے یہ اعزاز اورافتخار بھی انہیں ہی حاصل ہے کہ کاتبوں کو چٹائیوں اور تخت پوشوں سے اٹھا کرانہیں میز کُرسی پر بٹھایا۔16 نومبر 1963ء کوعنایت اللہ مرحوم نے جب مشرق کا آغاز کیا تو شریف گلزار یہاں بھی چیف آرٹ ایڈیٹر مقرر ہوئے مشرق ملازمت کے دوران انہوں نے اخباری دنیا کو میک اپ، پرنٹنگ اور لے آؤٹ کے حوالے سے بوقلموں، جدتوں سے متعارف کروایا، اس اخبار کی شہ سرخیوں میں اُن کے قلم کا جادو بولتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔مشرق کی شہ سرخیاں بلاشبہ خطاطی کا ایک نادرالوجود نمونہ ہوتیں۔ اخباری ضروریات اور مقتضیات کوسامنے رکھتے ہوئے انہوں نے خطِ نستعلیق گلزار متعارف کروایا۔صفحہ اوّل پر باکس آئٹم بھی اوّل اوّل انہوں نے ہی پیش کیں اس فن میں مزید نکھار پیدا کرنے کے لئے وہ لندن بھی گئے اور وہاں ایک پرائیویٹ ادارے انسٹیٹیوٹ فار نیوز پیپرز ڈیزائین میں داخلہ لیا۔

شریف گلزار اپنے شعبے اورفن کے موجد تھے اور خاتم بھی۔اخباری لے آؤٹ کے شعبے میں انہوں نے جن جدتوں کو متعارف کروایا ان بدعات حسنہ کو آج بھی آرٹ ایڈیٹروں کی ''ملت'' سینے سے لگائے ہوئے ہے یہ شریف گلزار ہی تھے جنہوں نے اکانومی آف ورڈز اور اکانومی آف سپیس کے اصولوں کو مشعل راہ بناتے ہوئے روزنامہ مشرق کے دامن کو لے آؤٹ کی گونا گوں، بوقلموں، متنوع اور اچھوتی گہرائیوں میں اترتا ہے اسے لہر لہر اور موج موج موتیوں کے نشیمن دکھائی دیتے ہیں وہ حتی المقدور قلم وقرطاس کے جیب وداماں کوموتیوں سے بھرتا چلا جاتا ہے لیکن موتیوں کے خزینین ہیں کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتے البتہ تنگی داماں کا شکوہ باقی رہ جاتا ہے اس فن میں مزید مشاقی، بلکہ مہارت اور عبور حاصل کرنے اور عرصہ شوق میں مزید آگے بڑھنے کے لئے شریف گلزار مرحوم نے پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فائن آرٹ کے استاد خلیفہ احمد حسن رقم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا اور کتابت کےفن کے اسرار ورموز سے آگاہی حاصل کی سچ کہا تھا علامہ مرحوم نے

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

نذیر حق

کمپیوٹر سے تیز رفتار۔ شریف گلزار

یہ اپریل مئی 1957ء کا ذکر ہے

''کوہستان'' کی اشاعت کا لاہور سے آغاز ہو چکا تھا۔ ایک روز اخبار کے صفحہ اول پر ''مترجموں کی ضرورت'' کا اشتہار شائع ہوا، تنخواہ 110 روپے ماہانہ درج کی گئی تھی، میں ان دنوں جماعت اسلامی کے ترجمان اخبار ''تسنیم'' میں بطور مترجم کام کر رہا تھا۔ ''کوہستان'' میں اشتہار کی اشاعت پر اگلے روز میں ''کوہستان'' کے دفتر گیا جہاں ریذیڈنٹ ایڈیٹر منہاج الدین اصلاحی (اب شرکت پریس چوک گوالمنڈی لاہور) سے میری یاد اللہ تھی کیونکہ میرے ترجمہ شدہ مضامین کوہستان کے اتوار ایڈیشن میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

صبح دس گیارہ بجے کا وقت ہوگا منہاج صاحب اپنے کمرے میں موجود تھے میں ان کے کمرے میں گیا اور اپنی آمد کا مدعا بیان کیا وہ بڑے خوش ہوئے اور مجھے محترم عنایت اللہ صاحب (اب مرحوم) کے پاس لے گئے میرا تعارف کرایا اور آمد کی غرض بیان کرنے کے ساتھ میری ترجمہ میں ''مہارت'' کا بھی ذکر کیا عنایت اللہ صاحب کوہستان کے دفتر کے صحن میں (یہ دفتر دیال سنگھ کالج کے مغرب میں سوڈیڑھ سو قدم کے فاصلے پر تھا) تُوت کے درختوں کی چھاؤں میں بیٹھے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی پڑی دو کرسیوں کی طرف اشارہ کر کے بیٹھنے کو کہا۔

تعلیم وغیرہ سے متعلق چند باتوں کے بعد عنایت صاحب نے مجھ سے اچانک سوال کیا! یہ کیرالہ (بھارتی صوبہ) میں مسلم لیگ کی حکومت قائم ہوگئی ہے آپ کے خیال میں اس کی کیا اہمیت ہے ظاہر ہے یہ میرے صحافیانہ کیریئر کے آغاز کا دور تھا اور میں ابھی (تجزیہ) کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں تھا مگر اچانک میرے ذہن میں اس سوال کا جو جواب آیا میں نے عرض کر دیا۔ جواب یہ تھا ''اگر کبھی مسلمان ممالک یا پاکستان اس قابل ہو جائے کہ انڈیا میں مسلمانوں کی مدد کر سکے اور کیرالہ میں مسلم لیگ (مسلمانوں) کی حکومت ہو تو سمندر سے مسلمانوں کو فوجی امداد بہم پہنچائی جا سکتی ہے۔ اگرچہ یہ جواب اب عجیب سا معلوم ہوتا ہے لیکن عنایت صاحب کو بات پسند آ گئی وہ کرسی سے اُٹھے مجھے بائیں ہاتھ سے پکڑا اور سامنے نیوز روم میں لے گئے جہاں شمیم شاہ آبادی (نیوز ایڈیٹر) تشریف فرما تھے اور مجھے ان کے

سپرد کرتے ہوئے بولے ’’ایہہ منڈا ٹھیک اے جی ایہنوں وی رکھ لو‘‘ (یہ لڑکا اچھا ہے اسے بھی رکھ لیں) اور پھر اگلے روز میں صبح دس بجے باقاعدہ ڈیوٹی پر آ گیا۔

نیوز روم سے ملحق ہی کتابت کا کمرہ تھا جہاں کاتب اس دور میں پیلے کاغذ پر ایک مخصوص سیاہی کے ساتھ کتابت کرتے تھے نیوز روم میں انچارج صاحب کے علاوہ ہم تین افراد تھے۔ اے پی پی اور (اس دور میں) پی پی اے (اب پی پی آئی) سے خبریں آتی تھیں تین چار خبریں بن گئیں تو شمیم شاہ آبادی صاحب نے اپنے مخصوص جالندھری لہجے میں کہا: ’’ایہہ خبراں اودھر دیو‘‘ انہوں نے کتابت روم کے دروازے کی طرف اشارہ کیا جو نیوز روم میں کھلتا تھا میں خبریں لے کر نیوز روم میں گیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ خوشنویس حضرات کرسیوں پر بیٹھے ہیں سامنے ٹیبلز ہیں میں نے روزنامہ تسنیم میں اور امروز میں جہاں میں کبھی کبھار جایا کرتا تھا خوش نویس حضرات کو پھٹے پر بیٹھ کر کتابت کرتے دیکھا تھا وہ بھی اس طرح ان کی کمر ایک فٹ ڈیڑھ فٹ چوڑے اور دو اڑھائی فٹ لمبے ایک پھٹے کے ساتھ لگی ہوتی جو

جناب شریف گلزار، عبدالرشید شاہد، اور نذیر حق بچوں کے ہمراہ

دیوار کے ساتھ ذرا ڈھلوان میں رکھا جاتا تھا مگر یہاں صورتِ حال ہی بدلی ہوئی تھی میں یہ دیکھ کر اور بھی حیران ہوا کہ کتابت روم میں ایک الگ میز کرسی پر ایک صاحب قمیض اور پتلون پہنے بیٹھے ہیں اور انہوں نے نکٹائی بھی لگا رکھی ہے۔

’’یہ شریف گلزار تھے‘‘

آہستہ آہستہ میری جھجک دور ہوئی اور میں اکثر گلزار صاحب کے پاس جا کر بیٹھتا ان کی ٹیبل کے ساتھ دو مزید کرسیاں موجود رہتی تھیں جن پر ان سے ملنے والے بیٹھتے تھے یوں گلزار صاحب سے میرے مراسم بڑھتے اور مضبوط ہوتے رہے۔ گلزار صاحب بڑے اچھے اور صاحبِ دل انسان تھے کسی کی برائی نہ کرتے، کوئی ان کے بارے میں ناروا بات کہتا تو اسے اس کی لاعلمی یا کم علمی پر محمول کرتے ان کی کوشش ہوتی کہ دوسروں کو ان سے جو بھی ہو سکے فائدہ پہنچے۔

وہ اپنے فن اور خوشنویسی کے ماہر تھے میں نے اکثر دیکھا تھا کہ اخبار کی لیڈ (سب سے اہم خبر) کی سرخی 6 یا 7 کالمی، (اس دور میں اخبارات 7 کالمی ہوا کرتے تھے) ہیڈ کاتب ہی لکھتے تھے اور ایک سرخی لکھنے میں پون سے ایک گھنٹہ صرف کرتے تھے لیکن گلزار صاحب آٹھ سے دس منٹ میں لیڈ لکھ دیتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ اگر کوئی بڑی خبر لیٹ یعنی بارہ بجے شب کے بعد آتی تو اسے تین چار کالم سرخی کے ساتھ لگایا جاتا۔ لیڈ تبدیل کرنے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ لیکن گلزار صاحب کی موجودگی میں ایسی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ بسا اوقات ہم دو تین بار لیڈ بدلتے، بس آواز لگا دیتے: ’’گلزار صاحب لیڈ بدلنی پڑے گی‘‘ وہ مسکراتے ہوئے کہتے ’’لاؤ سرخی‘‘ اور پھر لیڈ بدلنے میں آٹھ دس منٹ سے زیادہ وقت صرف نہ ہوتا۔

کوہستان اور اس کے بعد ’’مشرق‘‘ کے بانی جناب عنایت اللہ بڑے ترقی پسند صحافی تھے انہوں نے کوہستان کی لاہور سے اشاعت

شروع ہونے کے بعد جلد ہی جرمنی سے ''آفسٹ مشینیں'' لاکرلگائیں وہ خودجرمنی گئے اورمشینوں کاانتخاب کیا۔ یہ شیٹ فیڈ(Sheet Feed)مشینیں تھی یعنی ایک ایک کاغذ(دوصفحات)چھاپتی تھی مگر پرانی مشینوں کی نسبت ان کی رفتار زیادہ تھی اب طرزِ طباعت بھی بدل گیا تھا۔ آفسٹ (Offset)پرنٹنگ شروع ہوچکی تھی اب خبروں کی کتابت کاانداز بھی بدل گیا تھا پہلے کاغذ کے بجائے کتابت بٹر پیپر (Butter Paper)پر ہوتی تھی۔کاتب حضرات کواس باریک کاغذ پر کتابت میں دقت ہوتی تھی مگر گلزار صاحب بڑی تیزی کے ساتھ سرخیاں لکھتے اب سبھی قابل ذکراخبار۸کالمی ہوچکے تھے۔

کوئٹہ،اوڑک: حبیب الرحمٰن، عالی رضوی، شریف گلزار، نذیر حق

کوہستان کازمانہ بیت گیا عنایت اللہ صاحب کی نسیم حجازی صاحب سے جوکوہستان کے مدیراعلیٰ تھے اوراسی کے لئے سرمائے کاانتظام بھی انہوں نے ہی کیا تھا کسی بات پراختلاف ہوگیااورانہوں نے استعفادے دیااس پرکوہستان کے 90فیصد سے زائداسٹاف بھی مستعفی ہوگیا۔ میں ان دنوں (1963 کا تقریباً نصف تھا)کوہستان کے ملتان ایڈیشن کاایڈیٹر انچارج تھا ملتان کاپورا اسٹاف سوائے ان چند نچلے درجے کے ملازمین کے جوملتان ہی کے رہائشی تھے سبھی لوگوں نے استعفادے دیااورلاہورآگئے۔محترم عنایت صاحب کاخیال تھا کہ یوں سبھی کومستعفی نہیں ہوناچاہیے تھا،لیکن جوہونا تھاہوچکا تھاچنانچہ عنایت صاحب نے چوہدری ظہورالٰہی اورچنداور دوستوں کی اعانت سے''مشرق'' کاآغازکیا۔

ملتان میں تقریباًساڑھے چارسال رہنے کی وجہ سے گلزارصاحب سے ملنا جلنا کم ہوتا تھا وہ کبھی کبھی دورے پر ملتان آتے توان سے

شریف گلزارکاایک شاہکارچینی طرزپرلکھی ہوئی سرخی

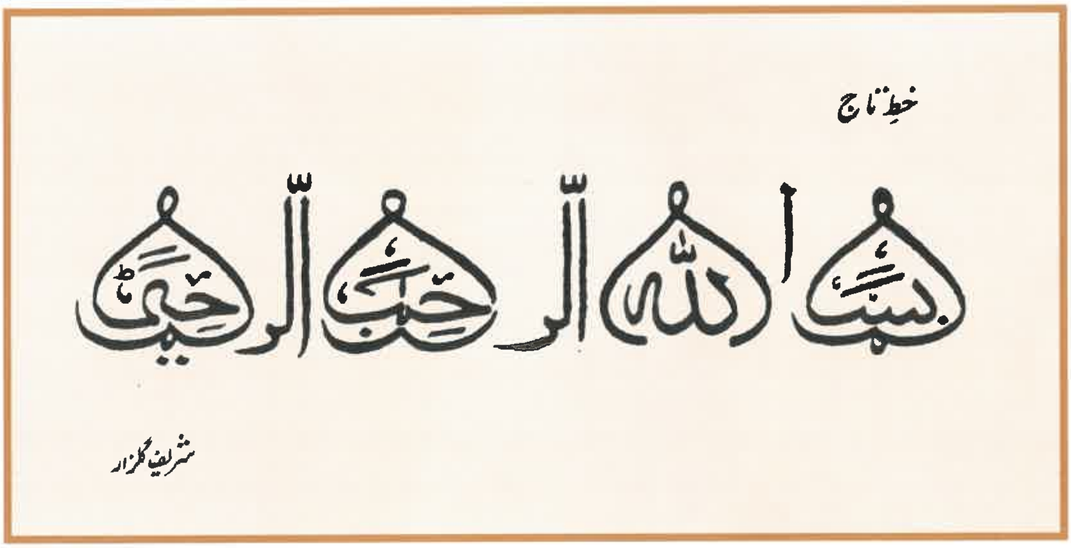

فرمائش کر کے میں لیڈ کی سرخی لکھواتا۔ کیا خوبصورت سرخی ہوتی، الفاظ کی بندش اور توازن قابلِ دید ہوتا۔ مشرق نکلنے کے بعد گلزار صاحب سے مسلسل رابطہ رہا اور ان کی بطورِ خوشنویس اور آرٹسٹ کی خوبیاں کھل کر سامنے آئیں۔

چین کے وزیرِ اعظم چواین لائی پاکستان کے دورے پر آئے گلزار صاحب نے اس روز لیڈ کی سرخی اس طرح لکھی کہ وہ بظاہر چینی زبان کے رسم الخط میں محسوس ہوتی تھی۔ اب مجھے یاد نہیں کہ سرخی کیا تھی لیکن یہ چواین لائی کے پاکستان سے دوستی کے حوالے سے بیان کی خبر تھی چند روز بعد چینی سفارتخانہ کے چند اہم لوگ ''مشرق'' آئے ان کے پاس مشرق کا وہی شمارہ تھا جس کی سرخی ''چینی زبان'' کی طرح لکھی گئی تھی انہوں نے سرخی لکھنے والے فنکار سے ملنے کا عندیہ ظاہر کیا اور سرخی کا اصل بھی مانگا وہ گلزار صاحب سے مل کر بڑے خوش ہوئے اور انہیں جھک کر سلام کیا پھر اس روز کی کاپی نکلوا کر اس میں سے سرخی اتار کر انہیں دی گئی۔ وہ بے حد خوش ہوئے گلزار صاحب نے ان دو تین حضرات کے نام بھی ''چینی رسم الخط'' میں اردو میں لکھ کر دیئے۔ غالباً ان میں سے ایک صاحب اردو کی اچھی شُد بُد رکھتے تھے وہ اردو میں بات چیت بھی کرتے تھے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو پوری تفصیل بتائی۔

عموماً یہ شکایت (خوش نویس حضرات کی محفلوں اور حلقوں میں) سنی جاتی تھی کہ بٹر پیپر پر لکھنا ذرا مشکل ہے اور سرخیاں لکھنے میں تاخیر بھی ہوتی ہے لیکن گلزار صاحب اس شکایت سے متفق نہیں تھے میں آغاز سے ہی مشرق کی نائٹ شفٹ کا انچارج تھا پھر (1966ء میں) نیوز ایڈیٹر کے عہدے پر پروموٹ ہوا اور 72-71ء میں

دفترِ مشرق میں نذیر احمد شاہد (خطاطی کرتے ہوئے) شریف گلزار۔ نذیر حق و دیگر

چیف نیوز ایڈیٹر ہوا۔لیڈ کی سرخی عموماً میں خود بناتا۔گلزار صاحب سے لکھنے کی فرمائش کرتا لیڈا کثر تبدیل ہوتی مگر گلزار صاحب کے ماتھے پر بل تک نہ آتا وہ نئی سرخی فوراً لکھ دیتے۔دو یا تین کالمی سرخی تو وہ کاپی کے پاس کھڑے ہوکر اخبار دیوار کے ساتھ لگا کر اوپر بٹر پیپر رکھ کر سرخی لکھ دیتے۔دو منٹ میں سرخی بدل جاتی آج سرخی بدلنے کے لئے کمپیوٹر میں بھی چند منٹ لگ جاتے ہی مگر گلزار صاحب کمپیوٹر کی نسبت جلدی سرخی لکھ دیتے تھے۔

وہ کئی طرح کے رسم الخط سرخیوں میں استعمال کرتے۔سنگل اور ڈبل سرخیوں میں نسخ اور نسخ رسم الخط کے کئی اور حوالوں میں مثلاً شامی رسم الخط،کوفی رسم الخط،مصری رسم الخط، میں سرخیاں لکھتے۔اس طرح اہم خبر خواہ دو کالمی لگائی جاتی وہ پورے صفحہ پر چھائی نظر آتی۔

شریف گلزار صاحب نے ہی اخبار میں ''آرٹ سیکشن'' کی بنیاد ڈالی اور''اخبار کی'' کاپی جوڑنے کے ساتھ خوشنویسوں میں سے نوجوانوں کو تیار کیا ان کی تربیت کی اور''لے آوٹ'' بنانے کو رواج دیا وہ لوکل اخبار کے لئے جس کی کاپی سب سے بعد میں یعنی آخر میں (ڈیڑھ دو بجے) پریس جاتی تھی'' لے آوٹ'' کئی گھنٹے پہلے تیار کر دیتے تھے نیوز ایڈیٹر اسی لے آوٹ کے مطابق دو کالمی، تین کالمی، چار کالمی یا پانچ چھ کالمی سرخیاں تیار کرتے۔اسی اعتبار سے خبروں کا انتخاب ہوتا۔لے آوٹ کے مطابق FP (صفحہ اول) خبروں کی تعداد تیار کی جاتی اور باکس وغیرہ بنائے جاتے قبل ازیں نیوز ایڈیٹر یا نائٹ شفٹ کا انچارج خود کاپی جوڑتا تھا۔گلزار صاحب کے آرٹ سیکشن کی بدولت نیوز ایڈیٹر اس بوجھ سے آزاد ہوگئے اور خبروں کی بہتری پر زیادہ توجہ دینے لگے اس سے اخبارات کو خبروں ،زبان وبیان،بہتر سرخیوں اور خوبصورت باکسز سے سجانے میں بڑی مدد ملی۔

گلزار صاحب کے ٦ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں۔ان تعلق ڈسکہ (ضلع سیالکوٹ) کے نواحی گاؤں مندرانوالہ تھا۔گریجویٹ تھے اور بڑی تخلیقی صلاحیتوں کے مالک تھے۔ان کے صاحبزادگان میں سے ایک شاہد کا آرٹ کی طرف رجوع تھا۔وہ اب ڈیزائنگ وغیرہ کرتے ہیں اور کتابوں جریدوں کے کور تیار کرتے ہیں۔سب سے بڑا صاحبزادہ جاوید ہومیو ڈاکٹر ہے اور عمدہ نعت کہتا ہے۔خالد بھی بھائی کے ساتھ ہے۔دوسرے طاہر،زاہد اور خاور ملازمت یا دوسرے کاروبار کر رہے ہیں۔تینوں بیٹیاں بھی اپنے گھروں کی ہو چکی ہیں۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

خالد محمود،اقبال سرہندی،جناب شریف گلزار،حمید کارٹونسٹ،اقبال زبیری،نذیر حق،اشرف طاہر پیچھے سید یٰسین فوٹو گرافر،صدیق ہزاروی،محمد اسحاق

لے آؤٹ کے لحاظ سے اخباری صفحہ کا نظری جائزہ

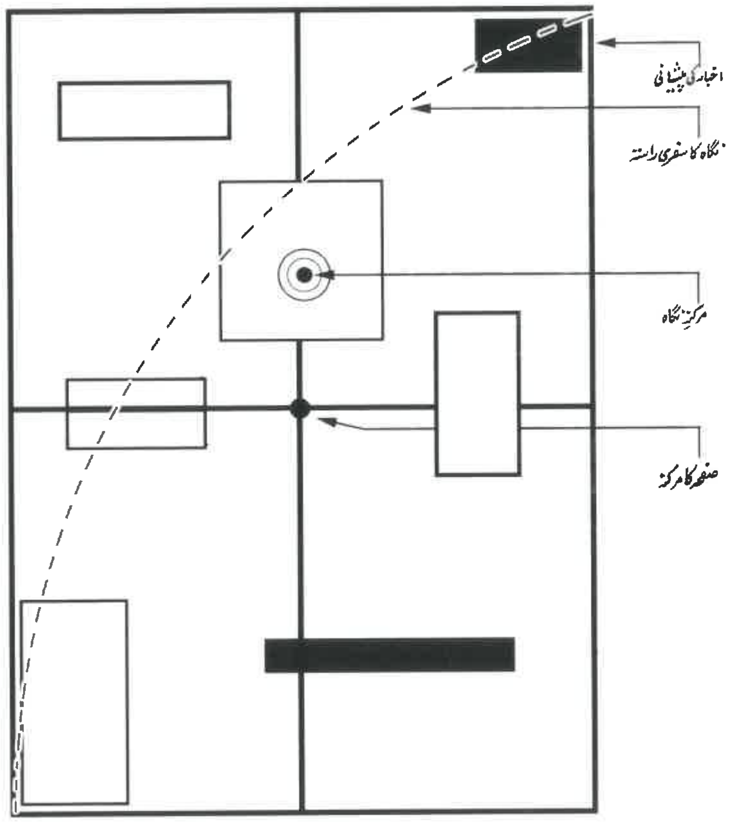

(۱) دایاں اوپر کا حصّہ نظر کی زد میں (۲) بایاں اوپر کا حصّہ نگاہ کی زد میں (۳) دایاں نچلا حصّہ نگاہ کی زد میں (۴) بایاں نچلا حصّہ نگاہ کی زد سے باہر

شریف گلزار صاحب ٹریننگ دیتے ہوئے بتایا کرتے تھے۔ جب کسی اخبار کا کوئی صفحہ ہمارے سامنے ہو تو اس کا لے آؤٹ بنانے سے پہلے یہ جائزہ لینا چاہئے کہ اس صفحہ پر ہماری نظر کی حرکت کیا ہے۔ کیونکہ اردو پڑھنے کا انداز دائیں سے بائیں ہے اس لیے ہماری نظر فطری طور پر اوپر دائیں سے حرکت کرتی ہوئی نیچے کے بائیں کارنر پر اختتام پذیر ہوگی۔ اس طرح سے صفحہ پر ایک قوس بن جاتی ہے اس نگاہ کی زد میں صفحہ کا جو بھی حصہ آئے گا وہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہوگا۔ جس خبر کو سب سے زیادہ اہمیت دینا مقصود ہو۔ وہ تقابلی اہمیت کے اعتبار سے اپر ہاف یا لوئر ہاف میں جہاں بھی ضرورت ہو لگائی جا سکتی ہے۔

اس کے علاوہ جب ہم صفحہ کو سامنے رکھتے ہیں تو سب سے پہلے مرکز نگاہ (Visual Centre) کا تعین کرتے ہیں۔ کسی بھی چیز کا (Visual Centre) اس کا جیومیٹریکل سینٹر سے قدرے اوپر ہوگا بالفاظ دیگر کسی بھی چیز کو اگر ہم تین حصوں میں تقسیم کر دیں تو پہلے دو حصے چھوڑ کر اوپر ایک حصہ کی درمیانی جگہ مرکز نگاہ ہوگی۔ ہمارے صفحہ کا (Visual Center) سب سے زیادہ اہم جگہ ہے۔ لے آؤٹ بناتے ہوئے اہم مواد کو اسی جگہ پر رکھنا چاہئے۔

جاوید گلزار

لائقِ حیات آئے

شریف گلزار اس شخصیت کا نام ہے جس نے عالم رنگ وبو میں زندگی کے بہت سے شعبوں میں لازوال نقوش چھوڑے اور اپنے حسن کردار سے ربّ کائنات کی خوشنودی کے حصول اور آخرت میں کامیابی کا سامان پیدا کیا۔انہوں نے حضرت علامہ قبال کے فلسفہ خودی کے مطابق اپنی خودی کا ادراک کیا اس کی تربیت کی اور اس سے ملک وقوم کی خدمت کا کام لیا۔انہیں زیادہ تر اعلیٰ خطاطی اور پاکستان کی اردو صحافت میں جدید میک اپ میں بے شمار خدمات کے حوالے سے جانا جاتا ہے لیکن ان کی زندگی کا قریبی مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان کی زندگی کے دیگر اوصاف بھی تھے جو چاند بن کر بہت سے سماجی اور معاشرتی گوشوں کو منور کر گئے اور ہزاروں دلوں کی فضا میں خوشبو بکھیر گئے۔ بچپن میں تعلیم حاصل کرنی شروع کی تو اپنے عزم وشوق سے اقتصادی اور معاشرتی رکاوٹ سے پریشان ہوئے بغیر آگے بڑھتے گئے۔ جوانی میں عملی اور پیشہ ورانہ زندگی میں قدم رکھا تو اپنے حسن واخلاق، اصول پسندی، نفاست پسندی، فرض شناسی اور خدمت خلق سے دلوں کو مسخر کرتے گئے۔خوب سے خوب تر کی تلاش میں فن خطاطی کی راہ میں چلے تو اپنے حسن ذوق اور جذبہ عشق کے باعث عظمت کی بلندیوں کو چھونے لگے اب وہ اگرچہ اس فانی دنیا میں نہیں ہیں مگر وہ اپنے فن کی دلفریبیوں اور اپنی روح پرور یادوں کی شکل میں ہمارے درمیان موجود ہیں۔

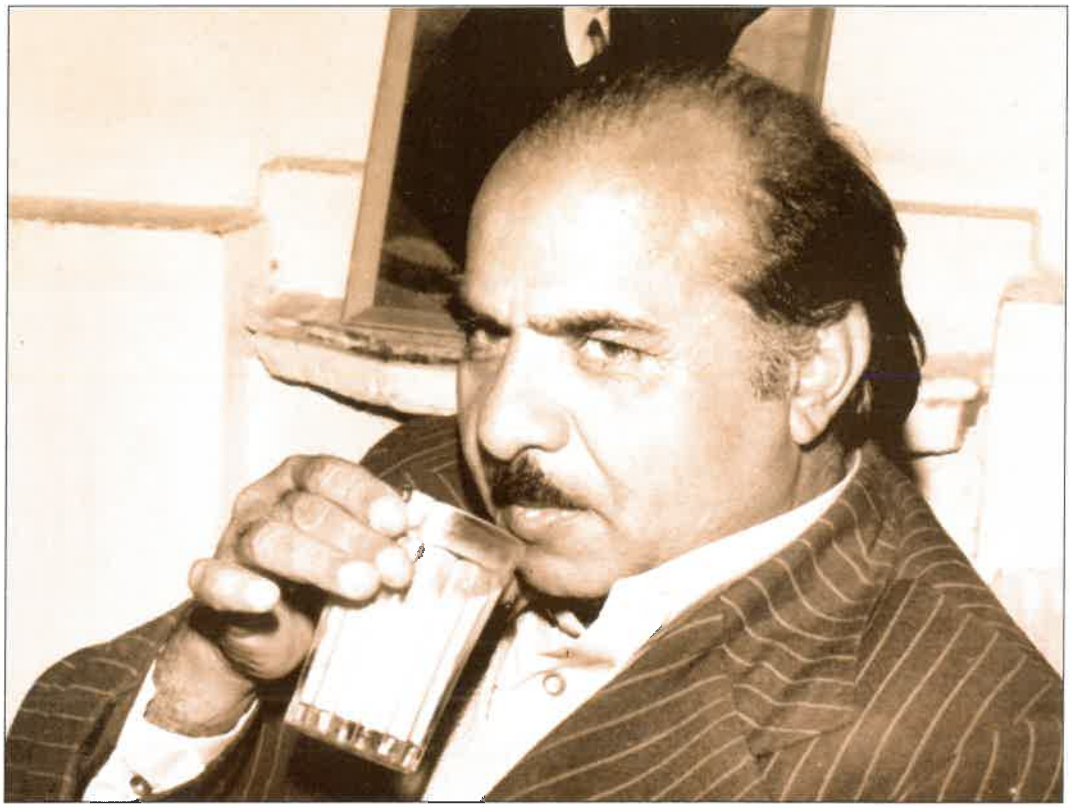

ابتدائی زندگی اور تعلیم

شریف گلزار ۱۹۳۱ء میں صوبہ پنجاب کے ضلع سیالکوٹ کی تحصیل ڈسکہ کے ایک گاؤں مندرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ان کے والد گرامی شادی خاں جو قوم کے مغل تھے اپنے علاقے کی ایک معزز اور معتبر شخصیت تھے۔ان کے آباؤ اجداد کئی پشتوں سے اسی گاؤں میں آباد تھے۔ان کی مہمان نوازی اور خدمت خلق کا دور دور تک شہرہ تھا۔اسی لئے اپنے گاؤں کے علاوہ بہت سے دوسرے دیہات کے لوگ بھی ان کی عزت کرتے تھے۔پیشہ کے لحاظ سے لوہار تھے۔کھیتی باڑی ان کا محبوب مشغلہ تھا۔انہیں خوبصورت اور اعلیٰ نسل کے بیل رکھنے کا بہت شوق تھا جن سے وہ ہل چلانے کا کام بھی لیتے تھے۔روحانی لحاظ سے تصوف کے تو شاہی قادری سلسلے میں نسبت رکھتے تھے۔انہوں نے جوانی میں دو شادیاں کیں لیکن دونوں بیویاں بغیر اولاد کے فوت ہوگئیں پھر ساٹھ سال کی عمر تک کوئی شادی نہ کی۔ساٹھ سال کی عمر میں تیسری شادی نندی پور ضلع سیالکوٹ کے گاؤں گوبند کی کی ایک نیک سیرت خاتون عائشہ بی بی سے کی۔عائشہ بی بی شرقپور شریف کے ولی کامل میاں شیر محمد شرق پوری کی مرید تھیں۔ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے اولاد دی اور چار بیٹے اور دو بیٹیاں پیدا ہوئیں عائشہ بی بی تقریباً پینسٹھ سال کی عمر میں ۱۹۵۴ء میں فوت ہوئیں اور شادی خان ایک سو دس سال کی عمر میں ۱۰ مئی ۱۹۵۶ کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے انہوں نے اپنے عزیز واقرباء کو اس دار فانی سے کوچ کرنے کا وقت اور دن پہلے سے بتا رکھا تھا۔

شریف گلزار کا بھائیوں میں تیسرا نمبر تھا شادی خان اپنے سارے بیٹوں میں شریف گلزار سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے۔جب شریف گلزار کی عمر چھ سال کی ہوئی تو انہیں دکان پر کام پر لگا دیا گیا ایک دن شادی خان نے دیکھا کہ شریف گلزار دکان پر ایک طرف بیٹھا رو رہا ہے،انہوں نے رونے کی وجہ پوچھی تو شریف گلزار نے کہا کہ مجھے پڑھنے کا شوق ہے والد صاحب نے ان کا شوق دیکھا تو فوراً اپنا ایک بیل فروخت کیا اور شریف گلزار کو ڈسکہ ایک مشن ہائی سکول میں داخل کرا دیا۔انہوں نے سکول میں خوب دل لگا کر پڑھنا شروع کیا اور پرائمری کے سالانہ امتحان میں وظیفہ حاصل کیا۔پرائمری سے آگے انہوں نے وظیفہ کی مدد سے تعلیم جاری رکھی اور مڈل کے سالانہ امتحان میں بھی وظیفہ حاصل کیا اسی عزم و شوق سے تعلیمی منزلیں طے کرتے ہوئے میٹرک کا امتحان نمایاں پوزیشن میں پاس کیا۔اس کے بعد تعلیمی ذوق انہیں گوجرانوالہ لے آیا جہاں انہوں نے اسلامیہ کالج میں داخلہ لیا۔گوجرانوالہ میں انہوں نے بی اے تک تعلیم حاصل کی اس دوران پاکستان بن گیا۔اقتصادی اور معاشرتی حالات کی وجہ سے وہ اس سے آگے تعلیم کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے۔اس کے بعد وہ مناسب روزگار کی تلاش میں لاہور آ گئے۔اسی دوران ان کے فنکارانہ ذوق نے انگڑائی لی اور انہوں نے روزگار کی تلاش کے ساتھ ساتھ اپنے باطن کے اظہار کے لئے کسی خوبصورت فن کی تلاش شروع کر دی۔اس طرح فکر روزگار اور اظہار باطن کا جذبہ ساتھ ساتھ چلنے لگے۔آخر انہوں نے روزگار کے لئے صحافت کا پیشہ اپنایا اور اظہار باطن کے لئے خطاطی کا فن اختیار کیا۔

ذاتی اور معاشرتی زندگی

شریف گلزار ایک سچے مسلمان تھے عقائد اہلِ سنت و جماعت پر پختہ یقین رکھتے تھے۔وہ ایمانی جذبے کے ساتھ حبیب خدا ﷺ کی ذات پاک سے محبت کرتے تھے۔جب کبھی ٹیلی ویژن پر کسی خوش الحان نعت گو کو سنتے تو اس میں منہمک ہو جاتے اور ان کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگتے۔اسلامی تعلیمات اور اسلامی شعائر کا بے حد احترام کرتے۔جب بھی کسی کو اسلامی طور طریقوں کی طرف راغب دیکھتے

تو بہت خوش ہوتے۔

وہ اولیائے کرام سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔خاص طور پر لاہور میں حضرت داتا گنج بخشؒ کے دربار پر حاضری دیتے اور عرس کے موقع پر میلے سے مٹھائی خرید کر لاتے اور ہمیں کھلاتے۔میرے سسر انور صاحب تاجدار دارالاحسان صوفی برکت علی لدھیانویؒ کے مرید ہیں وہ ۱۹۸۵ء میں مجھے اور والد صاحب کو فیصل آباد دارالاحسان میں لے گئے۔صوفی برکت علی لدھیانوی اس وقت اس فانی دنیا میں رونق افروز تھے انہوں نے والد صاحب سے بہت شفقت فرمائی انہیں فالج کی دوا دی اور دعائے خیر کر کے رخصت فرمایا میں نے ۱۹۹۵ء میں دربار قادریہ گوجرانوالہ جانا شروع کیا۔تو میرے اس عمل پر بہت خوش ہوئے اور جب مجھے دربار قادریہ جانے کی برکت سے سلسلہ قادریہ کے اولیائے کرام کے مناقب لکھنے کی توفیق ملی تو اس سعادت پر بہت مسرور ہوئے۔میں نے ان مناقب کو پمفلٹ کی صورت میں شائع کروایا۔تو انہوں نے اس پمفلٹ کے ٹائٹل کے بارے میں چھوٹے بھائی کو مشورہ دیا کہ ٹائٹل اس قسم کا ہونا چاہیے یہ ان کی وفات سے ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے۔یہ ان کا پرنٹنگ کے شعبہ میں ہمیں آخری مشورہ تھا۔

ان کے رگ و ریشے میں انسانیت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔انہیں انسانوں سے بہت پیار تھا۔جب وہ پیشہ صحافت اختیار کر کے لاہور میں مستقل رہائش پذیر ہوئے۔تو انہوں نے اپنے گاؤں سے مختلف گھرانوں کے بچوں کو لاہور لا کر انہیں تعلیم دلانے کا سلسلہ شروع کیا۔وہ اپنوں اور غیروں کی تخصیص کئے بغیر جو بچہ بھی پڑھنا چاہتا اسے لاہور لے آتے ،اسے تعلیم دلاتے اور تعلیم مکمل ہونے کے بعد اپنے شعبے میں تربیت دے کر ملازمت دلاتے۔

ان کی ساری زندگی پر خدمت خلق اور سخاوت کا رنگ بہت نمایاں

شریف گلزار: سردیوں کی دھوپ میں

تھا۔ ہر وقت انسانوں کی خدمت کرنے پر کمر بستہ رہتے اور ضرورت مند کی ضرورت پوری کر کے بہت مسرور ہوتے اپنے بیوی بچوں کو ان دو باتوں کی خاص طور پر تاکید کیا کرتے تھے۔گھر میں کوئی سائل آ جاتا تو اسے خالی ہاتھ نہ بھیجتے تھے۔

ایک دفعہ علاقہ کے لوگوں نے انہیں زکوٰۃ کمیٹی کا چیئرمین چن لیا جس کے تحت ہر ماہ حکومت سے ملنے والی زکوٰۃ علاقہ کے مستحق لوگوں میں تقسیم کی جاتی تھی۔والد صاحب زکوٰۃ تقسیم کرنے والے دن گھر میں خاص اہتمام کرتے۔کمیٹی کے ممبران کے لئے چائے اور مشروب وغیرہ کا انتظام کیا جاتا۔زکوٰۃ لینے کے لئے آنے والے غریبوں کو زمین پر نہ بیٹھنے دیتے بلکہ اپنے برابر کرسی پر بٹھاتے تھے۔زکوٰۃ کی رقم ختم ہو جاتی تو باقی غریبوں کو اپنی جیب سے مدد کر دیا

کرتے تھے۔ان کے اس اخلاق نے غریبوں کے دل جیت لئے تھے۔اب ان کی وفات کے بعد بھی ان سے ملنے والا ہر شخص ان کی سخاوت کی گواہی دیتا ہے۔

رزق حلال کا بہت خیال رکھتے تھے۔اکثر ہمیں بتایا کرتے کہ دفتری زندگی میں بے شمار ایسے مواقع آئے کہ میں ناجائز طریقے سے بہت زیادہ دولت حاصل کرسکتا تھا لیکن میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر دفعہ اسے ٹھکرایا اور اپنے بچوں کو ہر لقمہ حلال روزی سے کھلایا۔

لاہور میں ملازمت حاصل کرنے کے بعد انہوں نے کرائے پر مکان حاصل کیا۔اپنی ملازمت کے پچیس برس وہ اپنے بیوی بچوں اور اپنے چھوٹے بھائی حمید اختر کے بیوی بچوں کے ساتھ مختلف جگہوں رہائش پذیر رہے اور اپنے وسائل کو خدمت خلق میں صرف کرتے رہے۔ریٹائرمنٹ کے قریب شاد باغ لاہور میں دس مرلے کا ایک پلاٹ خریدا اور ہاؤس بلڈنگ فنانس کارپوریشن سے قرضہ لے کر مکان بنوایا۔

ان کی ازواجی اور گھریلو زندگی انتہائی سادہ اور نمود ونمائش سے

شہر یار اصغر اور شریف گلزار اپنی بیگمات کے ہمراہ

پاک تھی۔اللہ تعالیٰ نے انہیں ایسی وفادار اور سلیقہ شعار شریک حیات عطا کی جس نے ہر قدم پر ان کی فرمانبرداری کا حق ادا کیا۔انہوں نے اپنے شوہر کے مزاج سے ہم آہنگ ہو کر خدمت خلق اور سخاوت کو اپنے گھر کا امتیازی نشان بنادیا۔ان کی شریک حیات کا نام مریم بی بی تھا۔وہ تحصیل پسرور کے قصبہ کلاسوالہ کے ایک نیک گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے شریف گلزار کو چھ بیٹے اور تین بیٹیاں عطا کیں۔وہ اپنے بچوں سے بہت محبت کرتے تھے۔رات کو ڈیوٹی سے گھر آ کر جب تک سب بچوں کو سویا ہوا دیکھ نہ لیتے انہیں سکون نہ آتا۔اگر کوئی بیٹا گھر سے باہر گیا ہوتا اور اسے آنے میں دیر ہو جاتی تو جب تک وہ نہ آ جاتا اس کے انتظار میں جاگتے رہتے۔

ان کی زندگی خود اعتمادی ،اصول پسندی اور فرض شناسی کی بہترین مثال تھی۔انتہائی خوش لباس اور خوش گفتار تھے چہرہ ہر وقت خندہ پیشانی سے تروتازہ رہتا۔تمام عمر وقت پر دفتر جاتے اور وقت پر گھر آتے رہے۔کبھی غیر ضروری چھٹی نہیں کرتے تھے۔اپنے کام میں اتنے پرعزم رہتے تھے کہ لوگ ان کی فرض شناسی کی مثال دیا کرتے تھے۔انہوں نے کام کرنے کی لگن کو زندگی کے آخری دن تک جاری رکھا۔

پیشہ وارانہ اور فنی زندگی

ابھی بی اے میں تھے کہ ۱۹۵۲ء میں انتخابی فہرستوں کی کتابت کا موقع ملا جس سے فن خطاطی میں دلچسپی پیدا ہوئی۔جس کی وجہ سے خوش نویس حضرات سے رابطہ بڑھا اور اس فن کی عظمت کا سکہ دل میں بیٹھ گیا،مستقل طور پر اس پیشہ کو اپنانے کا فیصلہ کرلیا اور تعلیم ادھوری چھوڑ کر ۱۹۵۳ء کے اوائل میں خلیفہ احمد حسین سہیل رقم جو کہ خطاطی کے عظیم استاد تھے کی شاگردی اختیار کرلی۔ان سے خطاطی کے فن کی تعلیم حاصل کی۔انہوں نے خطاطی کے علاوہ زندگی کی اعلیٰ اقدار اپنانے

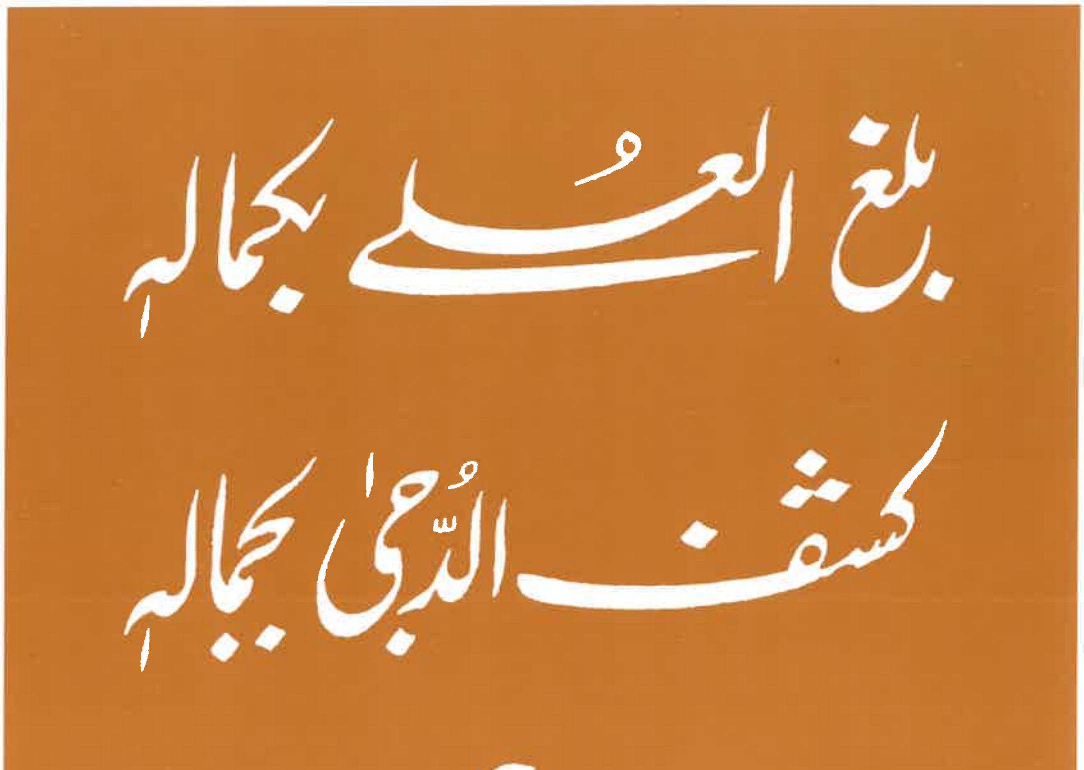
بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ و آلہ

شریف گلزار صاحب کے بیٹے شاہد گلزار کی خطاطی

شاہد گلزار

میں بھی بہت رہنمائی کی۔

شریف گلزار مالی مجبوریوں کی وجہ سے بی اے کا امتحان نہ دے سکے اور 55-1954 روزنامہ ہلالِ پاکستان لاہور کی ملازمت کر لی اور دورانِ ملازمت گریجوایشن کا امتحان بھی پاس کیا۔ دوسال کے عرصہ کے بعد 1956ء میں روزنامہ ہلال پاکستان کو چھوڑ کر روزنامہ کوہستان لاہور میں آ گئے۔ 1957ء میں عنایت اللہ مرحوم سے مل کر پہلی دفعہ اردو اخبارات میں علیحدہ آرٹ سیکشن قائم کیا اور روزنامہ کوہستان کے پہلے چیف آرٹ ایڈیٹر اور چیف کیلی گرافسٹ مقرر ہوئے۔

1956ء سے مشرق کے آغاز تک روزنامہ کوہستان میں بحیثیت چیف آرٹ ایڈیٹر کے عہدے پر کام کرتے رہے۔

1960ء میں جب عنایت اللہ مرحوم انگلینڈ چلے گئے تو آپ نے ان کے جانے کے بعد لیتھو گرافی کو چھوڑ کر روزنامہ کوہستان کو وینڈ ائینگ پر چھپوانے کا آغاز کیا۔

وینڈ ائینگ پر چھپوائی سے اخبار کی اشاعت پر اچھے اثرات مرتب ہوئے اور اخبار کی اشاعت میں دو ماہ کے قلیل عرصہ میں 16 ہزار سے بڑھ کر تقریباً 40 ہزار تک پہنچ گئی۔

1962ء میں عنایت اللہ مرحوم کے روزنامہ کوہستان میں اختلافات ہوگئے تو انہوں نے اخبار سے علیحدگی اختیار کر لی ان کے جانے کے بعد آپ نے بھی روزنامہ کوہستان کی ملازمت چھوڑ دی۔

12 نومبر 1963ء کو عنایت اللہ مرحوم کے ساتھ مل کر روزنامہ مشرق لاہور سے آغاز کیا۔ عنایت اللہ مرحوم نے آپ کو روزنامہ مشرق میں چیف آرٹ ایڈیٹر چیف کیلیگرافسٹ کے عہدوں پر فائز کیا اور اس طرح میک اپ کی تمام ذمہ داریاں آپ کے کاندھوں پر ڈال دی گئیں۔

ابھی روزنامہ کوہستان میں ہی تھے کہ جب پہلی ویج بورڈ ایوارڈ کا حکومت نے اعلان کیا۔ تو آپ اس ویج بورڈ میں آرٹ ایڈیٹروں کے نمائندہ کی حیثیت سے شامل ہوئے اور آپ کی کوششوں سے ہی آرٹ ایڈیٹروں کو اخبارات کے دوسرے عملہ کے برابر سکیل دے دیا گیا۔

آپ نے روزنامہ مشرق میں میک اپ کو جدید بنانے میں سب سے زیادہ محنت کی اور میک اپ کو جدید بنانے میں اہم کردار ادا کیا۔

میک اپ کے جدید طریقوں کی تربیت کے لئے آپ دو دفعہ یورپ گئے۔ وہاں پر آپ نے ایک پرائیویٹ ادارے انسٹیٹیوٹ فار نیوز پیپر ڈیزائن میں داخلہ لیا۔ اس کے علاوہ آپ ماہنامہ وطن اور ہفتہ روزہ اخبار وطن میں بھی بحیثیت چیف آرٹ ایڈیٹر کچھ دیر کام کیا اور اس کے علاوہ انگریزی اخبارات کے میک اپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ انگلینڈ سے واپس آ کر آپ نے روزنامہ مشرق کو جدید میک اپ سے روشناس کروایا۔ اخباری خطاطی کی تاریخ ہمیشہ جناب شریف گلزار کی احسان مند رہے گی۔

آپ شمسی اور قمری رسم الخط کے درمیان ایک نئے رسم الخط کے بانی بھی ہیں۔ جو کہ نستعلیق خط شریف گلزار کے نام سے مشہور ہے۔ یہ خط اخبارات کی کتابت میں بہت زیادہ فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ یہ خط دوسرے خط سے کم جگہ گھیرتا ہے۔

انہوں نے اخباری خط کو زبردست عروج دیا ہے۔ پاکستان کے معروف اخبار روزنامہ کوہستان لاہور، راولپنڈی اور ملتان اور مشرق لاہور، کراچی، پشاور، کوئٹہ اور اخبار خواتین کراچی انہی کے جدید طرزِ نستعلیق اور میک اپ کی رعنائیوں سے بام عروج پر پہنچے ہیں۔

جناب شریف گلزار وہ واحد خطاط ہے جنہوں نے اپنے خطاطی کا تمام عروج اخبارات میں صرف کیا۔ انہیں فن خطاطی کی بلندیوں سے آشنا کیا اور خطاطی کے تمام رسم الخطوں کو اخبارات میں متعارف کرانے اور اخبارات کی زینت بنانے میں اہم کردار ادا کیا ہے۔

سب سے پہلے منشی تاج الدین ذریں رقم مرحوم نے اخباری خطاطی اور خوشنویسوں کے وقار کو بحال کرنے میں زبردست کوشش کی۔ اخباری خوش نویسوں کی باقاعدہ تنخواہیں مقرر کروائیں اور اخباری خوش نویس جو زمین میں بیٹھ کر دیوار کی ٹیک لگا کر کتابت کرتے تھے۔ ان کے لئے تخت پوشوں کی نشستوں کو رائج کیا۔

جب کہ شریف گلزار نے جدید دور کے تقاضوں کے مطابق (اخباری) خوش نویسوں کے لئے میز اور کرسی کی نشست کا انتخاب کیا اور اس نشست کو پہلے روزنامہ کوہستان پھر پاکستان کے تمام اخباری اداروں میں رائج کیا گیا۔

دوسرے ویج بورڈ ایوارڈ کا جب اعلان ہوا تو آپ بھی اس کے رُکن تھے۔ آپ ہی کی محنت سے آرٹ ایڈیٹروں کو جو کہ خوش نویسوں میں سے ہیں سینئر سب ایڈیٹروں کے برابر اسکیل دلا کر اخباری خوش نویسوں کے وقار کو چار چاند لگا دیئے۔

اب اخباری اداروں میں ایڈیٹر اور خوش نویس حضرات ہر لحاظ سے مساوی تنخواہیں اور مراعات حاصل کر رہے ہیں

جناب شریف گلزار کی کوششوں سے اخباری خوش نویس نے یہ وقار حاصل کیا ہے اور اخباری خطاطی اور خوش نویس ان کی کوششوں کی بدولت اس وقت تاریخی اعتبار سے عروج پر ہیں۔

پاکستان میں اُردو اخبارات میں علیحدہ آرٹ سیکشن کا وجود بھی ان ہی کا مرہون احسان ہے۔ اخباری خطاطی اور میک اپ ہمیشہ آپ کا احسان مند رہے گا۔

آپ 1963ء سے 1983ء تک بغیر کسی وقفہ کے روزنامہ مشرق میں بحیثیت چیف آرٹ ایڈیٹر اور چیف کیلیگرافسٹ کے عہدے پر کام کرتے رہے۔ 1983ء میں آپ پر فالج کا حملہ ہوا جس کی وجہ سے آپ نے اخبار سے ریٹائرمنٹ لے لی۔

1985ء میں بیماری سے افاقہ ہوا تو روزنامہ مشرق میں دوبارہ Contract پر کام کرنے لگے مگر 1989ء میں دوبارہ خرابی صحت کی بنا پر اخبار کی ملازمت چھوڑ دی۔

سفر آخرت

1984ء میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ مختلف علاج معالجوں سے

مرض میں کافی حد تک کمی ہوگئی۔مگر بائیں بازو میں کمزوری بدستور رہی۔صحت اگرچہ کمزور ہوگئی مگر حالات کا مقابلہ کرنے کا حوصلہ اور کام کرنے کا عزم اسی طرح جوان رہا۔دوبارہ دفتر جانا شروع کر دیا اور دوسال مسلسل ڈیوٹی دیتے رہے۔اس کے بعد ریٹائرمنٹ لے لی اور دفتر سے پینشن لینی شروع کردی۔دفتری امور سے فارغ ہوگئے مگر خاندانی اور گھریلو امور اسی طرح سرانجام دیتے رہے۔دو بیٹوں اور تین بیٹیوں کی شادیاں کیں۔1989ء میں ان کی شریک حیات کا انتقال ہوگیا۔اس سانحہ نے انہیں ذہنی اور جسمانی طور پر بہت متاثر کیا جو کہ ایک فطری امر تھا۔مگر انہوں نے حوصلہ نہ ہارا اور مزید دو بیٹوں کی شادیاں کیں اور چھوٹے دو بیٹوں کی منگنیاں کیں۔1997ء میں صحت بہت کمزور ہوگئی۔زیادہ وقت گھر میں گزارتے تھے۔کبھی کبھی میرے چھوٹے بھائی شاہد کے ساتھ اس کے دفتر میں چلے جاتے تھے۔زندگی کے آخری دن 21 مارچ 1997ء بروز جمعۃ المبارک کو صبح تیار ہوکر اپنے بیٹے شاہد کے ساتھ اس کے دفتر گئے۔دوست احباب سے ملتے رہے۔دوپہر کو جمعہ کی نماز ادا کی اور سہ پہر کو واپس گھر آگئے۔عشاء کے وقت تک آرام کرتے رہے،پھر نماز عشاء ادا کی پھر اچانک کھانسی شروع ہوگئی اور سانس لینے میں دقت محسوس ہونے لگی۔کمزوری بہت زیادہ تھی۔میں نے پانی کے ساتھ دوا استعمال کرائی لیکن کھانسی آتی رہی۔ہمارے ایک بہت مہربان ڈاکٹر افتخار صاحب ہیں جو نیورو فزیشن ہیں۔والد صاحب اکثر ان سے مشورہ کیا کرتے تھے۔ہم نے والد صاحب سے کہا کہ آپ کو ڈاکٹر افتخار صاحب کے پاس لے جائیں تاکہ وہ توانائی کے لئے کوئی دوا دیں۔یہ سن کر وہ خود بستر سے اٹھے اور چھڑی کے سہارے باہر آکر گاڑی میں بیٹھ گئے۔والد صاحب کے دو بھانجے ریاض،نواز اور میں ان کو ڈاکٹر افتخار صاحب کے پاس ان کے کلینک میں لے گئے۔ریاض اور نواز سہارا دے کر انہیں کلینک کے اندر لائے۔کلینک میں آتے ہی ان کی حالت بگڑی۔دل کا دورہ پڑا اور وہ اپنے خالقِ حقیقی سے ملے۔(اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ)

موت کو سمجھے ہیں ناداں اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی صبح دوام زندگی

اقبالؒ

شریف گلزار اپنی بیگم اور جڑواں بچوں کے ہمراہ

مُجاہد بریلوی

بیشتر خُوش نویس علم و ہُنر سے بے بہرہ ہیں

جولوگ اپنے اپنے شعبہ ہائے زندگی میں کارہائے نمایاں انجام دیتے ہیں وہ ہمیشہ یادرکھے جاتے ہیں۔ تاریخ انہیں اپنے دامن میں جگہ دیتی ہے۔ اگر وہ تاریخ کے حصار سے بچ نکلیں تب بھی زمانہ انہیں سینہ بہ سینہ یادرکھتا ہے۔ شریف گلزار صاحب ایک ایسی ہی ہستی ہیں۔ جنہوں نے اخباری خطاطی کوایک نئی جہت عطا کی جس سے ایک عالم روشناس ہوا۔ وہ اخبارات میں جدید میک اپ کے بانی بھی ہیں۔ انہوں نے نے خطاطی اور جدید میک اپ کا نیا اسلوب تراشا جو بہت سے پہلو لئے آج بھی اخبارات میں نمایاں ہے۔ ان کے انقلاب آفریں کارنامے پر مجاہد بریلوی صاحب نے ان سے ایک طویل مکالمہ کیا جو قارئین، صحافیوں اور خوشنویس برادری کے لئے خصوصی دلچسپی کا باعث ہوگا۔ انہیں ساری زندگی اس بات کا قلق رہا کہ خوش نویس کو معاشرے میں جائز مقام نہیں ملا جیسے دیگر اسلامی ممالک میں حاصل ہے جس کے وہ بجاطور پر حقدار تھے۔ اس نرم گرم دم گفتگو میں جا بجا اس تلخی کا اظہار ہوتا ہے۔

شریف گلزار نے اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں ماضی کے جھروکوں میں جھانکتے ہوئے کہنا شروع کیا:

''سیالکوٹ کے قریب مندراں والا گاؤں میں آنکھ کھولی میٹرک ڈسکہ سے کیا اور انٹر اسلامیہ کالج گوجرانوالہ سے، گریجویشن سال آخر میں چُھٹ گیا، ابتداء ہی سے ذہن شاعری اور خطاطی کی طرف مائل تھا اسکول میں ایک ہمارے استاد تھے جو بہت خوش خط تھے اور طالب علموں کو بھی اچھا لکھنے کی تلقین کیا کرتے تھے ان کا کہنا تھا کہ ''خط انسان کی شخصیت کا اظہار کرتا ہے'' اچھا لکھنے والے کا کردار بھی اچھا ہوگا'' سو میں بچپن ہی سے خوب سے خوب تر لکھنے کی مشق کرتا رہا یہ 1952-53ء کی بات ہے گریجویشن تو ہو نہیں سکا تھا تلاش معاش تھی۔ ایک دوست جو خطاط بھی تھے انہوں نے ووٹروں کی لسٹیں لکھنے کو مجھے دیں ''لیتھو'' پر لکھنے کا اچھا خاصا معاوضہ ملا تو خیال آیا کہ کیوں نہ اسے پیشہ ہی بنا لیا جائے۔ اس فن میں اس وقت تک نہ تو کسی کی باقاعدہ شاگردی کی تھی اور نہ ہی کوئی خاندان میں ایسا تھا جس سے سیکھا ہو میری خوش نصیبی دیکھیں کہ اس زمانے میں میری ملاقات خلیفہ احمد حسین سہیل رقم سے ہوگئی جن کے پورے خاندان نے اس فن میں بے پناہ نام پیدا کیا تھا خلیفہ احمد حسین سہیل رقم روایتی استاد نہ تھے وہ پنجاب یونیورسٹی میں فائن آرٹس کی کلاسوں میں لیکچر دیا کرتے تھے اور عام طور پر وہ کسی کو شاگرد نہیں بنایا کرتے تھے۔ بڑی تگ و دو کے بعد انہوں نے مجھے اپنی شاگردی میں لے لیا اور میں اُن کا واحد شاگرد ہوں۔ خلیفہ احمد حسین نے صرف خطاطی کے فن ہی میں میری

رہنمائی نہیں کی بلکہ میری اخلاقی اور معاشرتی تربیت بھی کی۔ خاص طور پرانہوں نے خطاطوں میں جو عام طور پر ''کمپلکس'' ہوتے ہیں ان سے دور رکھنے کا ایسا سبق دیا کہ جس نے آگے چل کر مجھے اس مقام تک پہنچانے میں بڑی مدد کی۔

سب سے پہلے کس اخبار میں وابستگی ہوئی گفتگو کا بہاؤ موڑنے کے لئے میں نے پہلا سوال کیا۔

ہلالِ پاکستان لاہور سے محمد سلیم ایم اے۔ نکالتے تھے اس کے ایڈیٹر حاجی صالح احمد صدیق تھے سب سے پہلے ملازمت کے لئے وہیں گیا ۱۹۵۵ء کا زمانہ تھا کاتب حضرات تختوں پر بیٹھ کر کتابت کیا کرتے تھے مجھے آئے کوئی تین چار ہی دن ہوئے تھے کہ ایک دوپہر ہمارے کمرے میں ایک صاحب داخل ہوئے اور دروازے ہی سے بلند آواز سے انہوں نے پوچھا ''یہاں کوئی آدمی ہے'' ان صاحب کے اس جملے نے میرے ذہن میں ہلچل مچادی اور مجھ سے تخت پر بیٹھ کر لکھا نہ گیا یہ سوچ سوچ کر کہ ہم ''کاتب'' کیا آدمیوں کے زمرے میں شمار نہیں کیے جاتے تھے۔ رات کو بھی نیند نہیں آئی یہ جملہ رات بھر جگاتا رہا صبح پہلے تو اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ پیشہ ہی چھوڑ دوں مگر پھر خیال آیا کہ قصور خطاطی کا نہیں خطاطوں کا ہے کہ جو پرانا اندازِ فکر چھوڑ کر زندگی کا موجودہ طرز نہیں اپنا رہے۔

دوسرے ہی دن دفتر پہنچتے ہی میں ایڈیٹر حاجی صالح صاحب سے کہا کہ میں تختے پر بیٹھ کر کام نہیں کروں گا اور آپ کے سامنے بیٹھ کر لکھوں گا حاجی صاحب نے کہا کہ ''کرسی پر بیٹھ کر کتابت کرلو گے'' میں نے کہا کہ کیوں نہیں! اور یوں ہلالِ پاکستان میں، میں وہ پہلا کاتب تھا جو اس اندازِ نشست میں کتابت کرنے لگا۔ ۱۹۵۶ء میں کوہستان میں آیا وہاں سب تختوں پر بیٹھ کر ہی کتابت کیا کرتے تھے میں واحد کاتب تھا جو کرسی پر بیٹھ کر اپنا کام کیا کرتا تھا۔

مرحوم عنایت اللہ ایک روشن خیال اور جدت پسند ایڈیٹر اور اس سے بڑھ کر اچھے انسان تھے انہوں نے میری بڑی حوصلہ افزائی کی مشکل یہ تھی کہ اخبار میں شعبہ ادارت کی طرف سے مخالفت تو تھی ہی،

یک تقریب میں استاد خلیفہ سہیل صاحب۔ شریف گلزار۔ غلام رسول۔ محمد صدیق الماس رقم۔ رشید وارثی پیچھے: استاد محمد یعقوب۔ احسان ملک۔ حبیب الرحمٰن۔ بشیر گلزار۔ سردار محمد۔ بھائی محمد حسین ودیگر

الجدول تتناول عودة الأراضي العربية والقدس ومشكلة اللاجئين

اسلامی سربراہی کانفرنس کے موقع پر روزنامہ مشرق لاہور نے عربی ایڈیشن نکالنے کا خصوصی اہتمام کیا۔ شریف گلزار صاحب نے ان کی سرخیاں خط رقعہ میں لکھیں اور ایڈیشن کا پورا متن عربی میں کتابت ہوا۔ ان ایڈیشنوں کے لئے شریف گلزار کے ہاتھ کی لکھی ہوئی دو مین سرخیاں

يبدأ مؤتمر وزراء الخارجية الإسلامي اليوم في لاهور

مگر پرانے خوش نویس بھی اپنی نشست تبدیل کرنا نہیں چاہتے تھے ان کے ذہن میں یہ تصور بیٹھا ہوا تھا کہ کتابت صرف تخت پر بیٹھ کر ہی ہوسکتی ہے یہ ایک روایتی اور درباری سوچ تھی بادشاہ اور ان کے دربار میں تو یقیناً تختوں کی بڑی حیثیت تھی مگر جب یہ دربار اور ان کے والی نہ رہے تو یہ ایک تاریک اندھیری کوٹھریوں میں منتقل ہوگئے میری کوشش جاری رہی اور کچھ ہی عرصے بعد پاکستان میں کوہستان وہ واحد اخبار تھا جہاں آدھے سے زیادہ افراد کرسیوں پر بیٹھ کر خطاطی کرنے لگے کتابت کی دنیا میں یہ ایک بہت بڑا انقلاب تھا اس سے خوشنویسوں کی سوچ اور معاشرتی رویے میں بھی تبدیلی آئی۔ عام طور پر اس زمانے میں کاتب حضرات سر پر بڑا سا ''پگڑ'' باندھ کر اور ''کرتہ لنگی'' یا شلوار کرتہ پہن کر کتابت کیا کرتے تھے۔ ''پگڑی اور کتابت تو ایسا ساتھ تھا کہ لگتا تھا کہ کتابت پگڑی کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔'' انداز نشست میں فرق آیا تو لباس میں بھی تبدیلی آئی خاص طور پر نوجوانوں نے اندازِ نشست اور اندازِ لباس کو بڑی تیزی سے اپنایا اس زمانے کا ایک

دلچسپ واقعہ ہے کہ اقبال زبیری صاحب سے ایک صاحب نے پوسٹر لکھوانے کے لئے ایک کاتب منگوایا زبیری صاحب نے یعقوب صاحب کو جوان دنوں مشرق میں ہیڈ کاتب ہیں بھجوایا، یعقوب اس وقت نوجوان تھا وہ بڑا سوٹڈ بوٹڈ جیب میں تین چار قلم ڈال کر پہنچ گیا ان صاحب نے یعقوب صاحب سے کہا ''میں نے تو زبیری صاحب سے خوش نویس بلوایا تھا'' یعقوب صاحب نے کہا کہ ''میں یہی کام کرتا ہوں'' اور یہ کہہ کر جیب سے قلم نکال کر پوسٹر لکھنا شروع کر دیا جب تک یعقوب پوسٹر لکھتا رہا وہ حیرت سے اسے تکتے رہے تو میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ صرف اندازِ نشست کی تبدیلی کا ہی نہیں تھا بلکہ میں یہ چاہتا تھا کہ ہمیں معاوضہ کے ساتھ عزت بھی ملے جو اخبار کے دوسرے شعبوں کے افراد کو ملتی ہے۔

''آج اخبارات کے کاتبوں کو وہ مقام مل گیا جو ملنا چاہیے تھا۔''

شریف گلزار صاحب نے ایک طویل سانس لے کر اپنے مخصوص دھیمے لہجے میں کہا، آج بھی رکاوٹیں اور مخالفتیں ہیں مگر وقت گزرنے

کے ساتھ ساتھ مخالفین کی تعداد کم ہو رہی ہے جیسے جیسے نوجوانوں کی تعداد بڑھ رہی ہے اور پھر ان خوشنویسوں نے جو ہمارے دور میں نوجوان تھے آج اخبارات میں اہم جگہ بنائی ہوئی ہے تو اب پہلے کی بنسبت صورتِ حال بہت مختلف ہے مگر میرے خیال میں ابھی بھی خوشنویسوں کو جو مقام ملنا چاہیئے تھا وہ پورے طور پر نہیں مل سکا ہے اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ جس طرح حکومتی سطح پر مختلف فنون لطیفہ کے شعبوں کی سرپرستی کی جاتی ہے خطاطی کو اس سلسلے میں یکسر نظر انداز کیا جاتا رہا ہے یہی نہیں بلکہ سرکاری اداروں کی جانب سے خطِ نستعلیق کی بجائے خطِ نسخ کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے ٹیکسٹ بک بورڈ کی ساری کتابیں اب ''نسخ'' میں ہی چھاپی جاتی ہیں سرکاری سرپرستی نہ ہونے کے سبب اس شعبے میں بدخطی کا رجحان بڑھا ایک سبب یہ بھی ہے کہ پڑھے لکھے نوجوان خوشنویسوں کی آمد کا تناسب کم ہے اور یہی میرے خیال میں وہ وجوہ ہیں جن کی وجہ سے ''کاتبوں'' کو اُن کا صحیح اور جائز مقام نہیں مل رہا۔

''آپ ہی کی برادری سے اَب تو آرٹ ایڈیٹر، آرٹ ڈائریکٹر

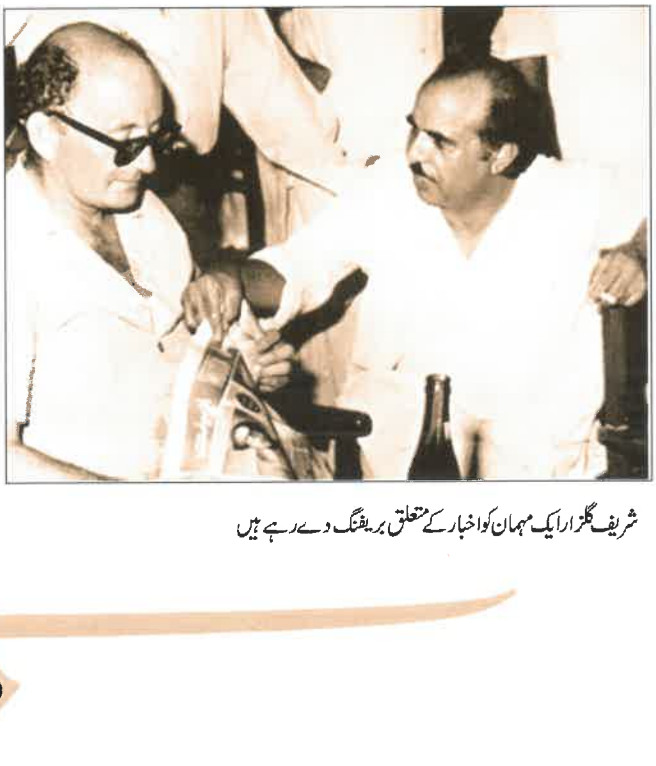

شریف گلزار ایک مہمان کو اخبار کے متعلق بریفنگ دے رہے ہیں

اور کاپی پیسٹر بھی آنے لگے ہیں۔''

''اس کے لئے ہم نے بڑی طویل جدوجہد کی ہے 1960ء تک کاپیاں ایڈیٹر ہی جوڑا کرتے تھے میں وہ پہلا خطاط تھا جسے سب سے پہلے کوہستان اخبار کی کاپی جوڑنے کا اعزاز ملا اور اس کا کریڈٹ بھی مرحوم عنایت اللہ کو ہی جاتا ہے۔

عنایت اللہ مرحوم لندن کے دورے پر گئے اور وہاں انہوں نے اخبارات کے دفاتر میں مختلف شعبوں کا مطالعہ کیا اور اس سے انہیں اندازہ ہوا کہ ہمارے ملک میں اخبارات کتنے پسماندہ ہیں پاکستان واپسی کے فوراً بعد انہوں نے مجھے بلایا اور ایک ''جنرل پروموشن سیکشن'' کے نام سے شعبہ قائم کرنے کی ہدایت کی اس شعبہ میں کتابت شدہ خبریں اور پرنٹنگ کی مجموعی کارکردگی کا جائزہ لیا جاتا تھا اس کے ساتھ ہی کچھ عرصہ بعد ''آرٹ سیکشن'' وغیرہ کا بھی آغاز ہوا۔ ۱۹۶۳ء میں مشرق میں آئے تو کاپی پیسٹنگ لے آؤٹ ڈسپلے وغیرہ کو ایک فعال شعبے کی شکل دی مرحوم عنایت اللہ لندن سے اس پر کتابیں بھی لائے تھے جو انہوں نے مجھے پڑھنے کو دیں اور یوں بتدریج ''اخبار'' میں اس شعبے کو مرکزی اہمیت حاصل ہوتی گئی مگر حقیقت یہ ہے کہ ''آرٹ سیکشن'' ہر اخبار میں موجود تو ہے مگر اس کے بارے میں بُنیادی معلومات اور وسائل کی بڑی کمی ہے اور یہ اس وقت تک ہو بھی نہیں سکتا جب تک کہ اسے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ایک مضمون کی حیثیت سے نہ پڑھا جائے۔

''لیتھو'' سے کب چھٹکارا حاصل ہوا؟''

''شاید 1961ء میں اور اس کا آغاز بھی کوہستان سے ہی ہوا۔ لیتھو سے آفسٹ میں جب ابتداء میں آئے تو خوشنویسوں سے لکھا نہیں گیا انہوں نے اس پر بڑی مزاحمت بھی کی مگر اب حالات تبدیل ہو رہے تھے۔ ایسے خوشنویسوں کا قبیلہ بڑھ رہا تھا جو پرنٹنگ

میں جدید طریقوں کو دیکھتے ہوئے فنِ کتابت میں ترویج وترقی کے خواہاں تھے۔ لیتھو پرنٹنگ کا عمل سست اور سستا تھا جب کہ آفسٹ اس مقابلے میں تیز اور مہنگا تھا مگر ساتھ ہی اسے پرنٹنگ صاف اور ستھری زیادہ آتی تھی اور یہی اس کی کامیابی کی دلیل تھی آج کتابت ''آفسٹ میں ہی ہوتی ہے 'پیلا کاغذ' جو کبھی کاتبوں کی زندگی کا جزو تھا ایسا عنقا ہوا ہے کہ بھولے سے بھی کبھی دیکھنے کو نہیں ملتا۔''

''کتابت کا معیار بحیثیت مجموعی کیا آج کل گر نہیں رہا۔''

شریف گلزار جواب تک اپنے دھیمے لہجے پر قائم تھے یہ سوال سن کر ذرا تیز لہجے میں بولے۔ ''ایک اعتبار سے آپ کا یہ خیال درست ہے اور میں اسے فنِ کتابت کے خلاف ایک سازش قرار دیتا ہوں اور اس کی ذمہ داری بھی خود اپنی برادری پر ہی ڈالتا ہوں جو کتابت کے فن کو بھی خراب کر رہے ہیں اور مزاج کو بھی، اور اس کا آغاز خاص طور پر اس وقت سے ہوا جب پہلا ویج بورڈ آیا جس میں خوشنویسوں کو پہلی بار تحفظات اور بہتر معاوضے ملے انہی تحفظات کی آڑ لے کر ایک خاصی بڑی ان پڑھ اور بدخط افراد کی تعداد اس میں داخل کر دی گئی یہ دراصل ہمارے ہی بھائی بندوں کے بھانجے اور بھتیجے تھے آج یہ عالم ہے کہ ہر اخبار میں پچاس فیصد بدخط بھانجے بھتیجے براجمان ہیں اور بڑے ٹھسے سے خود کو خوشنویس کہتے ہیں اور منوانے کے لئے منہ زوری کرتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ یہ فن بحیثیت مجموعی گر رہا ہے اس فن کے اعلیٰ فنکاروں کی تعداد میں بھی اضافہ ہو رہا ہے اور جو نوجوان آ رہے ہیں ان میں پڑھے لکھے لوگوں کی خاصی تعداد ہے اس کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ پڑھے لکھے خوش نویس کا تناسب بڑھ رہا ہے اس سے ہٹ کر کہ مجموعی طور پر اکثریت میں بدخط اور ان پڑھ کاتب ہیں۔

''آپ کی اپنی ایک نرسری بھی تو ہوتی تھی جس سے نکل کر نوجوان خوش نویس آتے تھے۔''

شریف گلزار، ریاض بٹالوی سے بغلگیر ہوتے ہوئے

''وہاں سے تو ابھی بھی کاتب حضرات آتے ہیں مگر جیسا کہ میں نے پہلے کہا کہ ''ویج بورڈ'' آنے کے بعد فن سے زیادہ رشتہ داری اور بھائی بندی کا رجحان بڑھا۔ پہلے تو برسوں مشق کرائی جاتی تھی اور اس فن کے اسرار و رموز سکھائے جاتے تھے مگر اب تین چار مہینے میں ہی ''بندہ'' خود کو خوشنویس کہنے لگتا ہے اور المیہ یہ ہے کہ اسے تسلیم بھی کر لیا جاتا ہے کتابت کا فن ویسے بھی روایتی نرسری سے پھل پھول نہیں سکتا اس کے لئے ضروری ہے کہ حکومت دیگر شعبوں کی طرح انسٹی ٹیوٹ قائم کرے اور اس کا بھی ایک کورس ہو بکھرے ہوئے موتیوں کی بکھری ہوئی نرسری تو موجود ہے اصل کام اس کو ''پرونے'' کا ہے تا کہ اس میں نکھار بھی آئے اور یہ نرسری ایک گلستان بھی بنے۔

رسم الخط اور اس کے استادوں اور اماموں کے بارے میں عام

لوگوں کو معلومات نہ ہونے کے برابر ہیں کچھ اس بارے میں گفتگو ہو جائے۔"

"رسم الخط کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی کہ انسان کی، حضور اکرم ﷺ کے دور میں خطِ حمیرا یا حمیری رائج تھا پھر صحابہ کرام کے دور میں خطِ کوفی رائج ہوا بغداد جب مسلمانوں کے علم و حکمت کا گہوارہ اور مرکز بنا تو خطاطی کو بھی عروج ملا اسی زمانے میں خطِ کوفی کے ایک استاد ابن مقلہ تھے وہ اپنے عہد کے تین خلفاء کے وزیر ہوئے اپنی حق گوئی میں انہیں تین بار سزا ہوئی اور تین ہی بار دفنایا گیا انہوں نے خود چھ خط رائج کئے خطِ نسخ اور رقع، خطِ توقیع، خطِ ثلث، خطِ ریحان، ان چھ خطوں میں انہوں نے قرآن شریف لکھے ان کے بارے میں روایت ہے کہ ایک خلیفہ ناراض ہوا تو اس نے زبان کاٹ دی دوسرا خلیفہ ناراض ہوا تو اس نے سیدھا ہاتھ کاٹ دیا ہاتھ کٹنے کے بعد انہوں نے قلم ہاتھ میں باندھ کر بھی تین قرآن شریف لکھے ابن مقلہ کو خطاطوں کا امام کہا جاتا ہے۔

خطاطی کا دوسرا اہم مکتبِ فکر ایران سے شروع ہوا میر علی تبریزی نے جو خط نستعلیق رائج کیا آج وہ اپنی نکھری ہوئی شکل میں ہمارے ملک میں بھی لکھا جا رہا ہے علی احمد تبریزی نے تعلیق اور نسخ کو ملا کر خطِ نستعلیق رائج کیا ان کے شاگردوں میں عماد الحسینی بہت بڑے خطاط ہیں جنہوں نے اس فن کو بڑا نکھار اور نام پیدا کیا۔

ایران سے یہ فن برصغیر میں آیا شاہجہاں کے دور میں فن نستعلیق کے ایک بہت بڑے استاد آقائے عبدالرشید دہلوی تھے جنہوں نے ان فن کا دہلی خط رائج کیا۔ لکھنؤ میں شمس الدین اعجاز نے اسے ایک نیا اسلوب دیا پھر لاہور میں یہ فن اپنے رنگ میں آیا امام ویردی فن نستعلیق کے ایک بہت بڑے استاد تھے وہ ایران سے ہجرت کر کے آئے تھے انہوں نے لاہور میں اس خط کو بامِ عروج تک پہنچا دیا آج جو فن نستعلیق ہمارے ہاں رائج ہے اس کے بانی صوفی خلیفہ عبدالمجید پروین رقم تھے۔

"آج کے دور میں آپ کے خیال میں اس فن خطاطی کے کون کون سے استاد موجود ہیں۔"

انور حسین نفیس رقم، حافظ محمد یوسف سدیدی اس وقت اس فن کی عظمت کو بلند کئے ہوئے ہیں اور اس کی آبیاری میں بھی مصروف ہیں"

"آپ کی برادری جتنی بڑی ہے اتحاد اور تنظیم کی اس میں اتنی ہی کمی ہے اس کے کیا اسباب ہیں؟"

"علم کا فقدان اور وسعت نظر کی کمی۔" شریف گلزار اس مختصر سے جواب کے بعد خاموش ہو گئے۔

"علم کی کمی تو محنت کشوں میں بھی ہوتی ہے ان کی تنظیمیں اچھی خاصی ہیں۔"

"دراصل بات یہ ہے کہ محنت کش مزدوروں میں ہم سے زیادہ وسعت نظر ہے ہمارا المیہ یہ ہے کہ علم و فن کا کام تو کرتے ہیں اس کی باتیں بھی بہت کرتے ہیں مگر عملی طور پر ہم علم سے بے بہرہ رہتے ہیں۔ اکثریت جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں ان پڑھ اور بدخط ہے اور جب تک کہ فن اور علم کو وقت اور لگن سے حاصل نہ کیا جائے اس میں گہرائی بھی نہیں آ سکتی اور اس کی قدر بھی نہیں ہوگی "بدخط اور ان پڑھ" خطاطوں کی اکثریت خوشنویسوں کی ملک گیر تنظیم میں بہت بڑی رکاوٹ ہے"

مستقبل میں بھی آپ اس سلسلے میں کیا مایوس ہیں؟

"نہیں ایسا تو نہیں ہے کچھ لوگ جدوجہد کر رہے ہیں پڑھے لکھے نوجوان خطاطوں کی جیسے جیسے تعداد بڑھے گی ویسے ویسے ہم ایک قومی سطح پر تنظیم قائم کرنے کی طرف جائیں گے وقت لگے گا مگر ہم مایوس نہیں۔"

"اردو کمپیوٹر کی آمد نے آپ کی برادری میں ہلچل مچا دی ہے؟

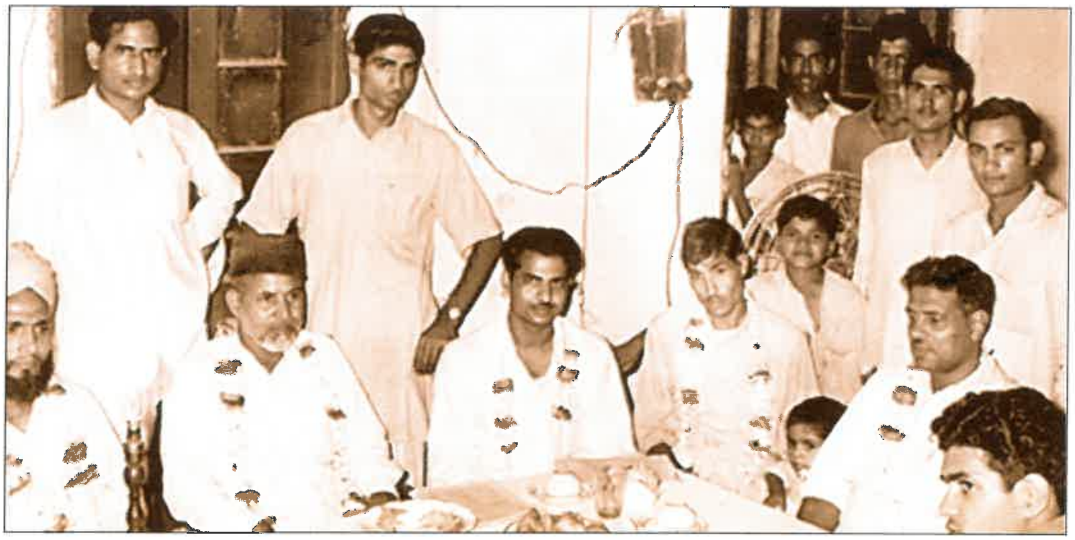

ایک تقریب میں استاد خلیفہ سہیل صاحب۔ بشیر گلزار۔ شریف گلزار۔ رشید وارثی کھڑے ہوئے: استاد محمد یعقوب۔ حبیب الرحمٰن اور غلام رسول نمایاں ہیں

شریف گلزار کا جواب میری توقع کے برعکس تھا انہوں نے اپنے لہجے میں ایک والہانہ پن پیدا کر کے کہا ''اردو کمپیوٹر سے فنِ خطاطی'' میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا عام طور پر ویسے یہی خیال کیا جاتا ہے کہ اردو کمپیوٹر کی آمد سے فنِ خطاطی ختم ہو جائے گی میرے خیال میں اس سے بدخطوں اور اَن پڑھ خطاطوں کی تطہیر ضرور ہو جائے گی۔ اچھے خطاطوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا کمپیوٹر کے بعد جو بھی خطاط اس پیشے میں آئے گا وہ محنت اور تجربے کے بعد آئے گا اور میرے خیال میں تو ایک اچھا ''کیلیگر افر'' ہی کمپیوٹر کا کام زیادہ بہتر طور پر ہی انجام دے گا۔

پھر فنِ خطاطی صرف اخبارات تک ہی تو محدود نہیں ہے ایڈورٹائزنگ میں تو اس کا کام بڑھ ہی رہا ہے اگر آپ ''مصوّری'' میں بھی دیکھیں تو اس میں خطاطی بڑھ رہی ہے صادقین، اسلم کمال، رامے، وغیرہ نے مصوّری میں خطاطی سے بڑا کام لیا ہے اسلامی ممالک میں خاص طور پر اس کے لئے بڑا میدان پڑا ہے میرے خیال میں فنِ خطاطی اور مصوّری کے امتزاج سے ایک خوبصورت فن پیدا ہوگا جو آنے والے مصوّروں اور خطاطوں دونوں کا ورثہ ہوگا۔

''خطاطی سے ہٹ کر کیا دلچسپیاں ہیں؟

''میری دلچسپی خطاطی تک ہی محدود ہے اسی میں وقت گزرتا ہے جو تھوڑا بہت وقت ملتا ہے اس میں کتابیں پڑھتا ہوں صرف تاریخی کتابیں کھیل کھیلنے کا اور دیکھنے کا کوئی خاص لگاؤ نہیں ہاں بچپن میں کبڈی بہت کھیلی اور اس میں نمایاں مقام بھی حاصل کیا۔''

''آپ کی اولادوں میں سے کوئی خطاطی کی طرف آیا''؟

''ماشاء اللہ چھ لڑکے اور تین لڑکیاں ہیں اور ان میں سے صرف ایک کو خطاطی سے لگاؤ ہے وہ ایک اچھا آرٹسٹ ہے البتہ میری خواہش نہیں کہ وہ اس طرف آئے بلکہ میں تو ہر قسم کی ملازمت کے خلاف ہوں میرے خیال میں ملازمت سے تخلیقی صلاحیتوں پر زنگ لگتا ہے''۔

''فنِ خطاطی پر آج جس مقام پر آپ ہیں کیا اس سے مطمئن ہیں؟

''یہ فن میری رگ وپے میں سرایت کر گیا ہے سو فیصد تو کوئی بھی کامیاب نہیں ہوتا مگر میں ستر اسی فیصد کامیاب رہا ہوں اور یوں بڑی حد تک مطمئن بھی ہوں۔

خلیفہ احمد حسین سہیل رقم

جب ہم شریف گلزار کا ذکر کرتے ہیں اور انہیں ان کی فنی خدمات پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں تو اس کے پس پردہ ان کے استاد محترم خلیفہ احمد حسین کا نام ضرور ہوتا ہے۔ خلیفہ احمد حسین سہیل رقم فرماتے ہیں کہ شریف گلزار میرا بہترین شاہکار ہے بلکہ وہ صرف شریف گلزار ہی کو اپنا شاگرد اور جانشین تسلیم کرتے ہیں۔ شریف گلزار نے بھی صحیح شاگرد ہونے کا حق ادا کر دیا۔ انہوں نے اپنی محنت اور بہترین صلاحیت سے نہ صرف اپنے فن کا لوہا منوایا بلکہ اپنے استاد کا نام بھی روشن کیا۔ اللہ تعالیٰ بہترین استاد اور ہونہار شاگرد پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

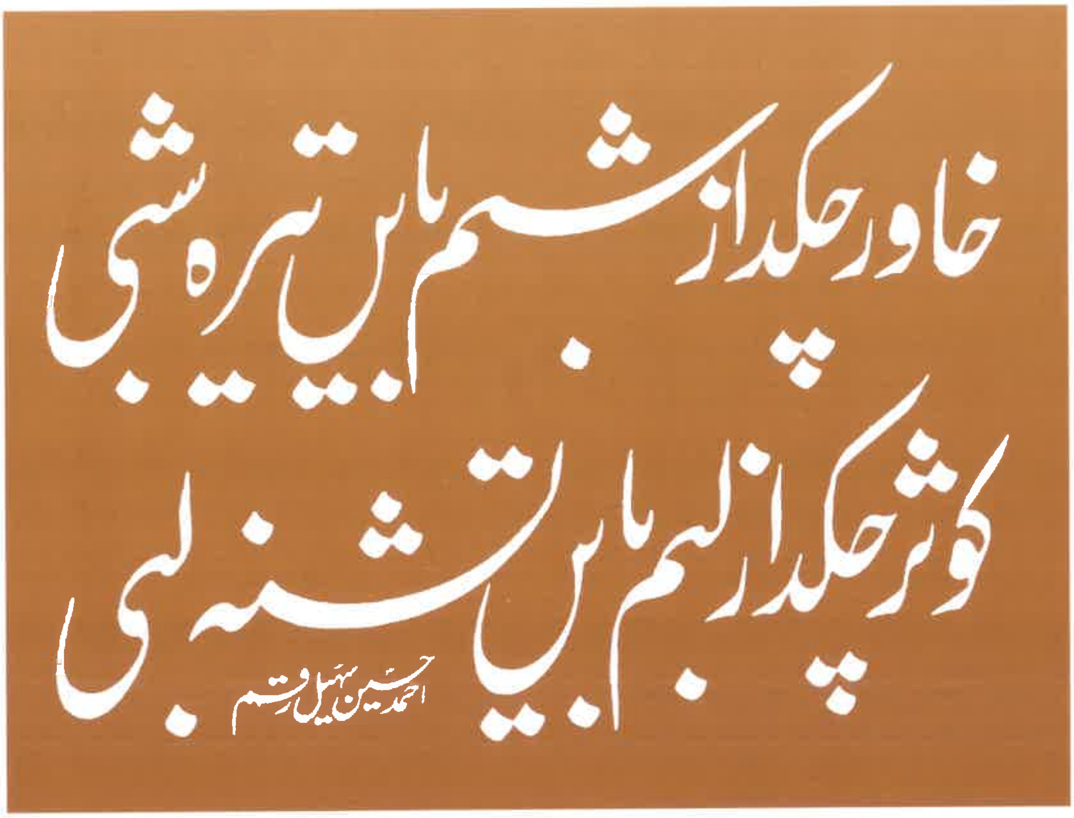

1910ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام خلیفہ محمد حسن تھا جو مہاراجہ جموں و کشمیر کے درباری خوشنویس اور خلیفہ نور احمد اور خلیفہ سید احمد کے شاگرد رشید تھے جو ایمن آباد کے باسی تھے۔ خلیفہ احمد حسین سہیل رقم کا گھر سید مٹھہ بازار اندرون لوہاری گیٹ تھا۔ موصوف نے خطاطی اپنے والد سے ہی سیکھی صرف نستعلیق طرز خطاطی کے ماہر تھے۔ خصوصاً نستعلیق میں طغرہ نویسی میں انہیں کمال عبور حاصل تھا۔ خلیفہ صاحب 1936ء میں لاہور آئے اور نیشنل بک ڈپو اردو بازار والوں کا قاعدہ کتابت کیا اور پنجاب بک ڈپو کی کتابوں کے سرورق وغیرہ لکھا کرتے تھے۔ 1945ء میں مسلم ماڈل اسکول میں ڈرائنگ کے ٹیچر رہے۔ پنجاب یونورسٹی نے جب شعبہ فائن آرٹس میں خطاطی کی کلاسوں کا اجراء کیا تو موصوف ہی پہلے استاد مقرر ہوئے اور 17 سال تک اس شعبہ سے منسلک رہے۔ مشہور خطاط پرویں رقم ان کے بہنوئی تھے۔ آپ کو خطاطی ورثے میں ملی جس کے مستقبل سے کبیدہ خاطر رہے اور ماسوائے شریف گلزار سابق چیف آرٹ ایڈیٹر روزنامہ مشرق کے ان کا کوئی باقاعدہ شاگرد نہیں۔ ان کی خطاطی میں دائرے بیضوی تھے۔ سہیل رقم قلمی نام استعمال کرتے تھے۔ سہیل ایک مشہور ستارے کا نام ہے جسے مبارک ستارہ کہا جاتا ہے۔ سہیل رقم کی وفات 1981ء میں لاہور میں ہوئی۔

شریف گلزار کے استاد خلیفہ احمد حسین سہیل رقم نے خط نستعلیق میں فارسی کلام کا ایک قطعہ، شیر کی شکل میں لکھا

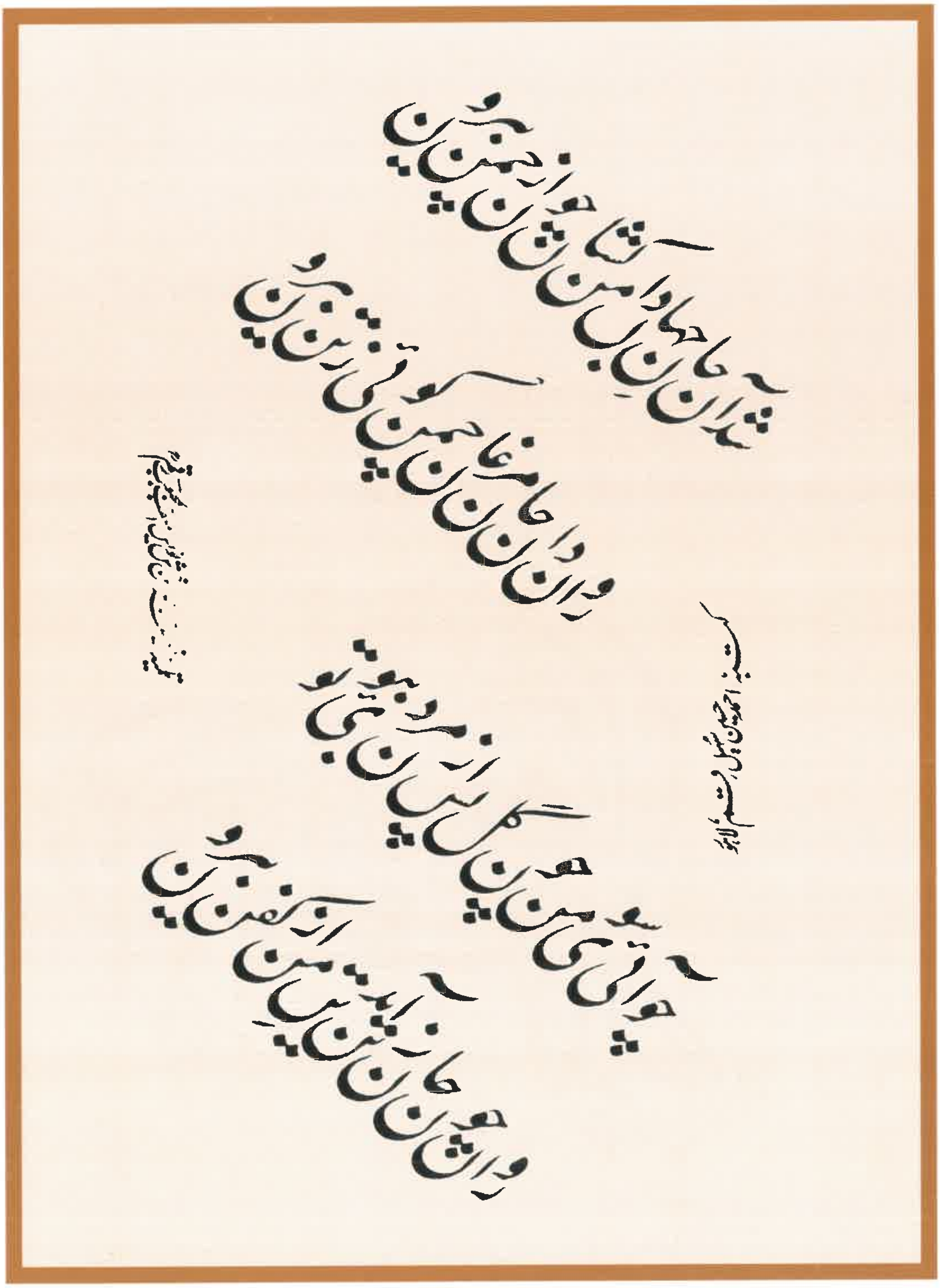

الفاظ کے پھولوں سے ہار پرونے والے

آفتاب ظفر-مصور پاکستان

آفتاب ظفر کو اگر پیدائشی مصور کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ وہ 1937ء میں گورداسپور (بھارت) میں پیدا ہوئے اور 1947ء میں تقسیم ہند کے بعد اپنے والدین کے ہمراہ پاکستان آگئے۔ آفتاب ظفر کو کہ بچپن سے ہی بہت انعامات حاصل کرتے رہے تھے لیکن ان میں ایک قابل فخر واقعہ یہ بھی ہے کہ 1948ء میں ان کی بنائی ہوئی چند تصاویر قائداعظم کو رسالپور سے کراچی بھجوائی گئیں جس پر قائداعظم نے جوابی خط میں اس ننھے مصور کو خراج تحسین پیش کیا اور فرمایا کہ یہ بچہ میری قوم کا ایک عظیم مصور بن کر ابھرے گا۔ 1952ء میں چودہ سال کی عمر میں لاہور کے واحد میو اسکول آف آرٹس (جواب نیشنل کالج آف آرٹس ہے) سے گریجویشن کیا۔ آفتاب ظفر نے فن مصوری کے افق پر نوجوانی ہی میں اپنا اعلیٰ مقام پیدا کر لیا تھا اور اب بین الاقوامی شہرت کے حامل مصور گردانے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کی جدوجہد کا یہ سلسلہ پچاس سال سے زیادہ عرصہ پر محیط ہے جو ان چند سطور میں بیان کرنا ناممکن ہے۔ جن میں بہت سے انعامات بے شمار ملک گیر نمائشیں اور اعلیٰ معیار کے کام شامل ہیں۔ آفتاب ظفر ایک موضوعاتی مصور ہیں اور انہوں نے عام روش سے ہٹ کر اپنی تہذیب وثقافت اور اسلامی تاریخ کے پیغام کو فن کے اظہار کا ذریعہ بنایا ہے ان کی تصاویر میں اپنے اسلاف اور اسلامی تاریخ کا حسن و جمال، تحریک پاکستان کا اوج کمال اور ملی خوبیوں کا عکس و جمال دمکتا ہوا نظر آتا ہے دیکھنے والا جب ان کی بنائی ہوئی تصاویر کو دیکھتا ہے تو وہ ماضی کے جھروکوں سے مسلمانوں کے نشاۃ ثانیہ کے مناظر دیکھتا ہے۔ آفتاب ظفر چودہ سو سال کی اسلامی تاریخ کے پہلے مسلمان مصور ہیں جنہوں نے قرآنی آیات، احادیث نبوی اور کرامات اولیائے کرام کا پہلی بار تصویری ترجمہ کیا ہے اور ایک مسلمان مصور اور سچے پاکستانی ہونے کی حیثیت سے اپنی تہذیب وتمدن کو اجاگر کرنے کے لیے فن کے ذریعے خود کو وقف کر رکھا ہے۔ مصوری کے علاوہ وہ فن خطاطی میں بھی مہارت اور اعلیٰ مقام رکھتے ہیں۔

محترم جناب رشید شاہد جو اس کتاب کے روح رواں اور صفحہ اول کے خطاط اور اعلیٰ درجے کے انسان بھی ہیں۔ کچھ عرصے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ وہ شریف گلزار جو اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے خطاط اور اخبارات میں آرٹ ایڈیٹر بھی تھے ان کے بارے میں ایک کتاب مرتب کر رہے ہیں اور شریف گلزار چونکہ میرے استاد بھائی بھی تھے اس لئے ان کے بارے میں میرے تاثرات درکار ہیں۔

میرے معلوم کرنے پر پتہ چلا کہ شریف گلزار رشید صاحب کے

استاد ہوتے ہیں اور عرصہ دراز تک اخبارات میں دونوں اکٹھا کام بھی کر چکے ہیں۔ بہرحال رشید صاحب تو اپنا مدعا بیاں کر کے چلے گئے لیکن مجھے 1950ء سے 1952ء تک کا وہ تمام زمانہ آنکھوں کے سامنے اس طرح گھومنے لگا جیسے کہ کل کی بات ہو۔

1950ء کے عشرے میں میو اسکول آف آرٹس لاہور (جواب نیشنل کالج آف آرٹس ہے) کا طالب علم تھا جہاں قابل احترام استاد خلیفہ احمد حسین سہیل رقم خطاطی کے استاد تھے اور میں ان خوش نصیب شاگردوں میں سے تھا جس پر استاد کی خاص نظر کرم تھی لہٰذا اسی بنا پر خلیفہ سہیل رقم صاحب نے خطاطی کیلئے میرا شوق اور جذبہ دیکھتے ہوئے فرمایا کہ بیٹا تم کلاس ختم ہونے کے بعد میرے پاس آستانہ کتابت (لاہور میں جو ان کی اپنی بیٹھک تھی) میں آیا کرو جہاں میں تمہیں خطاطی کی باقاعدہ تربیت دوں گا لہٰذا میں دوسرے دن استاد گرامی کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور آستانہ کتابت میں جہاں خلیفہ صاحب کے چند ساتھی اور شاگرد بھی ہوا کرتے تھے ان میں سے ان کے ایک رفیق خاص شریف گلزار تھے تو یوں پہلی دفعہ 1950ء کے اوائل میں ان سے ملاقات ہوئی اور پہلی ہی ملاقات میں شریف گلزار نے اپنی خوبصورت مسکراہٹ سے بغیر کچھ کہے میری طرف دیکھا تو مجھے یوں لگا کہ جیسے میں ان کو مدت سے جانتا ہوں اور میری عمر چونکہ اس وقت بہت کم یعنی بارہ برس کی تھی لیکن شریف گلزار اس وقت بھرپور عالم شباب میں تھے اور اس بنا پر وہ مجھ سے نہایت شفقت سے پیش آنے لگے اور فن خطاطی سیکھنے میں میری بہت حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ یوں تو میرا رشتہ شریف گلزار سے استاد بھائی کا ہوا اور تمام عرصہ ہم بہت اچھے دوستوں کی طرح رہے۔

شریف گلزار بہت ہنس مکھ طبیعت کے حامل تھے اور کام کے ساتھ ساتھ ہر وقت کوئی نہ کوئی چٹکلا چھوڑتے رہتے تھے جس سے بیٹھک کا سارا ماحول خوش گوار رہتا تھا۔ گلزار بھائی اکثر کہا کرتے تھے کہ میں زندگی میں غم نہیں پالتا دو دن کی زندگی میں انسان کو ہمیشہ خوش رہنا چاہئے۔ کام میں وہ بہت پھرتیلے اور معیاری کام کے قائل تھے۔

گو کہ اب یہ سب یادیں آدھی صدی سے زیادہ عرصہ پر محیط ہیں لیکن شریف گلزار کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات اور باتیں مجھے ابھی تک یاد ہیں جن میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے کہ ایک دن آستانہ کتابت میں خلیفہ سہیل رقم صاحب ایک استاد سے ملنے کیلئے جو اس زمانے میں لاہور اور پاکستان کے عظیم اور صفحہ اول کے خوش نویس گردانے جاتے تھے تشریف لائے جبکہ میں حسب معمول تختی پر خطاطی کی مشق میں مصروف تھا تو انہوں نے مجھے تختی پر مشق کرتے ہوئے سہیل صاحب سے کہا کہ اب تو تختی کا زمانہ ختم ہو چکا ہے آپ نے اس لڑکے کو کس مشکل میں ڈالا ہوا ہے اسے کاغذ پر مشق کروائیں۔ تو فوراً شریف گلزار ان صاحب سے مخاطب ہو کر بولے کہ تختی پر مشق کرنا گو کہ مشکل ضرور ہے لیکن اگر اسے تختی پر عبور حاصل ہو گیا تو کاغذ اس کیلئے ملائی کی طرح ہوگا جس سے وہ صاحب تو لاجواب ہو گئے لیکن ان کے جانے کے بعد شریف بھائی میرے پاس آئے اور مجھے زوردار الفاظ میں مخاطب ہو کر کہا کہ دیکھو کسی کی بات پر دھیان نہ دینا جیسا تمہیں استاد گرامی کہیں ویسا ہی کرنا۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ہے کہ سہیل صاحب کے پاس بلدیاتی الیکشن کی فہرستیں لکھنے کا بہت بڑا کام آیا تو انہوں نے یہ کام اپنے تمام ساتھیوں اور شاگردوں میں بانٹ دیا جو چھپی ہوئی لائنوں والی مسطر پر پیلے رنگ کی کوٹنگ والے کاغذ اور دوات میں کپڑے کا سفوف ڈال کر نسواری (Brown) لتھو انک سے لکھا جاتا تھا یہ کام بہت محنت طلب اور مشکل بھی ہوتا تھا لیکن شریف گلزار نے اس کام کو اس قدر خوش اسلوبی اور کامیابی اور جلدی میں نبٹا دیا کہ ہم سب حیران رہ گئے جبکہ اتنے عرصہ میں ہم سب کا کام ابھی آدھا بھی نہیں ہوا تھا۔ آستانہ کتابت میں ایک چھوٹا سا کچن بھی تھا لہٰذا شریف بھائی نے خود ہی کہا کہ میں

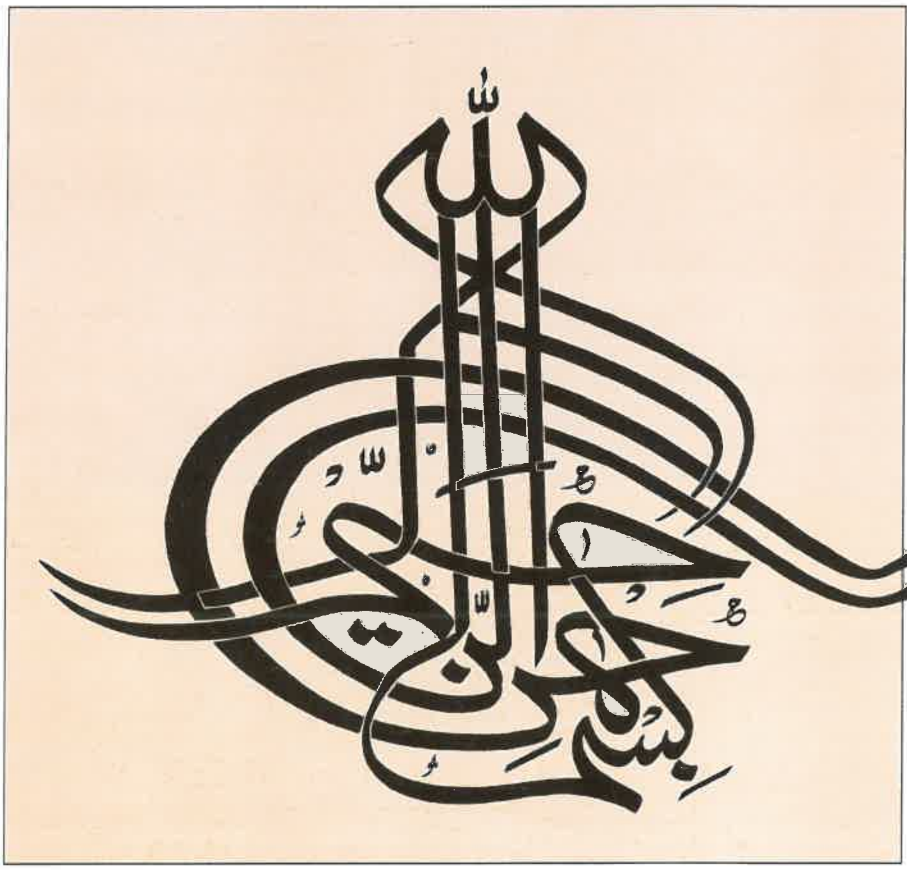

چونکہ کام سے فارغ ہو گیا ہوں تو میں آپ سب کے لئے چائے بنا کر لاتا ہوں۔

اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جو شریف گلزار کا بڑا پن اور اعلیٰ ظرفی کا منہ بولتے ثبوت تھے۔ جس پر یہ کہاوت صادق آتی ہے کہ ہونہار بروا کہ چکنے چکنے پات۔ گو کہ میری رفاقت تو ان سے 1952ء تک باقاعدہ رہی اور اسی سال میو اسکول آف آرٹس لاہور میں میرا کورس پورا ہو گیا اور میں ڈپلومہ لے کر اپنے مصوری کے استاد قابل احترام جناب شیخ احمد صاحب کے ساتھ کراچی آ گیا۔ اس کے بعد گاہے بگاہے شریف بھائی کے بارے میں معلومات تو ملتی رہیں لیکن ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ شریف گلزار نے اپنے عہد میں خطاطی اور اردو اخبارات کے معیار کو اونچا کرنے میں بہت اہم کردار ادا کیا تھا جو خطاطی اور صحافت کی تاریخ میں کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا اور آج بھی میں جب کبھی شریف گلزار کو یاد کرتا ہوں تو خیال آتا ہے کہ کاش اب بھی شریف گلزار جیسی چند شخصیات پیدا ہو جائیں اور اردو اخبارات کے معیار کو عروج پر پہنچا دیں اور آخر میں، میں یہ کہوں گا کہ شریف گلزار جیسی ہستیاں کبھی مرتی نہیں بلکہ وہ اپنے کاموں کی وجہ سے ہمیشہ ہم میں موجود رہتی ہیں۔

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا کیا صورتیں تھیں کہ پنہاں ہو گئیں

روزنامہ مشرق

حالات معمول پر لانے کی ہر کوشش میں بھرپور تعاون کیا جائے گا۔ الطاف حسین

کراچی میں مستقل امن کے لئے گول میز کانفرنس طلب کی جائیگی

کراچی ایئرپورٹ پر پانچ جلاوطن رہنماؤں کا استقبال

نواز شریف ہمارے گھر آ کر آگ لگانے کی کوشش نہ کریں

حب ڈیم سے پانی کی فراہمی ۳ سے ۵ اپریل تک بند رہے گی

نصرت بھٹو کی زیر صدارت اجلاس

مکافات عمل

جسٹس مولوی مشتاق کی میت تین گھنٹے تک میدان میں پڑی رہی

کراچی کے مختلف کالجوں میں طلبا کے دو گروپوں میں تصادم

ضیاء الحق نے جونیجو حکومت کو برطرف کر کے مسلم لیگ کی پشت میں خنجر گھونپا تھا

کراچی میں آئی جے آئی کا جلسہ جماعت اسلامی کا شو تھا

قومی اسمبلی کا اجلاس پروگرام پورا ہونے کے باعث غیر معینہ عرصہ کے لئے ملتوی

آئین سے انحراف کے نتائج ہمیشہ منفی نکلے ہیں

پاکستان ڈیموکریٹک الائنس کنونشن

بجٹ کی تشکیل کے سلسلہ میں

کالا باغ ڈیم کا مسئلہ صوبوں کا اتفاق رائے کے بغیر طے کیا جائیگا

خالد محمود

روزنامہ مشرق ایک مکمّل اخبار

بانیٔ کوہستان جناب عنایت اللہ نے اپنی ٹیم کے سرکردہ ارکان کے ہمراہ جولائی 1963ء میں کوہستان کو خیرباد کہہ دیا اس کے بعد ایک نیا اخبار نکالنے کے لئے اپنے تجربہ کار اور پرانے رفیقوں جن میں اقبال زبیری (مشرق کے چیف ایگزیکٹو)، شریف گلزار (مشرق کے چیف آرٹ ایڈیٹر اور چیف کیلیگرافسٹ) نامور صحافی عرفان غازی اور، عبدالوحید خان، حبیب الرحمٰن (مشرق کے آرٹ ایڈیٹر) محمد حسین (مشرق کے ہیڈ کاتب) ضیاء الاسلام انصاری (مشرق کے نیوز ایڈیٹر) اور دوسرے سینیئر ساتھیوں کے ساتھ باقاعدہ پلاننگ کی گئی اور ایک مکمل اخبار نکالنے کے لئے تمام پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا۔ دنیا کے تمام معروف اخبارات کا جائزہ بھی لیا گیا اور انٹرنیشنل اخبارات کے معیار کا ایک اخبار نکالنے کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں اس دوران اس ٹیم کے دوسرے ساتھی بھی ساتھ آ ملے۔

پلاننگ کے تحت یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایک ایسا اخبار شائع کیا جائے گا جس میں بہت سے اخبار شامل ہوں گے اس مشن کو بھی سامنے رکھا گیا کہ نکالا جانے والا اخبار ایک مکمل اخبار ہوگا یعنی ہر گھر اور گھر کے ہر فرد کے لئے ہوگا جس کی ضخامت جہازی سائز کے بارہ صفحات پر مشتمل ہوگی اس میں اخبارِ علم، اخبارِ خواتین، مزدوروں کا اخبار، صنعت کاروں کا اخبار، کھیلوں کا اخبار غرضیکہ یہ اخبار زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہوگا۔

پلاننگ کمیٹی میں جب اخبار کے نام کا مسئلہ آیا تو بہت سے نام زیرِ غور آئے مثلاً الاخبار، آج کا اخبار، الیوم، مشرق، المشرق، وغیرہ جس میں مشرق نام کو تجویز کر لیا گیا کیونکہ یہ صوتی اور معنوی اعتبار کے

بھی ایک موزوں ترین نام تھا۔

اس کے بعد اخبار کو بہتر بنانے کے لئے نیوز سیکشن، کتابت سیکشن، مضامین اور میک اپ وغیرہ کو بھی معیاری بنانے کے لئے اہم ترین اقدامات کئے گئے اور ساتھ ہی سرکولیشن اور مینجمنٹ کے لئے سائنٹیفک بنیادوں پر شعبے قائم کئے گئے اس طرح 16 ستمبر 1963ء کو روزنامہ مشرق جہازی سائز کے بارہ صفحات پر مشتمل ایک مکمل اخبار کی صورت میں منظرِ عام پر آ گیا۔

اب شعبہ کتابت و آرٹ سیکشن اور کتابت کو بہتر بنانے کے لئے کوہستان میں جو اقدامات کئے گئے تھے ان کو ہی بنیاد بنایا گیا اور شعبہ کتابت اور آرٹ کو جدید بنیادوں پر استوار کیا گیا۔

اس دور میں اردو ٹائپ کو رائج کرنے کے لئے زبردست اقدامات کئے گئے، حکومت نے ٹائپ کو رائج کرنے کے لئے اردو بورڈ قائم کیا اخبارات نے بھی اپنے قارئین کی رائے دریافت کرنے کے لئے اپنے اخبار کے کچھ صفحات اور کالم ٹائپ میں شائع کرنے شروع کر دیئے ان اخبارات میں جنگ اور نوائے وقت قابلِ ذکر ہیں بعض دوسرے اخبارات نے بھی اردو ٹائپ کے حق میں مضامین شائع کئے اگر فوری طور پر ٹائپ کو مسلط کر دیا جاتا تو اس کے بہت سے نقصانات ہوتے ایک تو بہت سے فن کاروں کا روزگار متاثر ہوتا دوسرے عام قاری ٹائپ پڑھنے کا عادی نہ تھا لہٰذا اخبارات کی سرکولیشن اور اردو کتابوں پر زبردست اثر پڑتا۔

روزنامہ مشرق نے ٹائپ کے رجحانات کو غیر مؤثر بنانے میں بنانے میں اہم کردار ادا کیا کتابت کو آسان ترین اور فنی اعتبار سے جاذب نظر بنا کر اردو ٹائپ کے رجحان کو کسی حد تک روک دیا مشرق نے اپنے ظاہری حسن اور خوبصورتی کی بناء پر اتنی سرکولیشن حاصل کر لی کہ دوسرے اخبارات ٹائپ کے رجحان کو چھوڑ کر مشرق کے رجحان کو اپنانا پڑا۔

اخبار کی کتابت کو بہتر بنانے میں شریف گلزار کے 6 اہم اقدامات

اخبار میں زیادہ سے زیادہ مواد کھپانے، ظاہری خوبصورتی کو بڑھانے اور اخبار کو مکمل بنانے کے لئے اور ٹائپ کے رجحان کو روکنے کے لئے سطروں کا مزید اضافہ کیا گیا۔ مثلاً

۱) پہلے کالم میں پچاسی سطریں تھیں جنہیں بڑھا کر پچانوے اور بعد میں ایک سو دس سطری کر دیا گیا اس سے یہ فائدہ ہوا کہ اخباری میٹر میں پہلے کی نسبت کم از کم ایک کالم کا اضافہ ہو گیا اور دوسرے یہ کہ اخبار کے بھرپور قسم کا تاثر قائم ہو گیا جس سے قارئین میں مختلف قسم کے مواد کی تشنگی باقی نہ رہی اور ساتھ ہی اخبار کی سرکولیشن میں خاطر خواہ اضافہ بھی ہو گیا۔

۲) کتابت کے سلسلے میں اسٹاپس، ڈاش اور قوسے صحیح لگانے کا پوری طرح اہتمام کیا گیا تا کہ قارئین کو اخبار پڑھتے ہوئے کوئی دقت

ایک تقریب کے موقع پر شریف گلزار، بکین احسن کلیم، اقبال زبیری، عنایت اللہ، عبدالسلام خورشید، ایم اے لطیف جنرل منیجر

شریف گلزار اور چوہدری شجاعت حسین (درمیان میں) دیگر حضرات کے ساتھ

پیش نہ آئے۔

۳) اخبار میں باریک کتابت میں بین السطور کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تاکہ خبر کی کٹنگ سے الفاظ متاثر نہ ہوں۔ اس سلسلے میں کشکے مزید چھوٹے کر دیئے گئے۔ بیضوی دائروں کی بجائے گول دائروں کو رواج دیا گیا۔ الفاظ اکٹھے لکھنے کی بجائے الگ الگ لکھنے کی باقاعدہ تربیت دی گئی، بے جامدّوں کو بنانے کا طریقہ ختم کر دیا گیا اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ایک سطر میں زیادہ الفاظ لکھے جانے لگے اور لفظ اس طرح نظر آنے لگے جس طرح تسبیح میں دانے۔

۴) خبریں بناتے اور لکھتے وقت ان کو باقاعدہ پیراگرافوں میں تقسیم کیا جانے لگا تاکہ قارئین کو اخبار پڑھنے میں زیادہ سے زیادہ آسانی ہو۔

۵) باریک کتابت میں اہم خبروں کے سلسلے میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ وہ اپنی اہمیّت کے لحاظ سے نمایاں نظر آئیں کالم کی دونوں پوٹ چھوڑ کر دانہ دار اور رسم الخط کی تبدیلی سے جیسے خط نسخ اور رقاع وغیرہ میں ان اہم باکس آئٹمز کو لکھنے کو رواج دیا گیا اس سے عام باریک کتابت سے الگ رسم الخط میں لکھنے سے وہ آئٹمز زیادہ نمایاں نظر آنے لگے۔

۶) ڈبل یا تین کالم انٹرویو لکھنے کی بجائے جگہ کی ضرورت اور مفاہمت کے اعتبار سے ڈبل خبر سے لے کر مین ہیڈ لائن تک انٹرو کو اکثر اوقات سنگل لکھنے کا رواج دیا گیا اس سے اخبار کے صفحات کے میک اپ میں آسانی پیدا ہوگئی۔ چونکہ ہر روز مشرق کے چار ایڈیشن شائع ہوتے ہیں۔ ہر ایڈیشن میں خبروں کو ان کی اہمیّت کے پیشِ نظر جگہ دی جاتی ہے۔ اس سے یہ آسانی پیدا ہوگئی کہ اگر ایک خبر پہلے ایڈیشن میں انتہائی اہمیّت کی حامل ہے تو ممکن ہے چوتھے ایڈیشن میں وہ خبر اتنی اہمیّت کی حامل نہ ہو۔ ان سنگل انٹرو کی وجہ سے اس خبر کو آسانی کے ساتھ جہاں کہیں اور جس انداز سے بھی لگانا مقصود ہوتا، لگا لیا جاتا۔

سنگل کالمی ۴ نمبر

چین عنقریب ایک اور ایٹمی دھماکہ کرے گا

دو کالمی ۳½ نمبر

اپوزیشن لیڈروں کے اجلاس میں مشترکہ لائحہ عمل پر اتفاق نہیں ہو سکا

۵ نمبر

مسلم لیگ کے صدر پیر پگاڑو اور خاکسار تحریک کے نمائندوں نے اجلاس میں شرکت نہیں کی

دو کالمی ۳ نمبر

عوامی حکومت نے غریبوں کو استحصال اور جہالت سے نجات دلاتی ہے

۴ نمبر

وزیر اعظم بھٹو کی قیادت میں مزید اصلاحات نافذ کی جائیں گی : ڈاکٹر خالق

۳ کالمی ۴ نمبر

ملک سے جرائم کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے گا : وزیر اعظم بھٹو

۴ نمبر

زرعی قرضوں پر سود تاریخ اجراء سے وصول کیا جائے گا۔ وزیر اعظم سے مختلف وفود کی ملاقات

۳ کالمی ۳ نمبر

ترقیاتی سکیموں پر عملدرآمد کے سلسلہ میں بیدخل ہونیوالے افراد کو معاوضہ یا متبادل جگہ دیجائیگی

پنجاب اسمبلی نے بڑے شہروں میں ترقیاتی اداروں کے قیام کا بل منظور کر لیا

اپوزیشن کی بیشتر ترامیم منظور کر لی گئی ہیں

چار کالمی ۲½ نمبر ۴ سطر

پذیر ممالک پر غیر ملکی قرضوں کا بوجھ کم کرنے کیلئے فوری کارروائی کی جائے: پاکستان کا مطالبہ

چار کالمی ۲ نمبر ۵ سطر

حکومت انتظامی امور میں عوام کو زیادہ سے زیادہ شریک کرنا چاہتی ہے

روزنامہ مشرق کے لئے بنائے گئے ہیڈنگز کے فاونٹ جو شریف گلزار صاحب نے تیار کیے

شریف گلزار نے مختلف اقسام کی سُرخیوں کو رواج دیا

اخبار میں کتابت کے اعتبار سے سرخیوں کی بہت سی اقسام ہیں۔ چونکہ ایک صفحہ کو آٹھ کالم میں تقسیم کیا گیا ہے اس لئے سرخیوں کی کتابت میں آسانی پیدا کرنے کے لئے کالم کی بنیادوں پر سرخیوں کے نام رکھے گئے جیسا کہ سنگل کالم سرخی، ڈبل کالم، تین کالمی، چار کالمی، پانچ اور چھ کالمی، سات کالمی حتیٰ کہ آٹھ کالمی تک، اس کے علاوہ سنگل کالم باکس ہیڈ لائن، ڈبل کالم اور تین کالم باکس ہیڈ لائن وغیرہ۔

مشرق میں کتابت سیکشن کے ہیڈ لائن رائٹرز کو اس انداز سے تربیت دی گئی کہ ہیڈ لائن لکھتے وقت ہر آدمی کے ذہن میں ایک ہی کالم کا تصور ہو۔ ہیڈنگز میں یکسانیت پیدا کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ مختلف ہیڈنگز کے قلموں کا تعین کیا جائے بعض اخبارات میں ایسی پریکٹس موجود تھی کہ رات کو ہیڈ لائن لکھنے والا کوئی اور قلم استعمال کرتا تھا اس سے اخبار کی سرخیوں میں یکسانیت کا فقدان تھا اور ظاہری خوبصورتی متاثر ہوتی تھی شریف گلزار نے ہر ہیڈنگز کے لئے قلم کا تعین کیا جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ باڈی میٹر (باریک کتابت کے لئے) قلم	۶ نمبر
۲۔ عام کتابت سے ذرا جلی یعنی اداریہ وغیرہ کا قلم	۵ نمبر
۳۔ سنگل ہیڈنگ	ساڑھے چار نمبر
۴۔ ڈبل ہیڈنگ	ساڑھے تین نمبر
۵۔ ڈبل ہیڈنگ نمبر ۲	ساڑھے چار نمبر
۶۔ خفی ڈبل ہیڈنگ	۴ نمبر
۷۔ جلی ڈبل ہیڈنگ	۳ نمبر
۸۔ عام تین کالمی ہیڈنگ	۳ نمبر
۹۔ چار کالمی ہیڈنگ	ڈھائی نمبر
۱۰۔ پانچ کالمی ہیڈنگ	۲ نمبر
۱۱۔ چھ کالمی ہیڈنگ	ڈیڑھ نمبر
۱۲۔ سات کالمی ہیڈنگ	ایک نمبر
۱۳۔ آٹھ کالمی ہیڈنگ	زیرو یا ڈبل زیرو کا قلم

مین ہیڈنگ کے لئے خبر کی اہمیت اور الفاظ کی موزونیت کے اعتبار سے ڈبل زیرو سے جتنا بھی موٹا قلم مناسب ہوتا لگا لیا جاتا قلموں کے نمبروں کا باقاعدہ تعین کر دینے سے یہ فائدہ ہوا کہ تمام اخبارات کی ہیڈنگز میں یکسانیت آ گئی جس سے اخبار کی خوبصورتی میں خاطر خواہ

ہیڈ کاتب محمد حسین (المعروف بھائی جی) شریف گلزار کے ساتھ

اضافہ ہوا۔

پھر ہیڈ لائن رائٹرز کو اتنی زیادہ مشق کرائی گئی کہ پورے اخبار کی سرخیاں ایک ہی آدمی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی معلوم ہوتی تھیں یہ اقدامات اخباری خوشنویسی میں ایک زبردست انقلاب تھا بارہ صفحات پر مشتمل مشرق کتابت میں یکسانیت کے اعتبار سے ملک کے دوسرے تمام اخبارات پر سبقت لے گیا۔

مختلف رسم الخطوں میں سرخیاں

نستعلیق ہیڈنگز کے علاوہ جگہ کے مطابق خبر کی اہمیت کے لحاظ سے ہیڈنگ میں ورائٹی پیدا کرنے کے لئے دوسرے رسم الخطوں میں بھی سرخیاں لکھنے کا بھی باقاعدہ اہتمام کیا گیا خصوصاً سنگل باکس ہیڈنگز اور ڈبل باکس ہیڈنگز وغیرہ اور جب کبھی کسی ہیڈنگ کی جگہ کے مطابق الفاظ کم ہوتے تو اس کو ایسے رسم الخط میں لکھا جاتا جس سے کم الفاظ ہی اپنا بھرپور اور خوبصورت تاثر دیں۔

تین سرخیاں بنانے کے لئے نیوز سٹاف کو بھی اس حد تک تربیت دی گئی کہ وہ ایسا ہیڈنگ بنائیں جو کتابت کے اعتبار سے بہترین توازن قائم رکھ سکے اس سے ہیڈنگز کی خوبصورتی کو اور جلا ملی کیونکہ غیر متوازن ہیڈنگ اخبار کے کسی بھی صفحے پر اچھا تاثر قائم نہیں کر سکتا۔

شریف گلزار نے عام حالات سے ہٹ کر نیوز کے ہیڈنگز لکھنے کے مختلف تجربات کئے جیسا کہ بعض اوقات تصویر کے ساتھ خبر کے ہیڈنگ کو موزوں انداز میں کتابت کرنے کے لئے ساڑھے تین کالم، اڑھائی کالمی یا ساڑھے تین کالم قسم کے ہیڈنگ کتابت کئے جانے لگے اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ایک تو اخبارات میں ہیڈنگ کنونشنل سٹائل سے ہٹ کر لکھے جانے لگے دوسرے خبر کی اہمیت اور جگہ کی موزونیت کے اعتبار سے بھی ہیڈنگ لکھے جانے لگے تاکہ ہیڈنگز کی یکسانیت ختم ہو سکے۔

اقبال زبیری، شریف گلزار کو بیج لگا رہے ہیں

اس کے بعد اخبار کو زیادہ سے زیادہ جاذب نظر بنانے کے لئے اور صفحہ کے میک اپ میں آسانی پیدا کرنے کے لئے سادہ ہیڈنگز، ریورس ہیڈنگز اور سکرین ہیڈنگز باقاعدگی سے کتابت کئے جانے لگے جس سے یہ فائدہ ہوا کہ اخبار جاذبِ نظر ہو گیا اور مختلف خبروں کے ہیڈنگز اور اسکرین اور ریورس صورت میں زیادہ نمایاں نظر آنے لگے اس انداز کو پاکستان کے تمام اخبارات نے اپنایا اور مشرق کو اپنا پیش رو بنالیا اس کے بعد مشرق نے کتابت کے میدان میں ایک اور نمایاں انداز یہ اختیار کیا کہ مختلف مواقع پر موقع کی مناسبت سے ہیڈنگز تیار کئے گئے۔ ہیڈنگز کو اس انداز سے کتابت کیا جاتا کہ وہ وہی تاثر دیتے جو اس ایڈیشن کا کردار ہوتا۔

مثال کے طور پر جب عراق کے عبدالسلام عارف پاکستان کے دورے پر آئے تو اس وقت مشرق نے ان کو خوش آمدید کہنے کے لئے ایک انتہائی خوبصورت ایڈیشن نکالا اور اس کا پہلا صفحہ خطاطی کے اعتبار سے یہی تاثر دے رہا تھا کہ یہ اخبار عراق کا اخبار ہے اس ایڈیشن میں ہیڈنگز اور باریک کتابت خط رقاع میں تحریر کی گئی تھیں جسے صدر عبدالرحمان عارف نے زبردست سراہا اور خراجِ تحسین پیش کیا۔

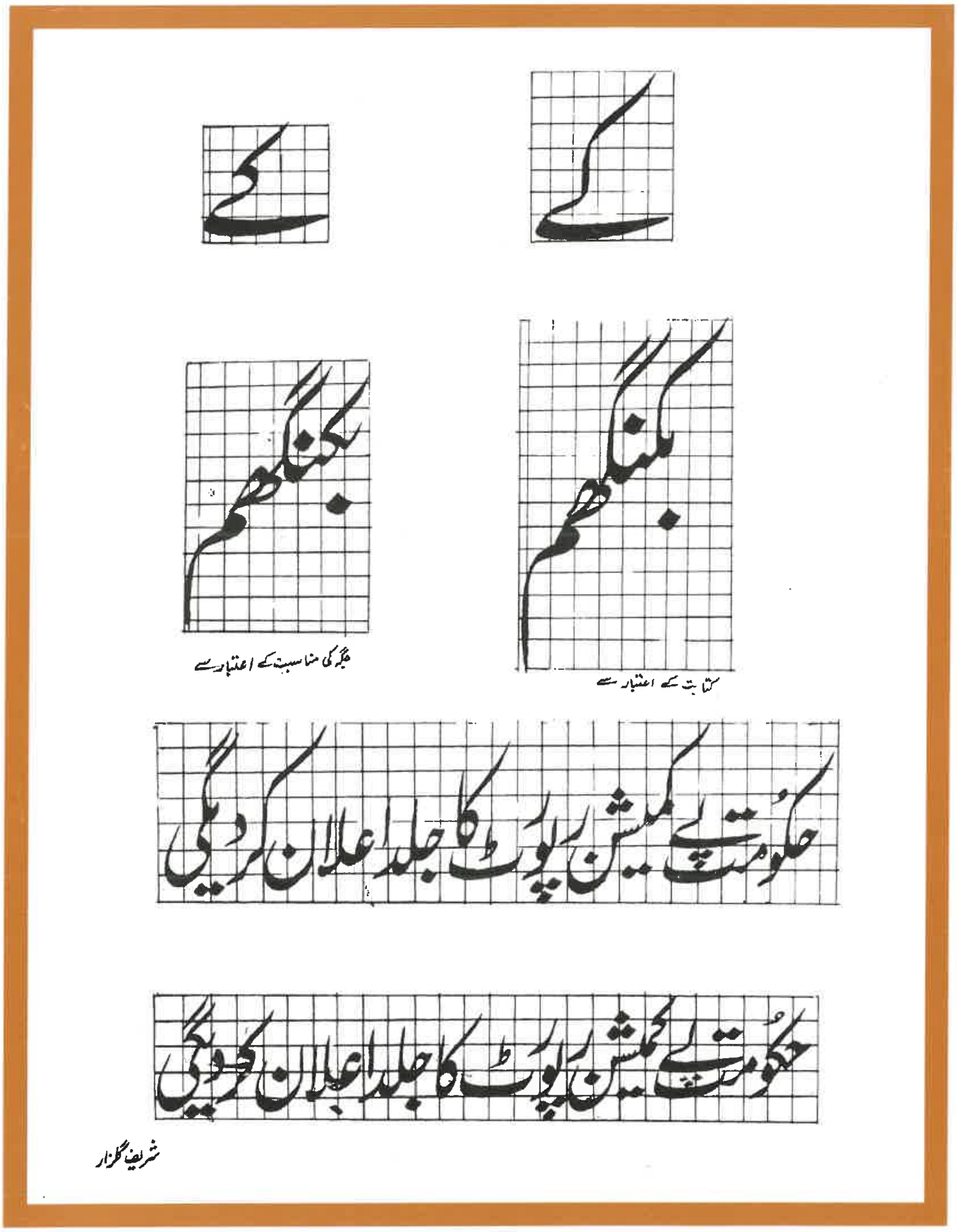

شریف گلزار نے اخبار کے لئے خط نستعلیق کی اونچائی کم کردی

اس طرح مصر کے صدر جمال عبدالناصر کی آمد کے موقع پر مشرق کے خاص ایڈیشن کو مصری رسم الخط میں ہیڈنگوں کے ساتھ مزین کیا گیا اوراخبار کے پہلے صفحہ کی باریک کتابت بھی مصری رسم الخط میں کی گئی۔

جب سابق وزیراعظم چین چواین لائی پاکستان کے دورہ پر پہلی بارتشریف لائے تواس موقع پر مشرق نے خاص نمبر تیار کیا اس میں ہیڈنگز لکھنے کا ایسا انداز اختیار کیا گیا جو دیکھتے ہی چینی رسم الخط کا بھرپور تاثر دیتا تھا یہ اپنی نوعیت کا ایک اچھوتا اورانفرادی نمبر تھا۔

اس کے بعد اسلامی کانفرنس کے موقع پر مشرق کے عام اخبار میں جو ہیڈنگز لکھے گئے وہ تمام کے تمام رقاع رسم الخط میں لکھے گئے بلکہ اس کے ساتھ ہی جتنے دن اس کانفرنس کے اجلاس ہوتے رہے مشرق نے چھوٹے سائز پر چار صفحات کا ایک سپیشل سپلیمنٹ عربی زبان میں جاری کئے رکھا جو تمام کا تمام روزنامہ مشرق کے خوشنویسوں کی فنی کارکردگی کا ایک بے مثال نمونہ تھا ایسا محسوس ہوتا تھا کہ یہ اخبار لاہور سے نہیں بلکہ کسی عرب ملک سے شائع ہورہا ہے جسے اسلامک کانفرنس میں شامل ہونے والے تمام مندوبین نے زبردست خراجِ تحسین پیش کیا اورمشرق کے خطاطین کی فنی خوبیوں کا اعتراف کیا۔

جب شاہ فیصل شہید کی شہادت ہوئی تو اس موقع پر مشرق کا جو خاص ایڈیشن شائع ہوا وہ انفرادیت کا حامل تھا اس میں ہیڈنگز عربی رقاع رسم الخط میں لکھے گئے اورساتھ ہی اس میں چاروں طرف ماتمی حاشیہ اس طرح دیا گیا کہ جس سے شاہ فیصل شہید کے سوگ میں برابر کا شریک ہونے کا بھرپور تاثر دیا گیا۔

چین کے وزیر اعظم چواین لائی کی وفات کے موقع پر مشرق نے مخصوص چینی رسم الخط میں ہیڈنگ لکھ کر اپنی عظمت کا لوہا منوایا اس کے بعد چین کے عظیم رہنما چیئر مین ماؤ کی وفات کے موقع پر ایک خاص سپلیمنٹ ترتیب دیا گیا جس کے ہیڈنگز چینی رسم الخط میں لکھے گئے جس سے اخبار اپنی ظاہری خوبصورتی کی بناء پر مقبول ہوا۔

اسی طرح دوسرے مذہبی تہواروں کے موقع پر جیسا کہ عیدین، محرم، یوم استقلال، معراج النبیؐ، میلادالنبیؐ، یوم قائدِ اعظم، اور یوم

مشرق لاہور: عالی رضوی، جناب شریف گلزار، جناب اقبال زبیری اخبار وطن لندن کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب عبدالرزاق

اقبال جیسے موقع پر مشرق خاص ایڈیشن باقاعدگی سے تیار کرتا رہا ہے جس میں ہیڈنگز کی کتابت موقع کی مناسبت سے کی جاتی جس سے اس موقع کا مکمل تاثر ملتا ہے۔

مثلاً عید میلاد النبیؐ کے موقع پر اس رباعی

بلغ العلیٰ بکمالہ　　کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ　　صلوا علیہ وآلہ

کو اس انداز کتابت کیا جاتا ہے کہ اخبار کا حاشیہ بھی رباعی ہی بن جاتی ہے جس سے اخبار کے پہلے صفحے پر ہر طرف موقع کی مناسبت سے منظر ملتا ہے اور خوبصورتی میں بھی بہت اضافہ ہو جاتا ہے۔

مشرق اخبار کو مختلف رنگوں میں چھاپنے کا باقاعدہ اہتمام کیا گیا اور اس میں مختلف ہیڈنگز کو مختلف صفحات کی موزونیت کے اعتبار سے مختلف رنگوں میں دیا جانے لگا جس سے کتابت اور اخبار کی خوبصورتی میں مزید اضافہ ہوا۔

مشرق میں دوسرے اخبارات کی نسبت زیادہ ایڈیشن شائع کئے جاتے تھے مثلاً سنڈے ایڈیشن، ملّی ایڈیشن، بچوں کا اخبار، اخبار العلم، اخبارِ خواتین کھیلوں کا اخبار، مزدوروں کا اخبار، اور صنعت کاروں کا اخبار وغیرہ ان تمام ایڈیشنوں میں ان کے موضوع کی مناسبت کے اعتبار سے ہیڈنگز کتابت کئے جاتے تاکہ ایک ہی نظر میں یہ معلوم ہو سکے کہ یہ کون سا ایڈیشن ہے یہ بھی صرف شریف گلزار ہی کا طرۂ امتیاز ہے کہ انہوں نے ان ایڈیشنوں میں موضوع کی مناسبت کے اعتبار سے ہیڈنگ دینے کو رواج دیا۔

شریف گلزار نے باریک کتابت اور ہیڈنگز میں ورائٹی پیدا کرنے میں وہ کردار ادا کیا جس سے تمام اخباری صنعت میں ایک انقلاب برپا ہو گیا تمام اخبارات نے اس کی تقلید میں اپنی اشاعت کو بڑھانے کے لئے دن رات ایک کر دیا اور ان تمام اصولوں اور ضابطوں کو اپنانے کی پوری پوری کوشش کی اس سے اخباری صنعت کی زندگی خاص طور پر اخباری کتابت میں ایک نئی زندگی پیدا ہو گئی مشرق کے کراچی اور لاہور کے ایڈیشن بوجوہ بند ہو چکے ہیں لیکن پشاور اور کوئٹہ ایڈیشن اب بھی باقاعدگی سے اخبارات کی دنیا میں ایک نقیب کی حیثیت سے بتدریج ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔

مشرق

الخميس ٢١ فبراير ١٩٧٤م

طبعة خاصة

لاهور تتشرف اليوم باستضافة قادة الدول الاسلامية

رئيس الوزراء بهوتو يستقبل الملوك والرؤساء على مطار لاهور

تمت كل الاستعدادات لمؤتمر القمة

رئيس وزراء باكستان السيد ذو الفقار علي بهوتو يتحدث مع الوفد المغربي اثناء زيارته للوفد

السادات والقذافي يصلان الى الرياض للتشاور مع عاهل المملكة العربية السعودية

الرئيس معمر القذافي — الرئيس انور السادات — جلالة الملك فيصل

رئيس الوزراء يقوم برد الزيارة للممثل الخاص لجلالة الملك حسين

وصول وزير خارجية مالي

الوفد التركي يصل غدا

اتفاقية جديدة بين قطر وشركة شل

ياسر عرفات يرفض مقابلة كيسنجر

سماحة مفتي فلسطين الحاج امين الحسيني يقرأ الفاتحة على قبر المرحوم العلامة اقبال الشاعر

اسلامی سربراہی کانفرنس لاہور کے موقع پر روزنامہ مشرق نے کانفرنس میں شریک مندوبین ومہمان گرامی کے لیے عربی ایڈیشن کا خصوصی اہتمام کیا

21 فروری 1974ء کے شمارے کا ایک عکس

عرفان احمد خان

خوش نویس کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہیے

عرفان احمد خان سینئر نائب صدر پاکستان کیلیگراف آرٹس گلڈ لاہور

ایم اے پنجابی، پنجاب یونیورسٹی استاد کا نام: مولوی محمد حسین عادلی، جنہوں نے اپنی زندگی میں ۲۰ کے قریب قرآن پاک کتابت کیئے۔ یکم رمضان المبارک کو قران مجید کی کتابت شروع کی اور ۲۹ رمضان کو پورا قرآن مجید مکمل کیا۔ ان سے خطِ نستعلیق، ثلث، نسخ، کوفی، شکستہ، اور دیوانی میں مہارت حاصل کی۔ ۱۹۴۷ء: میں مانسہرہ کے نواحی گاؤں بیر کنڈ میں پیدا ہوا اور دو سال کی عمر میں والدین کے ساتھ لاہور آ گئے، ابتدائی تعلیم لاہور ہی میں حاصل کی اور ساتھ ساتھ خطاطی کی تعلیم بھی حاصل کی اور گیارہ سال کی عمر میں (۱۹۵۸ء میں) روزنامہ آزاد لاہور میں ملازمت کی۔ پرائمری کے بعد باقی تمام تعلیم ملازمت کے دوران حاصل کی اور پنجاب یونیوسٹی لاہور سے ایم اے پنجابی کیا۔ روزنامہ مشرق کی ملازمت کے دوران ا سٹائکش سرخیاں اور تاریخ ساز ہیڈ لائنز لکھنے کا موقع ملا جو کہ شہرت کا باعث بنا۔ اسی دوران پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فائن آرٹ میں ایک استاد کی حیثیت سے ۱۷ سال کام کیا ۲۰۰۴ء میں خطاطی کی ترقی و ترویج کے لئے بہترین خدمات پر گورنر پنجاب سے گولڈ میڈل حاصل کیا روزنامہ مشرق میں اخبار کی ضرورت کے تحت نئی طرزِ تحریر ایجاد کی اور اہم واقعات وسنڈے مشرق کی جلی سرخیاں لکھیں اور داد حاصل کی۔ پنجابی زبان کے معروف صوفی شاعر قادر یار کے مزار پر بلامعاوضہ خطاطی کا کام کیا۔ گذشتہ ۹ سال سے پاکستان کیلیگراف آرٹسٹس گلڈ کے زیرِ اہتمام منعقدہ خطاطی و آرٹ کی کلاسز میں بطورِ استاد بلامعاوضہ کام کیا اور جاری ہے آج کل اپنی انفرادی نمائش کے لئے تیاری جاری ہے اور اپنے کام پر مبنی ایک ضخیم کتاب کی تیاری آخری مراحل میں ہے۔

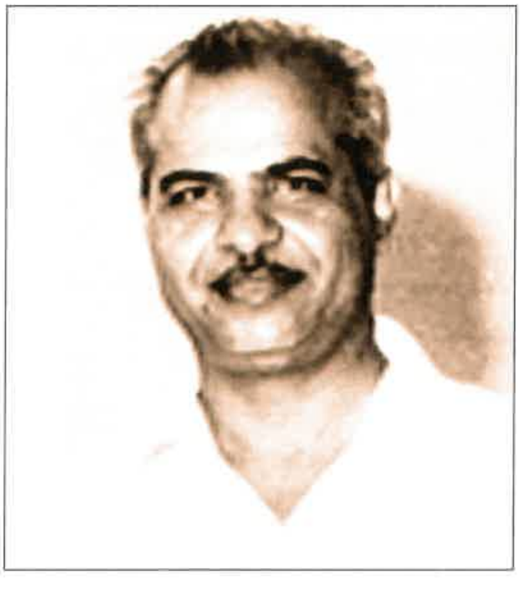

گلزار صاحب سے میری پہلی ملاقات 1958ء میں روزنامہ آزاد رائل پارک کے دفتر میں ہوئی وہ عبدالرحیم صاحب سے ملنے آئے اور مجھے دیکھ کر حیران ہوئے کہ اتنی چھوٹی عمر میں یہ بچہ کام کر رہا ہے اس وقت ان کے ساتھ شاہ صاحب (طاہر زیدی) تھے۔ جب میں آزاد اخبار میں ملازم ہوا اس وقت میری عمر ۱۱ سال تھی۔

جناب شریف گلزار صاحب علم و فن میں ممتاز مقام رکھتے تھے ان کا ایک واقعہ یاد ہے وہ کچھ اس طرح سے ہے کہ مجھے 1961ء میں روزنامہ کوہستان میں ملازمت ملی جب میں پہلے دن ڈیوٹی پر گیا تو اس شفٹ میں میرے قریب بشیر بٹ صاحب بیٹھے تھے اور ان کے ساتھ خالد محمود صاحب۔ میں نے دیکھا کہ شریف گلزار

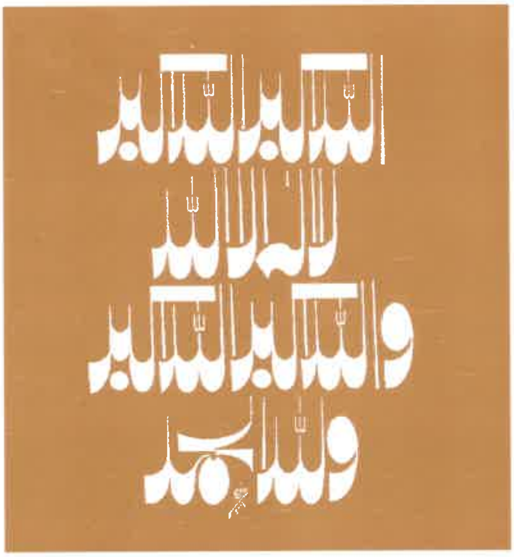

عرفان احمد خان کے ہاتھ کا لکھا ہوا حج کا تلبیہ

صاحب کمرے میں داخل ہوئے اور سب کا کام چیک کرنا شروع کیا ان کا خوف اتنا تھا کہ خالد محمود راشد صاحب کے ہاتھ سے چائے کی پیالی ہل رہی تھی اور کپکپی طاری تھی۔

جناب عنایت اللہ صاحب انتہائی انسان شناس تھے گلزار صاحب پر بہت اعتماد کرتے تھے انہوں نے گلزار صاحب کو وہ تمام اختیارات دے رکھے تھے جو دفتر میں چیف ایگزیکٹو کو حاصل ہوتے ہیں۔ اخبار کی ترقی اور سرکولیشن پر وہ صرف گلزار صاحب سے مشورہ کرتے تھے جناب عنایت اللہ گلزار صاحب کی ذہانت اور قابلیت پر اتنا یقین رکھتے تھے کہ اخبار کی لے آؤٹ اور ڈسپلے کو جدید بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے ان کو لندن بھجوایا اور فنِ لے آؤٹ پر جدید کتابیں لا کر دیں۔

گلزار صاحب اخباری تزئین کے فن کے ماہر تھے اخباری LAY OUT میں کوئی ان کا ثانی نہیں تھا میں نے ایک دفعہ یہ دیکھا کہ انہوں نے کچھ تصویریں اور سرخیاں جناب حبیب الرحمٰن صاحب کو دیں اور کہا کہ اس صفحہ کو بہت اچھا بنانا ہے حبیب الرحمٰن صاحب نے کافی محنت کی مگر وہ مطمئن نہ ہوئے اور آخر کار گلزار صاحب سے کہا کہ مجھ سے یہ صفحہ اچھا نہیں بن رہا میں پاس موجود تھا مجھے کہنے لگے کہ ۵ کالمی سرخی ماڈرن کیلیگرافی میں لکھیں اور لفظوں کو بولڈ رکھیں میں نے سرخی لکھ دی اور انہوں نے دس منٹ میں پورے فیچر کو اس طرح سیٹ کیا کہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنا جلدی انہوں نے کس طرح یہ سب کچھ سوچ لیا۔ اخبار کے پہلے صفحہ پر خبروں کی ایڈجسٹمنٹ پر ان کو خاص مہارت تھی مشرق اخبار اور اخبارِ وطن لندن کے خبروں کے صفحات دیکھ کر محسوس ہوتا تھا کہ یہ جناب شریف گلزار صاحب ہی صفحہ بنا سکتے ہیں اور کسی کے بس کی بات نہیں۔ صفحہ کو خوبصورت بنانے کے لئے سرخیوں اور باکس آئٹم کو خاص اہمیت دی جاتی تھی اور یہ بکس اور ڈیک ان ہی کی ایجادات ہیں۔

گلزار صاحب نے اخباری ضرورت کے تحت خطِ نستعلیق میں خطِ گلزار بنایا اور یہ جدت اتنی اہم اور ضرورت کے مطابق تھی کہ پورے پاکستان کے اخبارات اس کی نقل کرتے ہیں۔ ماڈرن خطاطی میں تو ان کو زبردست عبور حاصل تھا تھوڑے لفظ بڑی جگہ میں اور زیادہ لفظ تھوڑی جگہوں میں سیٹ کرنا گلزار صاحب کا کمال تھا۔

گلزار صاحب کا ماتحت عملہ سے برتاؤ اتنا اچھا تھا کہ وہ ہر ایک بلکہ چپراسی کو بھی صاحب کہہ کر پکارتے تھے انہوں نے اپنی مشرق کی پوری سروس میں کسی ماتحت ورکر کی فائل میں کوئی نوٹس نہیں لگنے دیا جس سے اسے کوئی ذہنی اذیت یا مالی نقصان ہوا ہو۔

گلزار صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ آرٹ سیکشن یا شعبہ خطاطی میں لوگ بہتر کام کریں تا کہ دوسرے اخباروں کے لوگ ان کے کام کو دیکھ کر تقلید کریں وہ ہمیشہ پاس بیٹھ کر اخبار کی لے آؤٹ اور سرخیاں لکھنے کی ترغیب دیتے تھے۔

اب احساس ہوتا ہے کہ ان کاموں کو محفوظ کیوں نہ کیا انہوں نے خطاطی اور لے آؤٹ میں بہترین کام کیا جو ضائع ہو گیا

مجھے اچھی طرح یاد ہے فنِ خطاطی پر ایک کتاب مرتب کرنے کے

پنجاب یونیورسٹی کی تصویر: عرفان احمد خان، حبیب الرحمان، احمد مظہر خان، نذیر احمد شاہد اور شریف گلزار

لئے گلزار صاحب نے تقریباً ساری پٹیاں لکھی تھیں یہ کیا ہوا کام ان کے بیٹے شاہد گلزار کے پاس موجود ہے۔ ایک ملاقات میں شاہد گلزار نے بتایا کہ ان کے پاس والد صاحب کا کافی کام موجود ہے

جس میں شعروں کے علاوہ وہ ربّ کریم کے نام ہیں۔ جن میں سے کچھ رشید شاہد اس کتاب میں شامل کر رہے ہیں۔

گلزار صاحب ایک پڑھے لکھے اور ذہین انسان تھے ان کی کوشش ہوتی تھی کہ اخبار کے دفتر میں کام کرنے والے خوشنویسوں کو بہتر مقام ملے اسی لئے انہوں نے تخت پوش کی بجائے کرسی کو رواج دیا جس پر دوسرے خطاطوں نے بڑی تنقید کی مگر بعد میں سب کو احساس ہوا کہ انہوں نے ورکروں کے حق میں یہ بہترین کام کیا تھا ان میں اور دوسرے خطاطوں میں یہی فرق تھا۔

گلزار صاحب کی ہمیشہ یہ کوشش ہوتی تھی کہ اپنے شعبہ آرٹ سیکشن و کتابت سیکشن میں ساتھیوں کو جدید ترین طریقوں سے آگاہ کیا جائے وہ مختلف انگریزی اخباروں کی لے آؤٹ اپنے شعبہ میں دوستوں کو دکھاتے اور اسی طرح سے صفحہ بنوانے کی کوشش کرتے۔

خطاطوں کی ترقی اور عزت کے لئے گلزار صاحب نے بھرپور محنت کی اور آرٹ سیکشن بنایا اور گریڈنگ میں نیوز سیکشن کے برابر گریڈ بنوائے اس کام کے لئے انہوں نے بہت بھاگ دوڑ کی اور ایڈیٹوریل اسٹاف کی مخالفت کے باوجود آرٹ سیکشن اور کتابت سیکشن کو ویج بورڈ میں شامل کرایا آرٹ سیکشن کا یہ فائدہ ہوا کہ کچھ خطاط آرٹ سیکشن میں آنے سے زیادہ خوش نویسوں کو روزگار ملا۔ وہ یہ دیکھ کر خوش ہوتے تھے کہ خوشنویس بھی ایک اچھا اور صاف ستھرا لباس پہن کر دفتر آتے ہیں انہوں نے ایک دفعہ کہا کہ مجھے اس بات کا بہت دُکھ ہے کہ خوش نویس کم پڑھے لکھے ہیں وہ کہتے تھے کہ اس عظیم فن کو سیکھنے والے پڑھے لکھے لوگ ہونے چاہئیں، ان کی اس بات نے مجھ پر اثر کیا اور میں نے ملازمت کے دوران ایم اے کیا۔ مجھے احساس ہوا کہ واقعی گلزار صاحب نے درست کہا ہے کہ خوشنویس کو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہونا چاہئے۔

کتبہ ۔ شریف گلزار تلمیذ جناب خلیفہ احمد حسین سہیل رحمتہ — ۲ ربیع الثانی ۱۳۹۷

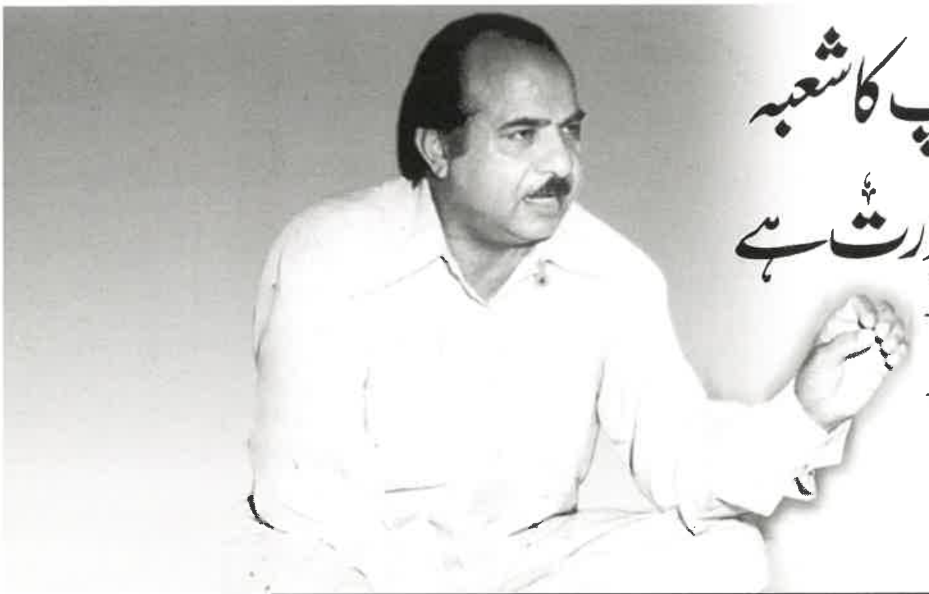

اخباری میک اَپ کا شعبہ وقت کی اہم ضرورت ہے

بہاولپور یونیورسٹی سے اخباری میک اپ پر پی ایچ ڈی کرنے والے اسد عباس ساہی کا شریف گلزار صاحب سے انٹرویو

سوال:......آپ نے کس سے متاثر ہو کر کیلیگرافی کو بطور پیشہ اپنایا؟

جواب:......۱۹۵۲ء میں مجھے الیکشن کی فہرستوں کی کتابت کا موقع ملا تو مجھے اس وقت احساس ہوا کہ کتابت ایک باقاعدہ عظیم فن ہے کتابت کا فن طلوع اسلام سے لے کر صدیوں سے ارتقائی منازل طے کر کے یہاں تک پہنچا۔ میرے ذہن میں یہ خیال اس قدر پختہ ہو گیا کہ اس فن کو لوگ اختیار کر کے علوم کے اعلیٰ مدارج تک پہنچتے ہیں۔

یہ فن میری سوچ کے مطابق ایک آفاقی فن ہے اس کے علاوہ اس سے رزق بھی ملتا ہے کیونکہ اس فن کے ذریعے سے بندہ الفاظ کو خوبصورت طریقہ سے لکھ کر لوگوں تک پہنچاتا ہے اگر کتابت کا صحیح فن دنیا میں نہ ہوتا تو کتابیں شکستہ الفاظ میں لکھی جاتیں تو اس وقت بہت کم لوگ تعلیم یافتہ ہوتے کیونکہ یہ کتابت کے فن کی بدولت ہی ہے کہ آج ہمیں کتابیں اچھی صورت میں پڑھنے کو ملتی ہیں جس کو تمام لوگ آسانی سے پڑھ لیتے ہیں۔

الیکشن کی فہرستوں سے فارغ ہونے کے بعد میں نے کسی اعلیٰ خطاط کی تلاش شروع کر دی جس سے اس فن کے متعلق علم حاصل کیا سکتا تھا میری ملاقات خلیفہ احمد حسن سہیل رقم جو کہ اس وقت پنجاب یونیورسٹی کے شعبہ فائن آرٹ کے استاد تھے سے ہوئی۔ جب میں نے ان سے اس فن کے متعلق گفتگو کی تو میرے ذہن میں اس فن کے متعلق مکمل سیکھنے کی سوچ پیدا ہوئی اور میں نے ان کی شاگردی اختیار کی اور کتابت کے فن کا باقاعدہ علم حاصل کیا۔

سوال:......آپ کے دور میں اردو اخبارات میں میک اپ کی کیا حیثیت تھی آپ اس میں کیا کیا تبدیلیاں لائے؟

جواب:......میں 1954ء میں روزنامہ ہلال پاکستان میں ملازم ہوا اس دور میں اخبارات میں میک اپ کا تصور ہی نہیں تھا اس دور میں سب ایڈیٹر اپنے کام سے فارغ ہونے کے بعد خبریں اخبار کے صفحوں پر بغیر کسی ترتیب سے چسپاں کر دیتے تھے۔

جب میں نے 1956ء میں روزنامہ کوہستان میں آیا تو روزنامہ کوہستان کے مینجنگ ڈائریکٹر جناب عنایت اللہ مرحوم

نے اخبار میں خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے مجھے منتخب کیا 1956ء میں اردو اخبار میں پہلی دفعہ روزنامہ کوہستان میں علیحدہ آرٹ سیکشن قائم کیا گیا اور مجھے یہ اعزاز حاصل ہے کہ میں روزنامہ کوہستان کا پہلا چیف آرٹ ایڈیٹر اور چیف کیلیگرافسٹ مقرر ہوا چونکہ اس سے پہلے میک اپ کا کوئی تصور ذہن میں نہیں تھا لیکن میں نے اور میرے ساتھیوں بالخصوص حبیب الرحمٰن نے انگریزی اخبارات بالخصوص لندن کے اخبارات منگوا کر مطالعہ کیا اوران اخبارات سے میک اپ کو دیکھ کر اردو اخبارات میں باقاعدہ میک شروع کیا سب سے پہلے ہم نے تصویریں چھاپنے کے لئے بلاک کا سہارا لیا ۔ اس سے پہلے اردو صحافت میں ایسا تصور نہیں تھا۔

اخبار کی خبروں کے ساتھ تصاویر دینی شروع کیں اور یہ تصویریں مختلف رنگوں میں دی جاتی تھیں اوراس کے پرنٹنگ کے لئے ہمیں بلاک پرنٹنگ اوراخبار کی پرنٹنگ الگ الگ کروانا پڑتی تھی۔یہ لیتھوگرافی کا دور تھا 60۔1961ء میں اخبارات کی اشاعت ۱۲۰۰ ہزار تک پہنچ گئی تھی جو کہ لیتھو کی مشینوں پر وقت پر چھپنا ممکن نہیں تھا میرے ذہن میں اس کے لئے وانڈائیک پرنٹنگ کا خیال آیا کہ اگر اخبار کو ونڈائیک کی پرنٹنگ کے تمام مراحل سے گزارا جائے تو اس

شریف گلزار، اقبال زبیری، خورشید اعجاز اور ارشاد احمد خان کراچی ائیرپورٹ پر

میں بہتری کے امکانات زیادہ ہیں۔

تجربہ کے طور پر میں ایک کاپی تیار کر کے علمی پریس لے گیا اوراس کے پروف نکلوائے اوران دنوں ہمارے ایڈیٹر ابو صالح اصلاحی تھے اس وقت عنایت اللہ صاحب لندن میں تھے میں نے جب وہ پروف ابوصالح اصلاحی کو دکھایا تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ کس طرح کروایا ہے انہوں نے کہا کہ گلزار صاحب جیسے بھی ممکن ہو اخبار کو وانٹڈائیک پر چھپوائیں، اور وانٹڈائیک پر چھپوانے سے کوہستان کی اشاعت صرف دو ماہ میں تقریباً چالیس ہزار تک پہنچ گئی جو کہ اس دور میں ناقابل یقین تھی اس وقت لاہور سے قومی اخبارات میں روزنامہ امروز اور روزنامہ نوائے وقت اور روزنامہ احسان قابل ذکر تھے مگر ان میں میک اپ کا تصور ہی نہیں تھا۔جبکہ میں نے اور میرے ساتھیوں نے انگریزی اخبارات سے جو کچھ بھی دیکھا اسے اردو میک اپ کے لئے روزنامہ کوہستان میں شامل کیا جس کی وجہ سے روزنامہ کوہستان کی اشاعت دوسرے اخبارات سے بہت زیادہ ہوگئی حتیٰ کہ بالآخر احسان بند ہوگیا اور امروز اور نوائے وقت کو بھی آرٹ سیکشن قائم کرنے پڑے اور میک اپ کو اخبارات کے لئے پوری طرح سے اپنانا پڑا روزنامہ کوہستان میں اختلافات کی وجہ سے جب عنایت اللہ مرحوم نے روزنامہ کوہستان کو خیر باد کہہ دیا تو میں نے اور میرے علاوہ حمیداللہ صاحب ملک افتخار صاحب اور ابوصالح اصلاحی صاحب نے بھی روزنامہ کوہستان کو چھوڑ دیا ان کے علاوہ بہت سے کارکن بھی ہمارے ساتھ ہی اخبار کی ملازمت چھوڑ گئے۔

اس کے بعد 16 نومبر 1963ء کو ہم نے عنایت اللہ مرحوم کی سربراہی میں روزنامہ مشرق کا آغاز کیا یہ اخبار بارہ صفحات پر مشتمل تھا میں نے اور میرے ساتھیوں نے اس کے صفحات کو مختلف خبروں کے لئے تقسیم کر دیا پہلے اس طرح کی تقسیم کا اردو اخبار میں تصور ہی نہیں تھا

شریف گلزار کے قلم ایک شاہکار

اخبار کے صفحات کی تقسیم کچھ اس طرح تھی جن میں پہلے اور آخری صفحوں پر اہم اور عام ملکی اور غیر ملکی خبریں ہوتی تھیں صفحہ 2 پر لاہور کی خبریں صفحہ 3 پر اداریے دیئے جاتے تھے صفحہ 4 پر اخبارِ جہاں، صفحہ 5 خواتین کی خبروں کے لئے مخصوص تھا اس کے علاوہ کامرس اور بچوں کے لئے بھی علیحدہ علیحدہ خبریں دی جاتی تھیں اس طرح اخباری صنعت میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

روزنامہ مشرق کے آغاز کے کچھ عرصہ کے بعد میں میک اپ کی جدید جہتوں کے لئے لندن گیا اور وہاں میں نے ایک پرائیویٹ ادارے انسٹی ٹیوٹ فار نیوز پیپر ڈیزائن میں داخلہ لے لیا اور وہاں چھ ماہ تک میک اپ کا علم حاصل کیا اس کے علاوہ ڈیلی سکیچ لندن کے آرٹ اینڈ پکچر ایڈیٹر مسٹر ڈیوڈ سے میک اپ کے متعلق علم حاصل کیا ایک سال کے بعد واپس پاکستان آیا اور دوبارہ روزنامہ مشرق میں اپنی ذمہ داری سنبھالی اور روزنامہ مشرق کو میک اپ کے نئے رجحانات سے روشناس کیا۔

جب میں لندن سے واپس آیا میرے ذہن میں ہر وقت یہ بات گردش کرتی تھی کہ اخبار کے صفحات کی جگہ بہت ہی زیادہ اہم اور قیمتی ہوتی ہے اسے کس طریقہ سے استعمال کیا جائے اس کے لئے میں نے دو نعروں پر عمل کیا اور وہ نعرے مندرجہ ذیل تھے۔

نمبر۱:....ECONOMY OF WORDS

نمبر۲:....ECONCMY OF SPACE

اس طرح روزنامہ مشرق کے کالم سات سے بڑھا کر آٹھ کئے ایک کالم میں سطریں 85 سے بڑھ کر 100 کر دیں اور ایک سطر میں الفاظ کو سات سے بڑھا کر دس گیارہ کر دیا اور اس کے لئے میں نے نستعلیق میں کچھ تبدیلیاں کیں، جس سے سطری الفاظ کی تعداد بڑھانے میں مدد ملی اور لوگ اس خط کو نستعلیق خطِ گلزار کہنے لگے اس کے علاوہ تصویر کے کیپشن مکمل دینے شروع کئے اور اخباری میک اپ کے ساتھ ساتھ قارئین کی آسانی کو بھی مدِ نظر رکھا اور بقیہ جات کم کئے اور ساتھ ہی ساتھ کسی آرٹیکل کو بغیر پیرا گراف لگانا ممنوع قرار دیا اور پیرا گراف کم از کم ہر پانچ انچ کے بعد ضروری قرار دیا اور اس طرح میں نے اور میرے ساتھیوں نے مل کر یہ تبدیلیاں میک اپ میں کیں۔

اس کے علاوہ میں نے ہیڈ لائن کو مختلف نام دیئے مثال کے طور پر شہہ سرخی اگر پیشانی کے اوپر لگائی جائے اور اخبار کی پیشانی اگر نیچے

شادی کے موقع پر۔ ایم کلیم۔ شریف گلزار اور ریاض بٹالوی

آ جائے تو اس کو بینر سرخی کہتے ہیں اس کے علاوہ میں نے روزنامہ مشرق میں ریورس سرخی کا رواج بھی دیا جو کہ پہلے کسی اردو اخبار میں نہیں تھا اور 1974ء میں حکومت نے اخبارات ضابطہ اخلاق مرتب کرنے کے لئے ایک پریس کمیشن بنایا جس کا سربراہ یحییٰ بختیار کو بنایا گیا تھا اس کمیشن کا مجھے کارکنوں کی طرف سے ممبر نامزد کیا گیا۔

سوال:......کیا کمپیوٹر کے آنے سے کیلی گراف کے شعبے کو نقصان تو نہیں پہنچا؟

جواب:......اس کے متعلق میری رائے عام لوگوں سے مختلف ہے اس شعبہ سے منسلک زیادہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کمپیوٹر کے آنے سے کیلیگراف کا مستقبل تاریک ہو گیا ہے لیکن میں اس سے اتفاق نہیں کرتا کہ میرے خیال سے کمپیوٹر کے آنے سے خوشنویسوں کی تعداد میں تو کمی ہوئی ہے مگر اس فن کی قدر و قیمت میں کوئی کمی نہیں ہوئی بلکہ اور نکھار پیدا ہوا کیونکہ کیلی گرافی کے بہت سے انداز ہیں جبکہ کمپیوٹر میں صرف چند ایک خطوں میں لکھا جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ شہ سرخیوں کے لئے بھی کمپیوٹر کے باوجود بھی خطاط کی ضرورت رہتی ہے۔

اور اس سے نقصان کی بجائے یہ فائدہ ہوا کہ پہلے ہر آدمی تھوڑی سی مشق کے بعد اپنے آپ کو خوش نویس کہلانے لگتا تھا جب کہ اب ایسا ممکن نہیں رہا اب اس فن میں وہی لوگ آئیں گے اور وہی ہیں جو اس کے متعلق علم رکھتے ہوں گے کیونکہ اس میں بے پناہ خطوط ہیں مثلاً خطِ کوفی، خطِ حمیدی، خطِ کوفی، مرصع، خطِ ریحان، خطِ گلزار، خطِ معکوس، خطِ شہاب، نستعلیق وغیرہ، گو ان خطوط کی حیثیت تعلیمی نہیں رہی لیکن یہ اب بھی ڈرائنگ رومون کی زینت بنتے ہیں ان خطوں کو کردار کے حوالے سے دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

ا)......تزئینی خط

فن اور فنکار۔ اخبار خواتین اور شریف گلزار

۲)...... تعلیمی خط، نسخ اور نستعلیق۔

اور اس طرح جو بھی آدمی اب اس طرف آئے گا تو اسے اپنے آپ کو بہتر خطاط ثابت کرنے کے لئے تمام خطوط پر عبور حاصل کرنا پڑے گا اس لئے میرے خیال میں کمپیوٹر کے آنے سے خوش نویس کی قدر و قیمت میں کمی کی بجائے اضافہ ہوا ہے۔

سوال:...... موجودہ دور کے اخبارات کے میک اپ کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

جواب:...... میری رائے میں موجودہ اخبارات کا میک اپ اطمینان بخش نہیں۔ کیونکہ اخبارات میں سرخیوں کی بھرمار ہے حتٰی کہ تمام خبریں سرخیوں میں ہی دے دی جاتی ہیں اور وہی الفاظ دوبارہ اسی طرح متن میں دے دیئے جاتے ہیں اس کے علاوہ اخبارات میں بقیہ جات کا بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے جس کی وجہ سے قاری بقیہ جات ہی ڈھونڈھتا رہتا ہے۔ اس کے علاوہ میک اپ کے بنیادی چار مسلم اصولوں کو نظرانداز کر دیا جاتا ہے۔

سوال:...... میک اپ کی بہتری کے لئے آپ کی تجاویز کیا ہیں؟

جواب:...... میرے خیال میں جس طرح یونیورسٹی میں صحافت کا علم دیا جاتا ہے اسی طرح میک اپ کے لئے علیحدہ ادارے قائم کرنے چاہئیں اور جس طرح صحافت کا باقی شعبہ ترقی کر رہا ہے اس طرح میک اپ بھی ترقی کر سکے گا اور جو لوگ میک اپ کی مکمل تربیت اور علم حاصل کر کے آئیں گے وہ صحیح طریقہ سے اخبارات کے میک اپ کو جدید جہتوں پر استوار کر سکیں گے۔

اور اس وقت ہمارے ملک میں بہت ہی کم افراد ایسے ہیں جو کہ اس علم کو سیکھ کر اخبارات میں آئے ہیں اس کے علاوہ صحافت کے تمام شعبوں کی تعلیم کم از کم سیکنڈری شعبہ سے شروع کرنی چاہئے جس سے اخبارات کو فائدہ ہوگا۔

اور جو لوگ میٹرک کی سطح سے علم حاصل کر کے آئیں گے انہیں اپنے شعبہ پر مکمل عبور ہوگا اور وہ اخبارات کی تزئین و آرائش صحیح طریقہ سے کر سکیں گے اور اس طرح اخبارات کی خوبصورتی میں اضافہ ہوگا اور کسی اخبار کا خوبصورت میک اپ اس کی اشاعت بڑھانے میں بہت مدد دیتا ہے اس کے علاوہ اگر اخبارات کا میک اپ خوبصورت ہو قارئین کو پڑھنے میں بھی آسانی رہتی ہے۔

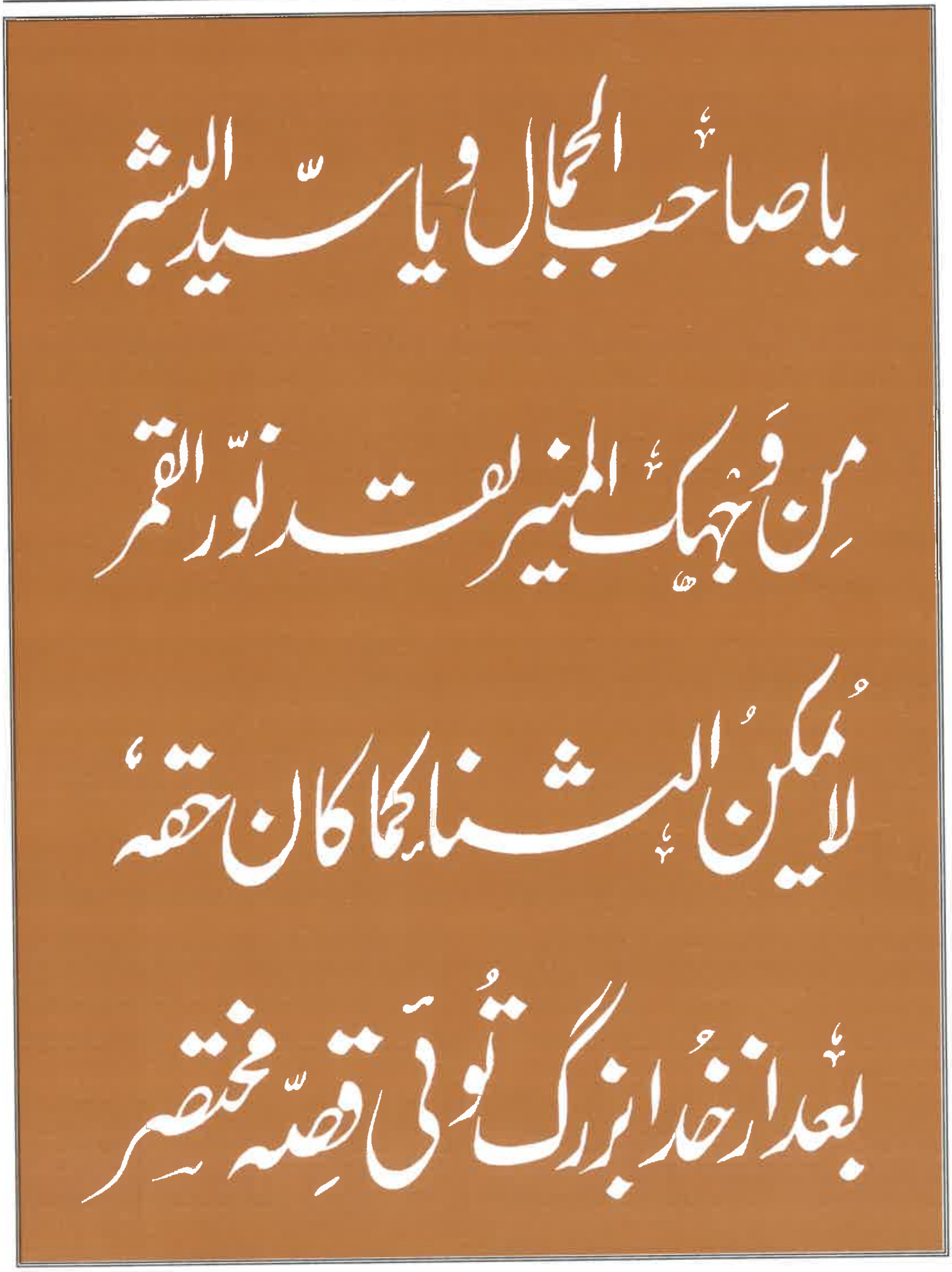

خط نستعلیق میں شریف گلزار کا ایک شاہکار

وہ صفحۂ قرطاس پر موتی بکھیرتے تھے

حبیب الرحمٰن

مسٹر حبیب الرحمٰن 1935ء میں کرتار پور ضلع جالندھر میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم کرتار پور میں ہی حاصل کی۔ تقسیم کے بعد سنت نگر لاہور میں مقیم ہوئے میٹرک تک تعلیم حاصل کی ساتھ ساتھ ہی کتابت کی تربیت بھی حاصل کرتے رہے۔اس کے بعد مختلف ہفت روزوں اور روزناموں میں کام کرتے رہے 1957ء میں روزنامہ کوہستان میں باقاعدہ ملازمت اختیار کرلی اور جناب شریف گلزار کے معتمد ساتھیوں میں شامل ہوگئے انہیں کی رہنمائی میں کتابت کے ساتھ آرٹ سیکشن میں میک اپ کی تربیت بھی حاصل کرتے رہے آپ نے اپنی بے پناہ محنت اور لگن کی بدولت بہت جلد آرٹ سیکشن میں ایک اہم مقام حاصل کرلیا بانی مشرق عنایت اللہ مرحوم ان کی ذہانت اور صحیح نویسی کی بے حد تعریف کرتے تھے اور جب باقاعدہ آرٹ سیکشن کا قیام عمل میں آیا تو حبیب الرحمٰن شریف گلزار کے بعد دوسرے تربیت یافتہ اور اہم آرٹ ایڈیٹر تھے۔کوہستان میں اپنے جوہر دکھانے کے بعد حبیب الرحمٰن بانی مشرق عنایت اللہ اور جناب شریف گلزار کے ساتھ ''مشرق'' میں تشریف لے آئے۔''روزنامہ مشرق'' میں مشرق کے چیف آرٹ ایڈیٹر اور چیف کیلیگرافسٹ جناب شریف گلزار کی رہنمائی میں آرٹ سیکشن میں ایک اہم مقام حاصل کرلیا اور روزنامہ مشرق کے آرٹ سیکشن میں روح رواں کی حیثیت رکھتے تھے جناب شریف گلزار کے بعد مشرق کے چاروں اداروں بلکہ پاکستان کے اخبارات میں حبیب الرحمٰن کے پائے کا کوئی آرٹ ایڈیٹر نہیں مشرق کے جدید میک اپ میں آج تک جتنے جوہر دکھائے ہیں حبیب الرحمٰن کی خدمات کو ان میں اہم مقام حاصل ہے۔

یہ مضمون جناب شریف گلزار صاحب کے انتہائی قریبی ساتھی اور دوست حبیب الرحمٰن نے روزنامہ دن لاہور کے 4 مئی 1997ء میں شائع ہونے والے ہفت روزہ میگزین میں لکھا۔

مجھے سمجھ میں نہیں آتا کہ میں جناب شریف گلزار صاحب کی شخصیت کا کون سا پہلو بیان کروں اور کہاں سے شروع کروں ایک انسان دوست کی حیثیت سے یا ایک شفیق رہنما کی حیثیت سے، ایک استاد کی حیثیت سے یا ایک غمگسار کی حیثیت سے۔اور پھر وہ ایک عظیم فنکار بھی تو تھے۔وہ سب عنوان اپنے اندر الگ الگ مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں۔مجھے اس پر فخر ہے کہ میں انہیں گذشتہ ۳۰ سال کے اس طویل عرصے میں نہایت قریب سے دیکھا یہ غالباً 1956ء کی بات ہے جب میں اپنے ایک دوست کے ساتھ ملازمت کی غرض سے کوہستان گیا تھا اسی روز میں نے دیکھا کہ ایک شخص ایڈیشن کی سرخیاں کتابت کررہا ہے پھر میں نے یہ بھی دیکھا کہ دس پندرہ منٹ میں وہ سرخیاں کتابت ہوچکی ہیں، میں حیران تھا کہ یاالٰہی یہ انسان ہے یا کمپیوٹر، جب میرا ان سے تعارف ہوا تو پتہ چلا کہ یہ صاحب شریف گلزار صاحب ہیں۔

بات ان کے فن سے چل نکلی تو مجھے یہ کہنے میں قطعاً کوئی باک

لندن: اخبار وطن لندن کے دفتر میں محمد صفدر ناصر، احسان ملک، حبیب الرحمٰن، چوہدری شجاعت حسین، عبدالرزاق، اقبال زبیری، شریف گلزار، شبیر شاہ، اور مشتاق حسین باغی

نہیں کہ وہ خوش نویس برادری میں منفرد مقام کے مالک تھے۔ ان کی سوچ ہو یا ان کا فن دونوں طرح سے اس شخصیت نے خوش نویس برادری میں انقلاب برپا کیا۔

خطاطی کی متعدد طرزوں پر تو انہیں عبور تھا، خواہ نستعلیق ہو یا نسخ، ثلث ہو یا رقاع، خطِ غبار ہو یا خطِ معکوس، طغرٰی ہو یا کوفی۔ انہوں نے اس میں بے شمار شاہکار تخلیق کیئے اور فن کے جوہر دکھائے لیکن ان تمام سے ہٹ کر انہوں نے اخبار کی ضرورت کے مطابق کئی نئے خط ایجاد کیئے اور اسی طرح آسمان صحافت پر اپنے نام کے ساتھ فن کا نام بھی روشن کیا۔

جس استاد کا اتنا ہونہار اور باصلاحیت شاگرد ہو اس کا ذکر نہ کرنا زیادتی کے مترادف ہے۔ اس سلسلے میں جناب خلیفہ احمد حسین سہیل رقم مرحوم کا نام سرفہرست ہے جو برسہا برس تک فائن آرٹس کے طلباء کو خطاطی کے رموز و نکات سکھاتے رہے۔ یہ بات یقیناً دلچسپی سے خالی نہیں کہ احمد حسین سہیل رقم کا پورا خاندان خطاطی کی خدمات میں نمایاں حیثیت کا حامل رہا ہے ان کے والد محترم محمد حسین مہاراجہ جموں و کشمیر کے خوشنویس تھے اور پھر ان کے بھائی جناب صوفی عبدالمجید صاحب پروین رقم کو کون نہیں جانتا۔ انہوں نے نستعلیق کی پرانی طرز کو مختلف تبدیلیوں کے ذریعے ایک نیا رنگ بخشا جس سے آج کی نسل مستفید ہو رہی ہے اور اسی سلسلے کا ایک فرد شریف گلزار تھے جو ان کے نقشِ قدم پر چلتے رہے۔

ظاہر ہے کہ جب آدمی کے مزاج میں تبدیلی کا عنصر پایا جائے تو اس کی آنکھ ہر چیز کو نئے انداز اور نئے زاویوں سے دیکھنا چاہتی ہے۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ خوشنویس کا کتابت کرنے کا انداز کیسا ہوتا ہے اس میں گلزار صاحب انقلابی تبدیلی کیسے لائے اور انہیں کن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا میں صرف اتنا کہوں گا کہ اس تبدیلی نے خوشنویسی کی کایا پلٹ دی اور وہ بھی اپنے آپ کو آدمیت کے احترام میں برابر کا حق دار سمجھنے لگا اس تبدیلی کی بدولت آج ملک میں تقریباً تمام اخبارات کے خوش نویس کتابت کے لئے میز اور کرسی استعمال

کرتے ہیں۔ اخبارات کے دفاتر میں آرٹ سیکشن بھی موجود ہے جو اس شخصیت کا ہی کارہینِ منت ہے۔ وہ اس شعبے کے قیام کے بعد ماڈرن ڈسپلے کے مشاہدے کے لئے 69 اور 74 میں لندن گئے اور پھر یہاں آکر انہوں نے مشاہدات کی روشنی میں نہایت کامیاب تجربے کئے، یہی وجہ ہے کہ آج اس کی اہمیت کے پیشِ نظر یہ شعبہ ہر اخبار کا لازمی حصہ بن گیا ہے۔

شریف گلزار صاحب کو میں نے انتہائی قریب سے دیکھا اور ان کی شخصیت کا جو سحر ربع صدی پہلے مجھ پر چھایا ہوا تھا وہ آج بھی برقرار ہے۔ شریف گلزار کی شخصیت ان کے نام کی حقیقی طور پر آئینہ دار ہے وہ واقعی شریف تھے اور ان کی شرافت کے سب قائل تھے جہاں تک ان کے نام کے دوسرے پہلوؤں کا تعلق ہے، شریف گلزار صاحب سماجی زندگی میں ایک سدا بہار گل کی حیثیت رکھتے تھے اور اس پھول کی تازگی یہ بوقلمونیاں صرف معاشرتی دائروں اور دوستانہ حلقوں ہی میں نظر نہیں آتیں بلکہ فن کے میدان میں بھی انہوں نے رنگا رنگ پھول کھلائے۔ علامہ اقبال نے فرمایا کہ عمل سے زندگی بنتی ہے۔ انہوں نے اس قول کو حقیقت کا روپ دیا ان کی زندگی سراپا عمل تھی جس کے ذریعہ انہوں نے خود کو آنے والوں کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ بنایا۔ ان کے نام اور ان کے فن کا پرتو زندگی کے ہر شعبے میں عملی صورت میں کارفرما نظر آتا تھا۔

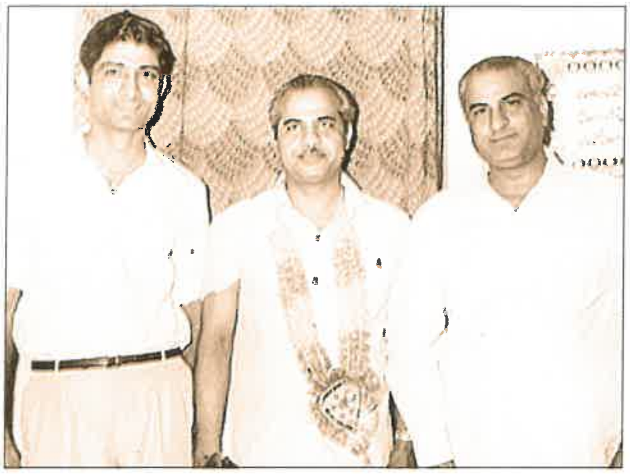

لندن: اقبال زبیری، شریف گلزار اور حبیب الرحمٰن

ان کا فن ان کی شخصیت میں اور ان کی شخصیت ان کے فن میں

حبیب الرحمٰن، اقبال زبیری اور شریف گلزار۔ لندن کی یادگار تصویر

لندن میں: محمد صفدر ناصر، حبیب الرحمٰن، شبیر شاہ، شریف گلزار اور آخر میں مشتاق حسین باغی

کچھ اس طرح سما گئی تھی کہ کوئی بھی چیز ان کے درمیان حد فاصل نہیں کھینچ سکتی تھی یعنی وہ خوشنویس ہی نہیں خوش اخلاق، خوش اطوار اور خوش ذوق بھی تھے وہ صفحۂ قرطاس پر ہی لفظوں کا جادو نہیں جگاتے تھے بلکہ گفتار و کردار میں بھی موتی بکھیرتے نظر آتے تھے، بلاشبہ ان کی یہ رنگینیٔ طبع بھی اپنے استاد ہی کی عطا کردہ دولت تھی یہ اپنی گفتگو کے ذریعے دوسروں کو مسحور کرنے کا فن بھی جانتے تھے آپ ان سے تاریخ اسلام کے اوراق سن لیں یا فلسفیانہ بحث کر لیں، وہ آپ کو قرآن و حدیث کے حوالوں سے بھی بہت سی باتیں بتا سکتے تھے وہ جس محفل میں بھی تھے وہاں کی جان محفل تھے انہوں نے عیسائیت، یہودیت، اور ہندومت کا بھی وسیع مطالعہ کیا وہ کہتے تھے کہ اگر کچھ وقت میسر ہو تو دینِ اسلام پر ایمان وایقان کی پختگی کے لئے مختلف ادیان کا بھی جائزہ ضرور لینا چاہئے۔

خداوند تعالیٰ کسی کی محنت کو ضائع نہیں کرتے گلزار صاحب کی یہ تمام خوبیاں ان کی شب و روز کی بے تکان محنت کا نتیجہ تھیں وہ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب تھے کہ انہیں اچھے ساتھیوں وفادار دوستوں اور غمگسار رفیقوں کا ساتھ میسر رہا اور یہ خدا تعالیٰ کی بڑی نعمت تھی خاص طور پر موجودہ دور میں تو یہ نعمت اور بھی غنیمت ہے جب کہ مادی اغراض نے رشتوں کی پہچان ہی بھلا دی ہے یہ یادیں اس وقت تک نامکمل ہیں جب تک کہ جدید صحافت کے بانی اور روزنامہ مشرق کے مونس جناب عنایت اللہ مرحوم کو یاد نہ کیا جائے عنایت اللہ صاحب کی شخصیت اخباری صنعت سے متعلق ہر فرد کے لئے ایک مشعل کی حیثیت رکھتی ہے مرحوم نے شبانہ روز محنت اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے صحافت کو جو رفعت بخشی ہے صرف قابلِ داد ہی نہیں بلکہ قابلِ تقلید بھی ہے گلزار صاحب ان کے دستِ راست تھے۔

گلزارِ ہست و بود

محمد راشد شیخ

پیشے کے اعتبار سے سول انجینئر ہیں۔ پاکستان کی بیشتر شاہراہوں پر پلوں کی تعمیر کی خدمات انجام دے چکے ہیں۔نہایت حلیم الطبع اور ادبی ذوق کے حامل محمد راشد شیخ صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن ہیں۔علم دوستوں کا وسیع حلقہ رکھتے ہیں۔ دنیا بھر میں خطاطی پر ہونے والے کام پر گہری نظر ہے۔اس فن پر بے پناہ دلچسپی کے باعث برصغیر اور عالم اسلام کے خطاطوں کے فن اور ان کے سوانحی خاکوں پر مشتمل ایک بے نظیر کتاب ''تذکرہ خطاطین'' لکھ چکے ہیں۔ جسے عالمِ اسلام میں بے پناہ پزیرائی حاصل ہوئی۔اب تک اس کے دو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔علم و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔گم گشتہ ادب کے دلدادہ اور کئی پرانی کتابوں کی از سر نو طباعت کروا کرنئی زندگی بخش چکے ہیں۔شریف گلزار صاحب سے گہری عقیدت اور اخباری دنیا میں ان کی خدمات کے معترف ہیں۔ ذیل میں انہوں نے شریف گلزار کے بارے میں جو اظہارِ خیال کیا وہ نذرِ قارئین ہے۔

علامہ اقبال کا ایک معروف شعر ہے

گلزارِ ہست و بود نہ بیگانہ وار دیکھ
ہے دیکھنے کی چیز اسے بار بار دیکھ

حقیقت یہ ہے کہ اس عالم ہست و بود میں بہت کم صاحبان کمال ایسے ہوتے ہیں جن کے فنی کمالات کو بار بار دیکھنے سے بھی سیری نہیں ہوتی۔ماضی قریب کے نامور خطاطوں میں ایسی ہی ایک اسم با مسمیٰ شخصیت جناب شریف گلزار کی تھی۔جناب شریف گلزار یا مختصراً گلزار صاحب نہ صرف ایک باکمال خطاط تھے بلکہ پاکستانی اخبارات کے پہلے آرٹ ایڈیٹر بھی۔آج کے رنگارنگ اخبارات اور رسائل کے قارئین میں بہت کم اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ فنِ تزئین یا لے آوٹ کو اردو اخبارات و رسائل میں رواج دینے اور خوب سے خوب تر بنانے کا اولین سہرا گلزار صاحب ہی کے سر ہے۔انہوں نے ہی سب سے پہلے 1957ء میں روزنامہ کوہستان میں عنایت اللہ مرحوم کی رہنمائی میں سب سے پہلے علیحدہ آرٹ سیکشن قائم کیا اور اس اخبار کے پہلے چیف آرٹ اور خطاط اعلیٰ (چیف کیلیگرافسٹ) مقرر ہوئے۔اس کے بعد گلزار صاحب کا یہ فنی سفر برابر جاری رہا اور روزنامہ مشرق لاہور، کراچی، کوئٹہ، پشاور اور ہفت روزہ مشرق لندن اور ہفت روزہ اخبارِ خواتین کو آپ اپنے فن سے گل و گلزار کرتے رہے۔آپ کے فنی کمالات کا اس سے بڑا اعتراف کیا ہوگا کہ بانی مشرق عنایت اللہ مرحوم کہا کرتے تھے کہ اگر مجھے شریف گلزار کا ساتھ میسر ہو تو میں جنگل میں بیٹھ کر اسے بھی گل و گلزار بنا سکتا ہوں۔

شریف گلزار فن خطاطی میں خلیفہ احمد حسین سہیل رقم (وفات:۹ر نومبر ۱۹۸۰) کے شاگرد تھے۔سہیل رقم کے استاد خطاط مشرق اور لاہوری طرز نستعلیق کے موجد عبدالمجید پرویں رقم تھے۔اس طرح فن خطاطی میں گلزار صاحب پرویں رقم کی طرز کے پیروکار اور اس دبستان خط کے نامور خطاط

تھے۔ یہ بات ہمارے لیے حیران کن ہے کہ فن تزئین یا Layout میں وہ کسی نامور شخصیت کے شاگرد نہیں تھے بلکہ اپنی اجتہادی صلاحیتوں کو کام میں لا کر انھوں نے نت نئے کامیاب تجربات کیے اور ان کی اختراعات کو قبولِ عام کا درجہ ملا۔ یہ بات درست ہے کہ گلزار صاحب اس مقصد کی خاطر دو مرتبہ برطانیہ بھی گئے اور اخباری تزئین اور میک اپ کے کورس بھی مکمل کیے لیکن جاننے والے جانتے ہیں یہ فن خالصتاً تخلیقی نوعیت کا ہے اور جس شخص میں تخلیقی صلاحیت نہ ہو وہ نت نئے کامیاب تجربات نہیں کر سکتا۔ اس کے علاوہ یہ بھی حقیقت ہے کہ انگریزی اور اردو اخبارات و رسائل کے Layout میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ اردو اخبارات و رسائل کا مزاج سمجھنا اور اس کے مطابق خوبصورت اور جاذبِ نظر لے آؤٹ تیار کرنا کوئی آسان کام نہیں۔

گلزار صاحب کی شخصیت کا ایک اور پہلو بھی راقم کی نظر میں کم اہمیت کا حامل نہیں۔ وہ یہ کہ وہ خود تو ایک باکمال خطاط اور آرٹ ایڈیٹر تھے ہی لیکن اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو استعمال کر کے انہوں نے شاگردوں کی ایک ایسی جماعت تیار کی جو گزشتہ پچاس برسوں سے برابر فنی کمالات پیش کر رہی ہے۔ گلزار صاحب کے نامور تلامذہ میں جن جن سے ملاقاتوں کے مواقع راقم کو حاصل ہوئے ان میں جناب حبیب الرحمان صاحب، محمد یعقوب مرحوم،

عبدالرشید شاہد، محمد راشد شیخ اور محمد اسماعیل سلفی

عرفان احمد خان صاحب، محمد اسماعیل سلفی صاحب اور عبدالرشید شاہد شامل ہیں۔ ان تمام شاگردوں میں اگر کسی ایک شاگرد کا انتخاب کرنا ہو تو راقم کی نظر میں وہ شاگردِ رشید صرف اور صرف عبدالرشید شاہد صاحب ہی ہوں گے۔ رشید صاحب نے گلزار صاحب کی رہنمائی میں فن تزئین یا Layout کے باریک نکات جس طرح سیکھے اور گزشتہ کئی دہائیوں سے جس خوبصورتی اور فنکارانہ کمال کے ساتھ وہ فنی کمالات کا اظہار کر رہے ہیں یہ بجائے خود ایک کتاب کا موضوع ہے۔ فن خطاطی اور تزئین کے میدانوں میں بلند مقام حاصل کرنے کے باوجود رشید شاہد صاحب آج بھی 'جائے استاد خالی است' کے مقولے پر عمل پیرا ہیں جس کا تازہ ثبوت اور استاد سے عقیدت کا اظہار پیشِ نظر خوبصورت کتاب ہے۔

اردو کے نامور شاعر استاد ذوق کا ایک شعر ہے:

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

گلزار صاحب، ان کے شاگردوں خصوصاً عبدالرشید شاہد کے فنی کمالات دیکھ کر اس شعر کو یوں لکھنے کو دل چاہتا ہے:

رہتا ہے فن سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے رہے یہی دو پشت چار پشت

پیشِ نظر کتاب محض ایک فنی کتاب ہی نہیں بلکہ عشق و محبت کے سفر کا حاصل اور ایک عظیم استاد کو ایک باکمال شاگرد کا خراجِ عقیدت بھی ہے۔ آج جبکہ ہمارے معاشرے میں اعلیٰ اخلاقی اقدار کمزور ہوتی جا رہی ہیں اور خود غرضی اور مطلب پرستی کا دور دورہ ہے، ایسے ماحول میں اپنے مرحوم استاد کی خدمات کو محفوظ کرنے کا یہ عمل یقیناً قابلِ تقلید ہی نہیں قابلِ تحسین بھی ہے۔ آخر میں کتاب کے مرتب جناب عبدالرشید شاہد صاحب کے لیے دعا گو ہوں کہ: اللہ کرے زورِ قلم اور زیادہ

محمد راشد شیخ مولف "تذکرہ خطاطین"

عبدالرشید قریشی

جناب عبدالرشید قریشی نے 27 مارچ 2004ء کو روزنامہ جرأت میں شریف گلزار صاحب کو خراج عقیدت پیش کیا۔

جدید فنِ خطاطی کا معمار

شریف گلزار! خطاطی کی دنیا میں ایک منفرد نام! جو آج ہم میں نہیں ہیں، ان کا نام آتے ہی ہم تقریباً چالیس سال پرانے اپنے اس اخباری دور میں چلے جاتے ہیں جب پورا اخبار خوش نویس ہاتھ سے لکھا کرتے تھے۔ چونکہ شریف گلزار مرحوم کی ساتویں برسی کل منائی جارہی ہے اوران کی رفاقت میں گزارے ہوئے تیس (30) سالوں کا ایک ایک پل ہماری نظروں کے سامنے فلم کے ایک فیتے کی طرح چل رہا ہے ان کے ساتھ گزرے ہوئے لمحات جیسے ابھی کل ہی کی بات ہو۔۔! ہم نے اپنی ملازمت کا آغاز روزنامہ کوہستان سے کیا جو مشہور ادیب اور ناول نگار نسیم حجازی کی ادارت میں شائع ہوتا تھا اور جس کے چیف ایڈیٹر عنایت اللہ مرحوم جو بعد میں روزنامہ مشرق کے بانی کہلائے تھے۔ ان کے رفقائے کار میں ابو صالح اصلاحی مرحوم، یکین احسن کلیم مرحوم، ضیاء الاسلام انصاری مرحوم، نذیر حق، اقبال زبیری مرحوم، عالی رضوی مرحوم، ریاض بٹالوی مرحوم، شریف گلزار مرحوم، اور حبیب الرحمٰن تھے، جو اس وقت روزنامہ جرأت کے آرٹ ڈائریکٹر ہیں اور یہ نام اخباری صنعت میں ایک بہت بڑا مقام رکھتے ہیں۔

ہمیں روزنامہ کوہستان میں وابستہ ہوئے ابھی ایک سال ہی ہوا تھا کہ، دفتر میں شور برپا ہوگیا کہ عنایت اللہ صاحب نے نسیم حجازی صاحب کو اپنا استعفیٰ پیش کردیا ہے۔ تمام کارکن پریشانی کے عالم میں یہ معلوم کرنے کی کوشش کررہے تھے کہ آخر کن وجوہ کی بنا پر عنایت اللہ صاحب از خود مستعفی ہوئے ہیں۔۔! ابھی تمام کارکن اسی کشش وپنج

میں تھے کہ خبر آ گئی کہ شریف گلزار صاحب نے بھی اپنا استعفیٰ دے دیا ہے۔ یہ بھید یوں کھلا کہ روزنامہ کوہستان کو ایک سال میں اچھا خاصا منافع ہوا جس پر عنایت صاحب نے نسیم حجازی سے کہا کہ یہ منافع چونکہ کارکنوں کی شب و روز محنت کا نتیجہ ہے اس لئے انہیں اس سے بونس دیا جائے۔! لیکن نسیم حجازی صاحب نے عنایت صاحب کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔! عنایت اللہ صاحب کا یہ وصف تھا کہ وہ اصول کے پکے اور کارکنوں کے مفادات کے لئے ہر پہاڑ سے ٹکرا جایا کرتے تھے۔! کارکنوں کے علم میں جب یہ بات آئی کہ عنایت صاحب اور شریف گلزار صاحب نے کارکنوں کے مفاد کی خاطر استعفے دیئے ہیں تو یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح لاہور اور ملتان کے دفاتر میں پہنچ گئی اور چوبیس گھنٹے کے اندر اندر دونوں اسٹیشنوں سے تقریباً دو سو تیس کارکنوں کے استعفے نسیم حجازی صاحب کی میز پر پڑے تھے۔! اس صورتِ حال سے نسیم حجازی صاحب پریشان ہو گئے۔۔! مختصراً یہ کہ تقریباً آٹھ ماہ بعد روزنامہ کوہستان تقریباً بند ہو گیا۔! وہ اس لئے کہ اخبار کی اشاعت میں ایک ٹیم کا بھرپور کردار ہوتا ہے اور یہ ٹیم عنایت اللہ مرحوم کی قیادت میں کوہستان سے باہر آ چکی تھی۔۔!

اس کے بعد عنایت اللہ صاحب کی اس ٹیم نے روزنامہ مشرق کا آغاز کیا اور پھر مشرق نے جو اپنا مقام بنایا اس کے قاری آج بھی اس اخبار کو یاد کرتے ہیں۔ اس اخبار کی یادیں آج بھی ہمیں جھنجھوڑ کر رکھ دیتی ہے۔۔! روزنامہ مشرق اپنے عروج کے زمانے میں ہر کارکن کو چار سے چھ بونس کی ادائیگی کیا کرتا تھا۔۔! ہمارے شعبہ اشتہارات کے منیجر ظفر شاہ صاحب مرحوم کو لوگ اخبار میں اشتہار کی اشاعت کے لئے کہتے کہ شاہ صاحب ہمارا اشتہار صبح کی اشاعت میں لگا دیں تو ظفر شاہ صاحب کہتے کہ ایک ہفتہ تک اخبار کی جگہ بک ہے لہٰذا اشتہار چھ روز بعد شائع ہوگا۔۔! یہاں تک کہ لوگ اپنے اشتہار کی اشاعت کے لئے سفارشیں لایا کرتے تھے۔۔! لیکن ہماری گنہگار آنکھوں نے اسی ظفر شاہ کو لوگوں کے پاس جا کر اشتہار مانگتے بھی دیکھا۔۔! ہم نے تیس سالوں میں روزنامہ مشرق کے عروج و زوال کے جس دور کو دیکھا، شاید کہ کسی کارکن نے اپنے ہاتھ سے لگائے ہوئے پودے کو اپنے سامنے ہی گرتے دیکھا ہو۔۔! بہر حال بات ہو رہی تھی اس درخت کی ایک شاخ شریف گلزار مرحوم کی۔۔!

انہوں نے فنِ خطاطی کو ایک نئی جہت بخشی اور زمین پر بیٹھ کر خطاطی کرنے والوں کو میز کرسی پر بٹھایا۔۔! وہ اخبار کی ہیڈ لائن لکھا کرتے تھے اور ایک ہی نشست میں وہ مختلف ڈیزائن کی سرخیاں لکھ جایا کرتے تھے۔! شریف گلزار صاحب کی خطاطی میں اس قدر روانی

کراچی: فاروق پراچہ، حسن رضا خان اور شریف گلزار، سنڈے مشرق تیار کرتے ہوئے جنہوں نے ڈیڑھ لاکھ کی اشاعت کا ریکارڈ قائم کیا

علی اختر رضوی، شریف گلزار، علی حسن خان، عنایت اللہ، ریاض بٹالوی، محمد انور، ایم کلیم۔ ارشاد احمد خاں

تھی کہ جو الفاظ لکھ دیتے تھے ان پر دوبارہ قلم پھیرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔۔! وہ اخبار جو شریف گلزار صاحب نے اپنی ٹیم کے ساتھ پنجاب کا سب سے بڑا اخبار بنایا جس کے اثاثے آج کروڑوں روپوں کی صورت میں موجود ہیں۔۔! مشرق کی مضبوط حیثیت کو دیکھتے ہوئے اس وقت کے صدر ایوب خان نے محترمہ فاطمہ جناح کے مقابلے میں انتخاب لڑنے سے قبل حکومتی تحویل میں لیتے ہوئے نیشنل پریس ٹرسٹ قائم کر دیا جس کے تحت پاکستان ٹائمنز، امروز، اور مشرق شائع ہوتے رہے۔

جب سیاست کا شکار ہوتے ہوئے روزنامہ مشرق کا زوال شروع ہوا تو عنایت اللہ صاحب تو اپنی علالت کی وجہ سے انتقال کر گئے۔! اس کے بعد مشرق کی حالت زار دیکھتے ہوئے شریف گلزار صاحب پر فالج کا حملہ ہوا جس سے ان کا ایک ہاتھ اور بازو ناکارہ ہو گیا اور وہ شریف گلزار جو ہاتھوں سے لفظوں کے موتی پرویا کرتے تھے، معذوری کی حالت میں اپنے بیٹے ڈاکٹر جاوید گلزار کے کلینک پر بیٹھ کر زندگی کے دن پورے کرنے لگے۔۔! پھر ایک روز ہم نے اخبارات میں یہ خبر پڑھی کہ ''مشہور خطاط شریف گلزار انتقال کر گئے'' اس طرح جدید خطاطی کا ایک باب ختم ہو گیا۔۔! روزنامہ مشرق بتدریج زوال پذیر ہوتا گیا۔۔! آخر کار وہ دن بھی آ گیا جب ہم نے مشرق کے چڑھتے سورج کو کچھ اپنوں اور حکومتی کرداروں نے ایسا غروب کیا کہ وہ دوبارہ طلوع نہ ہو سکا۔۔! مشرق کو نوچ نوچ کر کھانے والے آج عیش و آرام کی زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن جن لوگوں نے روزنامہ مشرق کو اپنے خون سے سینچا، وہ اسی اخبار کا دکھ اپنے سینے میں لئے ہوئے منوں مٹی کے نیچے دفن ہو چکے ہیں۔۔!

اس ادارے سے وابستہ خاندان کے سربراہ شریف گلزار کی طرح آج اس دنیا میں نہیں ہیں۔! یہ ادارہ ٹیم ورک کی ایک بہترین مثال تھا کہ معمولی کرائے کی بلڈنگ سے شروع ہونے والا یہ ادارہ آج کروڑوں کے اثاثوں کا مالک ہے۔! یہ اثاثے عنایت اللہ مرحوم، اقبال زبیری مرحوم، اور شریف گلزار صاحب مرحوم کی محنت شاقہ کے ہی مرہون منت ہیں۔۔! آج جب شریف گلزار صاحب کی ساتویں برسی منائی جا رہی ہے، ہم اپنے اس محترم ساتھی کی برسی پر ان کے اہلِ خانہ کے غم میں برابر کے شریک ہیں اور خالق کائنات سے دعا گو ہیں کہ وہ شریف گلزار مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور انہیں روزِ قیامت حضور نبی کریم ﷺ کی شفاعت سے بہرہ مند فرمائے۔ آمین۔

ان اللہ علیٰ کل شی قدیر

خط نستعلیق کا ایک طغرہ

شریف گلزار صاحب کی خطاطی کا ایک شاہکار

عبدالرشید شاہد

صریرِ خامہ کا موسیقار

یہ 1960ء سے 1962ء کا دورانیہ تھا کتابت سیکھے ہوئے کئی سال گذر چکے تھے ان دنوں روزنامہ ''آفاق''اوراس کے بعد سعادت خیالی کے روزنامہ'' حالات'' میں کام کرنے کے دوران ہی اس بات کا احساس ہوا کہ جب تک کسی بڑے استاد سے ٹریننگ نہ لی جائے بات نہیں بنے گی یہ خیال اتنی شدت اختیار کرگیا کہ روزنامہ ''حالات'' میں ڈیوٹی کے دوران جب کھانے کا وقفہ ہوا تو میں روزنامہ کوہستان کے دفتر پہنچ گیا وہاں بھی ڈاک کی کاپی جا چکی تھی اور کھانے کا وقفہ تھا میرے ایک جاننے والے محمد یعقوب صاحب (مرحوم) مل گئے انہیں میں نے اپنی غرض وغایت بیان کی تو انہوں نے کہا کہ جب تک اچھے خطاط نہیں بن جاتے اس وقت تک آپ کی کسی اچھے اخبار میں ملازمت کی خواہش پوری نہیں ہوسکتی۔ میں نے انہیں اپنا کتابت شدہ میٹر دکھایا جو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ ان کے چہرے پر پہلے تو اطمینان کی جھلک دکھائی دی اس کے بعد ان کے کشادہ ماتھے پر سلوٹ ابھری اور وہ کسی گہری سوچ میں چلے گئے۔ ایک منٹ اسی کیفیت میں رہے۔ اس کے بعد وہ اچانک اُٹھے اور کچھ بغیر بتائے دفتر کے اندرونی حصے میں چلے گئے پانچ منٹ کے بعد دوبارہ نمودار ہوئے تو ان کے ساتھ سوٹ میں ملبوس، وجیہہ، بارعب اور نہایت ہی پُر وقار شخصیت میرے رُوبرُو آئی بالکل وہی کیفیت تھی کہ ''وہ آیا اس نے دیکھا اور فتح کرلیا'' میں فوری طور پر سمجھ گیا کہ یہی شریف گلزار صاحب ہیں میں نے بڑی عقیدت سے ہاتھ بڑھایا اور انہوں نے بڑی ہی محبت سے میرا ہاتھ تھام لیا۔ آج بھی میں اس کیفیت کو نہیں بھولا جب بھی وہ لمحہ یاد آتا ہے تو ایک سرور کی کیفیت

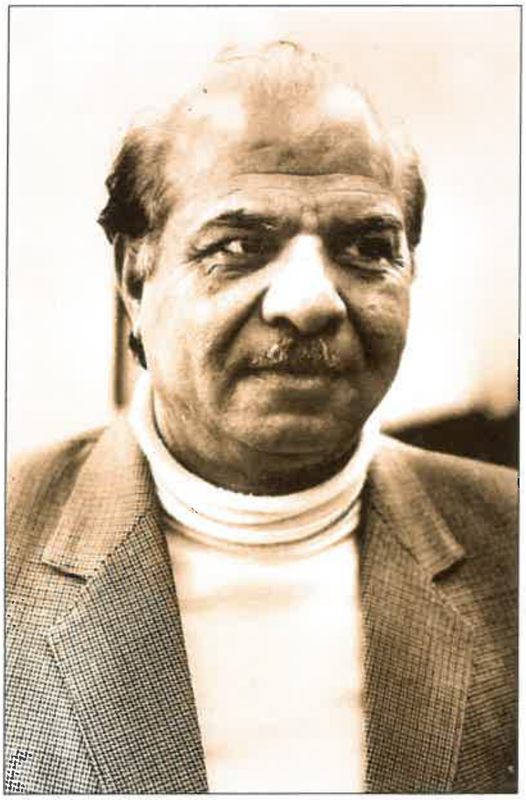

طاری ہوجاتی ہے اور دل عقیدت سے بھر جاتا ہے۔

اس زمانے میں شریف گلزار صاحب کا بہت شہرہ تھا انہوں نے اخبارات کو خطاطی اور لے آؤٹ میں ایک نئی جہت عطا کی تھی بس میرے ذہن نے کہا کہ یہی آدمی میرا مطلوب ہے اور یہیں سے مجھے کچھ مل سکتا ہے۔

یعقوب صاحب نے تعارف کرایا اور میرے آنے کا مقصد بھی بتایا تو انہوں نے کہا کہ وقت بدل چکا ہے۔ خوشنویس بوریا سے تخت نشین اور تخت سے میز کرسی پر آ گیا ہے اگر آپ ذہنی طور پر ترقی کے

دھارے میں شامل ہونے کے لئے تیار ہیں تو آجایئے۔ میں اس کے لئے پہلے ہی تیار تھا بلکہ میز کرسی پر کتابت کرنے کی پریکٹس بھی کر چکا تھا لہٰذا میں نے فوری حامی بھرلی۔ فرمانے لگے کہ پھر کل کا انتظار مت کریں ابھی سے بیٹھ جایئے۔ لہٰذا میں بیٹھ گیا۔ لیکن کیفیت یہ تھی کہ گلزار صاحب سے اس چھوٹی سی ملاقات کی لہر، میرے رگ وپے میں داخل ہو چکی تھی یعقوب صاحب نے مجھ سے کئی خبریں لکھوائیں اور گلزار صاحب کے پاس پہنچ گئے ۔ تھوڑی دیر بعد گلزار صاحب نمودار ہوئے اور فرمانے لگے کہ کل سے آپ باقاعدہ ڈیوٹی پر آجائیں۔ یہ 1963ء کا واقعہ ہے یہ میری ان سے پہلے ملاقات تھی اور اس ملاقات نے مجھے اتنا مسحور کر دیا کہ رات کا باقی حصہ اسی کیفیت میں گزر گیا کہ نیند کا دور دور تک پتہ نہ تھا، صبح ہوگئی، نماز کے بعد ہاکر کا انتظار تھا جیسے ہی اخبار والا آیا ''کوہستان'' خریدا اور اپنی لکھی ہوئی خبریں دیکھیں تو بہت اطمینان ہوا کہ ایک بڑے اخبار میں میرا کام شائع ہوا ہے۔

ٹریننگ

گلزار صاحب ان دنوں اخبار کے خط کو ایک مخصوص انداز میں بنانے کے لئے کوشاں تھے۔ خطاطی کی لمبائی کو اس طرح کنٹرول کیا جائے کہ اسپیس ضائع نہ ہو اور اخبار میں موجود سطور کو بڑھا دیا جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ مواد دیا جاسکے اس مقصد کے لئے انہوں نے نوجوان خوش نویس حضرات کو اکٹھا کیا اور ان کی تربیت شروع کی ان میں بھی شامل تھا۔ ''ک'' کے کشک کو چھوٹے کروائے ''م'' کی لمبان کو ذرا اونچا اور کم کیا اور دائروں کو تھوڑا سا گولائی میں کر دیا یہ ایک باقاعدہ ٹریننگ تھی۔ ڈیوٹی کے دوران کم از کم تین مرتبہ کتابت چیک ہوتی تھی اور مطلوبہ معیار نہ ہونے پر کتابت شدہ خبریں پھاڑ بھی دی جاتی تھیں حتیٰ کہ بعض بدخط اور لاپرواہی برتنے والے لڑکوں کو سزا بھی ملتی تھی۔

اس ماحول میں کئی لڑکے بھاگ بھی جاتے تھے لیکن گلزار صاحب ان کو واپس بلاتے تھے اور بڑی شفقت آمیز ڈانٹ پلاتے تھے لیکن

کراچی خوشنویس یونین کے انتخاب کے موقع پر درمیان میں ہار پہنے ہوئے جناب شریف گلزار، نسیم الحق عثمانی، قطب الدین (صدر خوشنویس یونین) احمد خان اعوان، (کھڑے ہوئے) احمد اللہ، اشرف فاروقی، محمد اسلم، شوکت حسین، تصویب حسین، رشید نقی، محمد اسماعیل سلفی، عبدالرشید شاہد اور رشید رشیدی

میں محسوس کرتا تھا کہ یہ جو کچھ ہو رہا ہے ایک نہایت اعلیٰ مقصد حاصل کرنے کے لئے ہو رہا ہے حالانکہ میں بھی اس وقت بالکل نوجوان تھا اور اسی ماحول میں تھا لیکن اس بات سے کبھی نہیں گھبرایا کہ پتہ نہیں میرے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ گلزار صاحب کے جو خاص شاگرد تھے گلزار صاحب انہیں نام لے کر مخاطب کرتے تھے اور جو ان کے صرف ورکر تھے انہیں ''جی''،''صاحب'' نام کے ساتھ ملا کر مخاطب کرتے تھے انہوں نے مجھے بھی رشید صاحب کہہ کر مخاطب کیا جو کہ میں بالکل نہیں چاہتا تھا، میں چاہتا تھا کہ صرف میرا نام لے کر مخاطب کریں۔ میرے دل پر ایک گھونسا سا لگا تھا کہ آخر یہ مجھے اپنے شاگردوں میں شامل کیوں نہیں کرتے۔ میں نے اپنی طرف سے جی جان کر محنت کی تا کہ ان کے دل میں جگہ بنا سکوں مگر یہ موقع نہیں آیا۔

اس ماحول میں عجیب عجیب رنگ دیکھے، کچھ لوگ سفید ایپرن پہنے ادھر ادھر گھومتے ہوئے نظر آئے کھلے کھلے سے چہرے اور ذہانت ان کے بشرے سے پھوٹی پڑتی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اخبار کے دفتر میں ڈاکٹروں کا کیا کام، ان کو تو کسی اسپتال میں ہونا چاہئے لیکن یہ پتہ چلا کہ یہ لوگ آرٹ ایڈیٹر ہیں، اخبار کو لے آؤٹ دینے اور بنانا سنوارنا انہیں کا مرہون منت ہے۔

اخبار لیتھوگرافی سے وڈ انک (بٹر پیپر) پر آچکا تھا جس سے اس کی خوبصورتی میں اضافہ ہو رہا تھا اس میں نئے نئے تجربات ہو رہے تھے، تصاویر کو بلاک سسٹم سے ہٹا کر فلم پر منتقل کیا جا رہا تھا، اس مقصد کے لئے روزانہ کام شروع کرنے سے پہلے ایڈیٹر صاحب کی صدارت میں جنرل پروموشن سیکشن کی ایک میٹنگ ہوتی تھی اس میں اخبار کی خبروں کے علاوہ اس کے حسن و قبح سے متعلق ڈسکس کی جاتی اور کسی نئے طریقہ کو اختیار کرنے سے پہلے بحث ہوتی تھی۔ پتہ چلا کہ عنایت اللہ صاحب ان کو لندن کے اخبارات منگوا کر دیتے تھے اور ان اخبارات کے مطالعہ کے بعد ان پر اچھی طرح غور خوض کرنے کے بعد قابلِ عمل حصوں پر عمل ہوتا تھا اس دوران پراسس اور پرنٹنگ پر بھی مشورے ہوتے تھے ان کے ماہرین کو میٹنگ میں بلایا جاتا تھا۔ وہ ماہرین ممکنہ حدود بتاتے تھے اور انہیں بہتر کرنے کے لئے کہا جاتا تھا اس کے لئے انہیں تجربات بھی کرنے پڑتے تھے اس سلسلے میں دوسرے پرنٹنگ پریس سے بھی اگر ٹیکنیکل مدد لینی پڑتی تو حاصل کی جاتی۔ پراسس کے لئے مختلف اسکرینوں پر تصویریں بنانے کے لئے تجربات کرتے تھے اور چھپنے کے بعد ان کا دوبارہ جائزہ لیا جاتا خود عنایت اللہ صاحب اس میں بے پناہ دلچسپی لیتے تھے۔ بلکہ یہ سب انہیں کے ایماء پر ہو رہا تھا اور لندن جاتے تو اخبار میں استعمال ہونے والی چیزیں لے کر آتے گلزار صاحب انہیں اس مہارت سے استعمال کرتے کہ عقل دنگ رہ جاتی شریف گلزار صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے اخبار میں سرخیوں کو ریورس اور اسکرین کے استعمال کو شروع کیا جس سے اخبار کو ایک نیا روپ ملا، اور ہر خبر نے اپنی انفرادیت بنالی۔ اس کے علاوہ نہایت دلچسپ اور بہت اہم خبروں کو باکس آئٹم سے مزین کیا گیا، قاری باکس آئٹم کو سب سے پہلے پڑھتا تھا اور باکس اس بات کی علامت ہوتا تھا کہ یہ خبر نہایت دلچسپی کی حامل ہوگی۔

لباس پر توجہ

خوش نویس اور آرٹ ایڈیٹر صاحبان جہاں اپنی ٹریننگ سے گذر رہے تھے وہاں انہیں ایک صاف ستھرا اور ویل ڈریس ہونے کی تربیت بھی دی جاتی تھی۔ گلزار صاحب خود بھی نہایت جامہ زیب اور خوبصورت لباس پہنتے تھے وہاں اپنے ورکرز کو بھی اس بات کا پابند کرتے کہ بال بڑھے ہوئے نہیں ہونے چاہئیں، ناخن ترشوائے جائیں اور جن لوگوں کی داڑھیاں نہیں تھیں ان کے لئے ضروری تھا

تو بکار کسی نمی آئی

بکنار کسی نمی آئی

بچہ اُمّید می توان مُردن

بمزار کسی نمی آئی

گلزار ـــ ۱۹۷۲ء

کہ وہ روزانہ شیو بنوا کر آئیں اس پر بڑی سختی سے عمل کرواتے اور عنایت صاحب اس سے زیادہ سخت رویہ اختیار کرتے تھے۔"ایک دن ایک صاحب بغیر شیو کے دفتر آ گئے، ابھی تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ عنایت صاحب کی نظر پڑ گئی۔ انہوں نے گلزار صاحب سے کہا کہ فلاں آدمی شیو بنا کر نہیں آیا گلزار صاحب نے پہلے تو آ کر خود چیک کیا پھر انہیں نہ جانے کیا سوجھی کہ ایک خالی ٹوکری جس میں کام کا سامان رکھا ہوتا تھا خالی کر کے لے آئے اور ایک لڑکے کے ہاتھ میں تھما دی اور شعبہ کتابت میں آ گئے اور فرمانے لگے کہ ہر آدمی اس ٹوکری میں ایک ایک آنہ ڈالتا جائے کیونکہ فلاں صاحب کے پاس آج شیو کے پیسے نہیں ہیں۔ اب ہر آدمی کی نظریں اس آدمی پر پڑیں، لڑکوں نے دھڑا دھڑ جیب سے پیسے نکال کر ٹوکری میں ڈالنے شروع کر دیئے۔ ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ وہ صاحب اٹھے اور دفتر سے بھاگ گئے کوئی گھنٹہ بھر بعد واپس آئے تو نہ صرف شیو بنا ہوا تھا بلکہ صاف ستھرا ڈریس بھی پہنے ہوئے تھے"۔

اس واقعہ کا اتنا اثر ہوا کہ وہ صاحب کبھی بھی صاف ستھرے ہوئے بغیر کبھی دفتر نہیں آئے اور دوسروں نے بھی ان سے عبرت پکڑی، اس واقعہ کا بہت عرصے تک چرچا رہا اور لڑکے ایک دوسرے کو خود ہی متنبہ کرتے تھے کہ یار آج تمہارے کپڑے ذرا میلے ہیں اس پر توجہ دیا کرو۔ عنایت اللہ صاحب اور شریف گلزار صاحب خود بھی بہت خوش لباس تھے اور دوسروں سے بھی یہی توقع رکھتے تھے ان کا کہنا تھا کہ جو آدمی خود اپنے آپ پر توجہ نہیں دیتا وہ اخبار کو خوبصورت کیسے بنائے گا۔

اس قسم کا ایک اور واقعہ مجھے یاد ہے۔"کراچی میں مشرق کے دفتر میں عنایت اللہ صاحب مین گیٹ کے سامنے بیٹھ جاتے تھے اور آنے والے کارکنوں کو بغور دیکھتے رہتے تھے ایک دن حسب معمول عنایت اللہ صاحب بیٹھے تھے کہ ایک صاحب دفتر میں داخل ہوئے۔ عنایت صاحب نے ان کو بلا لیا ان کو سر سے پیر تک بغور اوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر تک دیکھا فرمانے لگے" آج تو اخبار بہت ہی خوب صورت بنے گا" اس کے چہرہ پر مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ صاحب خوشی خوشی اپنے ساتھیوں کو عنایت اللہ صاحب کے ریمارکس سنانے لگے۔

شخصیت سازی

1966ء میں اخبارِ خواتین کا اجرا ہوا تو ایک مختصر سی ٹیم لاہور سے کراچی لے کر آئے شاہراہ فیصل جو اس وقت ڈرگ روڈ کہلاتی تھی نرسری کے قریب ایک دفتر حاصل کیا کارکنوں کی رہائش اور کھانے کا انتظام بھی وہیں تھا وہاں بھی انہوں نے خوش لباسی کو بہت اہمیت دی ایک دن فرمانے لگے کہ سب کارکنوں کو بلاؤ سب کے سب پہنچ گئے انہوں نے سب کو لائن سے کھڑا کر دیا۔ گلزار صاحب اور فرہاد زیدی صاحب کو جو اس وقت اخبارِ خواتین کے ایڈیٹر تھے بلایا اور انہیں علیحدگی میں کچھ کہا یہ دونوں صاحبان مسکراتے ہوئے بغور سب کا جائزہ لیتے رہے اور پھر عنایت اللہ صاحب کے پاس واپس پہنچے تھوڑی دیر تک باتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد گلزار صاحب واپس کارکنوں کے پاس آئے اور کہا کہ آج آپ لوگوں کا خوش لباسی کا مقابلہ ہوا ہے اور عنایت صاحب نے کہا ہے کہ آپ دونوں حضرات بغور چیک کریں کہ ان میں کون زیادہ خوش لباس ہے اس میں جو نتیجہ نکلا ہے اور ہماری متفقہ رائے ہے کہ سب لوگوں کا لباس ٹھیک ہے لیکن رشید شاہد اور عرفان صاحب سب سے زیادہ خوش لباس ہیں اس پر بہت تالیاں بجیں۔

مختصر یہ کہ گلزار صاحب اپنے کارکنوں کو فن سے آگاہی تو دے ہی رہے تھے ساتھ ساتھ ان کی نظر ورکروں کی شخصیت کو بنانے میں بھی بہت اہم کردار ادا کر رہی تھی۔

اچھا ماحول

بانی مشرق عنایت اللہ صاحب ایڈیٹر اقبال زبیری صاحب اور شریف گلزار صاحب اس بات پر متفق تھے کہ اخبار کے حالاتِ کار بہتر بنانے کے لئے ضروری ہے کہ کارکنوں کو بہتر سہولتیں مہیا کی جائیں اور مالی طور پر کم از کم اتنا ضرور ہونا چاہئے کہ مہنگائی انہیں پریشان نہ کرے اور آسودگی کے ساتھ اپنا ذہن حاضر رکھ کر کام کرے دفتر میں گھٹن کا ماحول نہیں ہونا چاہیے ۔ لوگ آزادی کے ساتھ اپنی ذمہ داریاں پوری کریں ۔ ماحول کچھ اس طرح کا بن گیا تھا کہ جب کام اپنے عروج پر ہوتا کوئی آدمی بات نہیں کرتا تھا سب اپنے اپنے کام میں لگے ہوتے تھے اور جب فارغ ہوتے تو ہر طرف مذاق اور قہقہے گونجتے تھے۔ یہ ماحول پہلے والے ماحول سے یکسر مختلف ہوتا ۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ یہ وہی دفتر ہے جو چند منٹ پہلے تھا۔

روزنامہ مشرق کا معیار دیکھتے ہوئے دوسرے اخبارات کو بھی اپنا معیار بلند کرنا پڑا انہوں نے بھی اپنے اپنے اخبارات میں غیر معمولی تبدیلیاں کیں، اور یوں مارکیٹ میں لے آوٹ کے اعتبار سے اچھے اور معیاری اخبارات دکھائی دینے لگے۔

کمپیوٹر کی آمد

1987ء میں حالات نے ایک نئی کروٹ لی اور اخباری دنیا میں کمپیوٹر کا عمل دخل شروع ہوا اخبار کا متن اور کچھ سرخیاں بھی کمپیوٹر سے بننے لگیں متن تک تو بہت اچھا لگتا تھا لیکن سرخیاں مزہ نہیں دیتی تھیں، کچھ عرصہ تک جلی سرخیاں ہاتھ ہی سے لکھی جاتی رہیں لیکن بعد میں کمپیوٹر میں نئے پروگرام آئے تو سرخیاں کچھ بہتر ہوگئیں لیکن کتابت شدہ سرخی کا متبادل نہیں بن سکیں لیکن اس سے اتنا ضرور ہوا کہ اخبارات میں ایک نئی جدت دکھائی دینے لگی۔

کمپیوٹر آنے کے بعد خوشنویسوں پر بہت کٹھن وقت آیا گلزار صاحب نے کمپیوٹر آنے کے تقریباً چار سال قبل جب لندن سے کمپیوٹر سے کتابت کے نمونے لائے تو آپ نے اس خطرے سے آگاہ کر دیا تھا۔ انہوں نے کہا تھا کہ ”کمپیوٹر آنے والا ہے اس کی کتابت کے نمونے آپ کے سامنے ہیں آپ لوگ لاکھ مخالفت کریں یہ آ کر رہے گا جو لوگ کمپیوٹر سے اچھی کتابت کریں گے وہی اس پروفیشن میں رہ سکیں گے باقی لوگ اپنا بندوبست کر لیں کمپیوٹر آپ کے لئے نیا چیلنج ہے۔ آپ اس سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کریں تو آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ جن لوگوں کو اس سے دلچسپی کم ہے وہ دوسری راہیں اختیار کریں اس لئے کہ ترقی کو کوئی روک نہیں سکتا آپ لوگ کسی فریب میں نہ آئیں جو لوگ کمپیوٹر کی مخالفت کر رہے ہیں وہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔“

1981ء میں کمپیوٹر آ گیا اخباری لے آوٹ میں بھی تبدیلیاں آئیں لیکن بنیادیں وہی رہیں جو شریف گلزار بنا گئے تھے اور کم و بیش اسی طرح کام ہو رہا ہے، جانے والے چلے گئے لیکن ہمارے لئے رہنما نقوش چھوڑ گئے اور آج بھی تمام اخبارات میں وہی اصول کام کر رہے ہیں۔

اخبار خواتین کا اجرا

اپریل 1966ء میں عنایت اللہ صاحب نے زنانہ صحافت کی بنیاد ڈالی اخبار خواتین کے اجراء کے لئے لاہور سے ایک ٹیم جناب بانی مشرق عنایت اللہ صاحب کی سربراہی میں کراچی آئی جس میں شریف گلزار صاحب، فرہاد زیدی، مسرت جبیں، حمید اللہ خان اور دیگر حضرات شامل تھے، راقم بھی اس ٹیم کے ساتھ کراچی آ گیا تھا بعد میں اور لوگ بھی آئے اور کچھ مقامی طور پر وابستہ ہوئے۔ ان میں علی سفیان آفاقی، ڈاکٹر یاسین رضوی، جو ایران سے پی ایچ ڈی کر کے آئے تھے۔ چار پانچ خواتین بھی اس میں شامل تھیں۔ جن میں شمیم اختر، شین فرخ، ریحانہ ادریس جیسی قابل خواتین شامل ہوئیں۔ بعد

بانی مشرق عنایت اللہ صاحب

میں حسن عابدی صاحب بطورِ ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ غرض کہ اس کارواں نے اپنی محنت اور مسلسل عمل سے اخبارِ خواتین کو ۶۰ ہزار کی اشاعت تک پہنچا دیا جس نے ایوان صحافت کے بڑے بڑے لوگوں کو فکر مند کر دیا اور حسبِ روایت سازشوں کا دور شروع ہوا، لوگوں کو توڑنے کی کوششیں، اخبار کو مارکیٹ سے غائب کروانے کے قبیح ہتھکنڈے استعمال ہونے شروع ہوئے لیکن عنایت اللہ جیسی باوقار شخصیت کے سامنے ان کی سازشیں کامیاب نہ ہوسکیں میر خلیل الرحمٰن نے عنایت اللہ صاحب کو آفر کی کہ یہ آپ نیشنل پریس ٹرسٹ کے لئے اتنی محنت کر رہے ہیں۔ آپ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ ''جنگ'' جوائن کر لیں پھر دیکھیں کہ آپ کو اور آپ کی ٹیم کو کتنے فوائد حاصل ہوتے ہیں عنایت اللہ صاحب نے جواباً کہا: ''آپ فکر مند نہ ہوں یہ بچے کراچی دیکھنے آئے ہیں جب ان کا دل بھر جائے گا تو واپس چلے جائیں گے۔''

شریف گلزار صاحب نے یہاں بھی بہت محنت کے ساتھ اخبارِ خواتین کا لے آؤٹ تیار کیا جو خواتین کے مزاج کے ہم آہنگ تھا۔ لے آؤٹ تیار کرتے وقت نفسِ مضمون کا خیال رکھا جاتا اور اسی مناسبت سے اس کی ہیڈنگ لکھی جاتی تھی جس سے اسٹائلش سرخیوں کا رواج پڑا۔

اخبارِ خواتین اپنے لے آؤٹ اور ہیڈنگ اور پیش کش کے اعتبار سے ایک مکمل خواتین کا اخبار تھا۔ جس میں خواتین کے لئے دلچسپی کے موضوعات اور خواتین کی سرگرمیوں پر رپورٹیں ہوتی تھیں۔ عبدالکریم عابد، ابن انشاء، عبدالسلام خورشید، عرفان غازی جیسے قلمکار اخبارِ خواتین کے لئے لکھتے تھے حتیٰ کہ ایسا بھی ہوا کہ اخبارِ خواتین کے حوالے سے ریڈیو پاکستان خبریں بھی نشر کرتا تھا۔ یہ سب ان لائق فائق لوگوں کی محنت کا ثمر تھا۔

آرزو بر آئی

کئی سالوں کی رفاقت اور سخت محنت کے بعد ایک دن ایسا آیا کہ شریف گلزار صاحب نے اچانک ہی میرا نام لے کر مخاطب کیا گلزار صاحب جن لوگوں کو بہت قریب سمجھتے تھے انہیں نام لے کر مخاطب کرتے تھے جس کا میں ایک مدت سے آرزو مند تھا اس وقت مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے۔ میں اپنے آپ کو اس فن کے لئے وقف کر دیا ان کی کہی ہوئی ہر بات پلے باندھی اور اس پر دل وجان سے عمل کرنے کی کوشش کی۔ مسلسل عمل اور محنت سے شریف گلزار صاحب کو کہنا پڑا کہ کراچی میں جتنی محنت رشید شاہد نے کی ہے اتنی کسی اور نے نہیں کی اور یہی وجہ ہے کہ آج کراچی میں اس کا شہرہ ہے۔

علامہ اقبال سے عقیدت

کراچی میں ہم سب لوگ نرسری کے قریب رہتے تھے وہی ہمارا دفتر تھا اس لئے رات کو کھانے کے بعد مجلس جمتی تھی۔ بظاہر یہ مجلس

گپ شپ کے انداز میں منعقد ہوتی تھی ۔ باتیں اور اچھی باتیں ۔ شخصیات جن میں علامہ اقبال سرفہرست ہوتے تھے ان کے اشعار اوران کامفہوم نہایت دلچسپ انداز میں سناتے تھے۔

خاص طور پر علامہ اقبال کا یہ مکالمہ انہیں بہت پسند تھا جو اکثر مجالس میں سناتے تھے

خدا

جہاں را زیک آب و گل آفریدم
توایران و تاتار و زنگ آفریدی
من از خاک پولاد ناب آفریدم
تو شمشیر و تیر وتفنگ آفریدی
شبیر آفریدی نہال چمن را
قفسِ ساختی طائر نغمہ زن را

انسان

تو شب آفریدی چراغ آفریدم
سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی
خیابان و گلزار و باغ آفریدم
من آنم کہ ازسنگ آئینہ سازم
من آنم کہ اززہر نوشینہ سازم

خطاطوں کا تذکرہ

دنیا کے مشہور خطاط اوران کا فن اور برصغیر میں خطاطی کی ترویج وترقی میں بے مثال کام کرنے والے حضرات کا خصوصی طور پر ذکر کرتے ۔کس طرح آقائے عبدالرشید ویلمی ایران سے برصغیر میں آئے اور انہوں نے یہاں خطاطی کو رواج دیا۔اور کئی شاگردوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کیا۔اس کے بعد دلّی اور لکھنوٗ کے گلستانِ خطاطی کے واقعات سناتے ۔بغداد کا ابن مقلہ ان کا خاص موضوع ہوا کرتا جن کے بارے میں بتاتے کہ:

ابن مقلہ 272 ہجری میں ایران میں پیدا ہوئے بغداد میں علم فقہ، تجوید، ادبیات، اورانشاء پردازی اورخوش نویسی کی تعلیم حاصل کی انہوں نے ان علوم اورفنون میں کمال پیدا کیا کہ چار دانگ ان کی شہرت پھیل گئی ۔خلیفہ مقتدر باللہ نے انہیں شیراز کا گورنر بنا دیا خلیفہ نے امور سلطنت میں ان سے مشورے کے لئے بغداد بلایا بغداد کی درباری سیاست نے انہیں جیل پہنچا دیا خوشنویسی میں خصوصی دلچسپی کے باعث جیل میں خطِ کوفی سے چھ خط ایجاد کئے جن کو خطاطی کی تاریخ میں بنیادی حیثیت حاصل ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کو خطاطی کا باوا آدم کہا جاتا ہے

ابن مقلہ کی رہائی کے بعد حاسدوں کی سازشوں کے باوجود ۳۱۶ ہجری میں وزیر اعظم بن گئے اوراس کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک بڑی تعداد شاگردوں کی تیار کردی ابھی چند ہی برس گذرے تھے کہ خلیفہ نے کسی وجہ سے ناراض ہو کر انہیں برخاست کر دیا اور وہ فارس چلے گئے۔

المقتدر باللہ کے قتل کے بعد القاہر باللہ خلیفہ بنے انہوں نے ابن مقلہ کو فارس سے بلا کر وزارتِ عظمیٰ پر فائز کر دیا لیکن حاسد پیچھا چھوڑنے والے نہیں تھے انہوں نے پھر انہیں برخاست کرا دیا۔لیکن تھوڑے ہی عرصے کے بعد القاہر باللہ معزول کر دیئے گئے اور الراضی باللہ تخت نشین ہو گئے یہ خلیفہ بھی ابن مقلہ کے قدردان تھے انہوں نے ابن مقلہ کو تلاش کروا کر وزارت عظمیٰ کا عہدہ عطا کر دیا۔اس طرح ابن مقلہ تیسری مرتبہ وزیر اعظم بن گئے۔

ابن مقلہ پر پھر زوال آیا انہیں گرفتار کر کے تمام جائداد ضبط کر لی گئی انہوں نے گوشۂ نشینی اختیار کر لی اور کلام پاک کی کتابت میں

فرصت کے لمحات: بانی مشرق عنایت اللہ (لیٹے ہوئے) مولانا کوثر نیازی۔ اقبال زبیری اور شریف گلزار، پکنک مناتے ہوئے کسی بات پر خوشی کا اظہار کر رہے ہیں

مشغول رہنے لگے لیکن مصائب نے پیچھا نہیں چھوڑا۔ بغداد کا امیر، امیر الامراء ابن رائق جو اُن کا قدیم دشمن تھا اپنے ذاتی مفاد پر ابن مقلہ کا دایاں ہاتھ قلم کرا دیا اور انہیں جیل میں بند کر دیا۔

جیل میں ابن مقلہ نے کٹے ہوئے ہاتھ سے قلم باندھ کر لکھنا شروع کیا۔ مختصر عرصہ میں انہوں نے کتابت میں پہلی سی شان پیدا کر لی اور دونوں ہاتھوں سے لکھنے لگے۔ الراضی کے فرمان پر ان کا دایاں بازو اور زبان پھر کاٹ دی گئی کیونکہ وہ فصیح و بلیغ باتیں کرتے تھے اور پھر ان کا سر کاٹ دیا گیا ان کی ہلاکت نے انہیں زندہ جاوید بنا دیا۔

ابن مقلہ نے تین درجوں میں وزارت سے وزارت تک رسائی حاصل کی تین خطوں میں قرآن پاک کی کتابت ایجاد کی جس میں خطِ محقق، ثلث اور نسخ شامل ہیں باقی تین خط علیحدہ ہیں۔ انہوں نے تین خلفاء کا دور دیکھا اور تینوں سے ہی سزا پائی۔

ابوعبید بکری اندلسی کہتے ہیں:

''اگر کوئی شخص ابن مقلہ کا خط دیکھے تو اس کے تمام اعضاء خواہش کریں کہ ہم آنکھیں بن جائیں تاکہ اس کا خط دیکھ سکیں''۔

رات ڈھل چکی تھی گلزار صاحب ابن مقلہ کی داستان بیان کر رہے تھے اور ہم دم بخود ان کی باتیں سن رہے تھے ایسی مجالس کئی دفعہ منعقد ہوئیں اور ایسی ہی باتیں سنائی جاتیں اس طرح وہ اپنے کارکنوں اور شاگردوں کو خطاطی کی تاریخ سے آشنا کراتے۔

کبھی لے آؤٹ پر سیر حاصل بحث ہوتی تھی اور اس کے نشیب و فراز بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کرتے۔ ان کو اس بات کا بہت قلق تھا کہ پڑھے لکھے نوجوان اس شعبے میں بہت کم آتے ہیں ان کا خیال تھا کہ اگر تعلیم یافتہ نوجوان اس طرف متوجہ ہو جائیں تو یہ فن بہت ترقی کر سکتا ہے، اور اس فن میں نئی نئی جہتیں کھولی جا سکتی ہیں۔ اخبارات کی جو اس وقت شکل نظر آ رہی ہے اس میں کتنے ہی ذہین لوگوں کی محنتیں اور دماغ صرف ہوئے ہیں تب جا کر ہم اس منزل پر پہنچے ہیں اور اس کام کو آگے بڑھانے کے لئے تعلیم یافتہ نوجوان، اچھے دماغ اور محنتی

لوگوں کا آنا ضروری ہے۔ یہ مجلس رات گئے تک جاری رہتی اور لوگ اس سے مستفیض ہوتے۔

غیر ملکی ٹیم کی حیرانی

جناب عرفان غازی صاحب روزنامہ مشرق کے ریذیڈنٹ ایڈیٹر ایک ایسی ہی مجلس میں موجود تھے ان کے ہاتھ میں ایک غیر ملکی میگزین تھا۔ ان کا سوال تھا کہ ایسے میگزین ہمارے ہاں کیوں نہیں بن سکتے۔ ان کے سوال کے اندر اخبار کو خوبصورت بنانے کی ایک تڑپ تھی اور یہ تڑپ عنایت اللہ صاحب کی ٹیم کے ہر فرد میں موجود تھی۔ اس وقت کمپیوٹر اور پرنٹنگ کی موجودہ سہولتیں میسر نہیں تھیں۔ گلزار صاحب فرمانے لگے کہ ایسے میگزین بن سکتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اچھے بن سکتے ہیں لیکن ابھی ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں وہ دن دور نہیں جب ہمیں بھی یہ سہولتیں میسر ہوں گی اور ہم انشاء اللہ اس سے بھی اچھے میگزین بنائیں گے اس سلسلے میں انہوں نے ایک واقعہ بتایا کہ ایک غیر ملکی ٹیم پاکستانی اخبارات کے مطالعاتی دورہ پر پاکستان آئی۔ اخبارات کا دورہ کرتے ہوئے جب ہمارے دفتر پہنچی تو انہوں نے بڑی حیرت اور تعجب سے یہ دیکھا کہ پاکستان میں ابھی تک اخبارات کی کتابت ہاتھ سے ہوتی ہے وہ خطاط کو کبھی دائیں طرف سے کام کرتے ہوئے دیکھتے اور کبھی بائیں طرف سے دیکھتے، اور کہتے کہ یہ ناممکن ہے اس ترقی یافتہ دور میں یہ لوگ اس قدر محنت کر کے اتنا خوبصورت اخبار بنا لیتے ہیں۔ انہوں نے ہمارے کام کو نہ صرف سراہا بلکہ بڑے اچھے تاثرات کا بھی اظہار کیا، گلزار صاحب نے کہا، ہمارے پاس ٹیلنٹ ہے مگر وسائل نہیں ہیں جب ہم اس کے حصول میں کامیاب ہو گئے انشاء اللہ ہم دنیا کو حیرت زدہ کر دیں گے مگر افسوس کہ ان کی زندگی نے وفا نہ کی اور ان کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ البتہ ان کے بنائے ہوئے اصول آج بھی ہر اخبار میں کارفرما نظر آرتے ہیں۔

طلبی

1982ء میں ہمارے دفتر کے ساتھیوں نے کراچی یونیورسٹی اور ایک ادبی تنظیم یونی کیرنیز کے لئے میگزین لے آؤٹ کر کے دیئے۔

ریلوے اسٹیشن پر: (دائیں سے بائیں) شریف گلزار۔ عبدالرشید شاہد۔ بھائی محمد حسین (ہیڈ کاتب لاہور)۔ کرامت علی۔ جمشید۔ نسیم الحق عثمانی۔ محمد یوسف اور دیگر

انا مدینۃ العلم و علی بابہا

جب وہ چھپ گئے تو کسی نے یہ دونوں میگزین نیشنل پریس ٹرسٹ کے چیئرمین کو بھجوا دیئے اور ساتھ یہ شکایت لکھی کہ یہ لوگ دفتر کے باہر اتنا اچھا کام کرتے ہیں لیکن ادارہ ان کے اس طرح کے کاموں سے محروم ہے، اس بات پر گلزار صاحب کو طلب کر لیا گیا اور انہیں وہ پرچے دیئے گئے اور کہا کہ یہ کیا معاملہ ہے اس کی تحقیق کریں۔ آپ نے میگزین دیکھے اور نہایت ہی تحمل سے کہا کہ آپ یہ تو تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارے ورکر اچھا کام کر سکتے ہیں۔ ہمارے ادارے میں اس سے بھی زیادہ صلاحیت کے لوگ موجود ہیں لیکن افسوس ہے کہ وسائل کی کمی اور ناروا پابندیوں کے باعث ان کی صلاحیتیں کھل کر سامنے نہیں آ سکتیں جتنی محنت ان لڑکوں نے کام کو سیکھنے کے لئے کی ہے اور جتنا اچھا کام کر سکتے ہیں یہ اس کا عشرِ عشیر بھی نہیں ہے آپ ہمیں وسائل مہیا کریں اور پھر دیکھیں کہ اخبار پر اس سے کہیں زیادہ نکھار آتا ہے کہ نہیں۔

شریف گلزار صاحب نے اخبار کی مختلف جہتوں پر کام کرتے ہوئے معیار اتنا بلند کر دیا تھا کہ یہ سلسلہ اگر جاری رہتا تھا تو دنیا میں اپنے بلند معیار کی وجہ سے پاکستانی اخبارات دنیا بھر میں ممتاز حیثیت اختیار کر سکتے تھے لیکن ان کی بیماری اور اس کے بعد ان کی رحلت کی وجہ سے یہ تسلسل ٹوٹ گیا لگا اور اخبارات کا وہ معیار نہ بن سکا جو اس وقت ہونا چاہئے تھا۔

اول تا آخر تربیت

شریف گلزار نماز کا باقاعدہ اہتمام کرتے۔ کراچی میں قیام کے دوران میں نے انہیں اپنے کمرے میں اکثر اوقات نماز پڑھتے دیکھا۔ اذان کی آواز کے ساتھ ہی اُٹھ جاتے اور فریضہ نماز انجام دیتے، روزہ کی نہایت سختی کے ساتھ پابندی کرتے۔ رمضان میں میں نے اُنہیں کبھی بھی روزے کے بغیر نہیں دیکھا ہمہ وقت خوش دلی کا مظاہرہ کرتے، ایک مسکراہٹ ہمہ وقت ان کے چہرے پر رقصاں رہتی 1984ء میں ان پر فالج نے حملہ کیا بہت علاج معالجہ کروانے کے بعد کچھ بہتری آ گئی تھی اس کے بعد دو سال تک دفتر میں اپنی ذمہ داریاں پوری کرتے رہے اس کے بعد ریٹائرمنٹ لے لی۔ ان کے دوست اور ساتھی برابر ان کی خبر گیری کرتے رہے میں جب بھی کراچی سے لاہور جاتا اُنہیں ضرور ملتا، میں کراچی میں جتنا بھی کام کرتا پرنٹ ہونے کے بعد اُنہیں ضرور بھیجتا، ملاقات ہونے پر میری غلطیوں کی نشاندہی کرتے۔ حتّٰی کہ جن صفحات پر غلطیاں ہوتی تھیں ان کے نمبر تک انہیں یاد ہوتے وہ یہ بھی بتاتے کہ اس کام کو کیسے کرنا چاہئے تھا اس کے اینگل کیا ہونا چاہئے تھا، کہتے تھے کہ لے آؤٹ کرنے سے پہلے مضمون پڑھا کرو اور نفسِ مضمون کے مطابق اس کا لے آؤٹ تیار کرو اور اسی کے مطابق سرخی ڈیزائن کرو۔ ان کے ہاں فن کا اتنا خزانہ تھا کہ ختم ہی نہ ہوتا تھا اور وہ بے دریغ ہم پر لُٹاتے رہتے۔ کبھی بھی تواضع کے بغیر گھر سے جانے نہ دیتے ان کی محبت کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے کہ اسے نظر انداز کیا جائے۔ 1997ء میں ایک دن ان پر دل کا دورہ پڑا اور اپنے ہزاروں سوگواروں کو چھوڑ کر خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

محمد اقبال بھٹہ

شریف گلزار کے قائم کردہ خطّاطی کے ادارے

1-انجمن فروغ خطاطی

یہ ادارہ 1964ء میں شریف گلزار صاحب نے قائم کیا۔ ابتدا میں روزنامہ مشرق کے خطاط اس کے ممبر بنے۔ جن میں حبیب الرحمٰن، محمد اعظم، عرفان احمد، عبدالرشید شاہد، عبدالواحد اور محمد یعقوب و دیگر شامل تھے۔ اس کے لیے اپنی مدد آپ کے تحت فنڈز اکٹھے کئے گئے۔ تاکہ بیرون ملک سے کتابیں منگوا کر اس سے استفادہ کیا جائے۔ اور خطاطی کی ترویج کے ساتھ ساتھ انہیں کاپی جوڑنے اور لے آؤٹ کا فن سکھایا جائے۔ تحقیق کے مواقع فراہم کئے جائیں لیکن کاتبوں کی لاپرواہی اور بے مائیگی کے سبب یہ ادارہ اگرچہ جلد ہی ختم ہو گیا لیکن اپنے اثرات لاہور سے شائع ہونے والے تمام جریدوں پر چھوڑ گیا۔ آج بھی لاہور کے اخبارات میں اس کی اثر پذیری نمایاں ہے۔ اور روزنامے لے آؤٹ سے سجے نظر آتے ہیں۔

2-ادارہ علم وفن

یہ ادارہ شاہ عالم مارکیٹ لاہور کی ایک بڑی بلڈنگ کی دوسری منزل پر جناب شریف گلزار صاحب نے قائم کیا اور مولانا عبدالوحید خان صاحب کو اس کا امام کیا۔ اس کے تمام انتظامی امور انہی کی ذمہ داری تھی۔ جن خوشنویسوں کو بوجوہ اداروں سے فارغ کر دیا جاتا انہیں اس ادارے میں کام پر لگایا جاتا اس طرح ان کی معاشی سرپرستی کی جاتی۔ یہ ادارہ پبلشنگ ہاؤس بھی تھا۔ اس ادارے میں نہایت اعلیٰ خطاط کتابت کیا کرتے تھے۔ ان میں ظہور ناظم (پی ٹی وی لاہور) منظور انور (اردو بازار) اور محمد یوسف (اردو ڈائجسٹ) شامل تھے۔ اس ادارہ میں جزوی طور پر راقم الحروف نے بھی کام کیا۔ بعد میں کئی اور خطاط بھی اس ٹیم میں شامل ہو گئے۔

میر نور احمد کی ''مارشل لا سے مارشل محمدؐ'' تک یہیں کتابت ہوئی اور یہیں پر چھپی۔ اس ادارے کی آمدنی خوشنویسوں کی بہبود اور ترقی کے لیے وقف تھی۔

شریف گلزار نے اس ادارہ کو وسعت دینے کی غرض سے مزید دو کمرے لے کر خوشخطی کالج بنانے کا پروگرام بنایا۔ اس سلسلے میں ملک کے ممتاز خطاطین کی مجلس مشاورت بلائی گئی۔ جس میں معروف خطاط سید انور حسین نفیس رقم۔ خلیفہ احمد حسین سہیل رقم۔ خوشی محمد ناصر قادری۔ حاجی محمد منور رقم اور الماس رقم صاحب نے شرکت کی۔ سید انور حسین نفیس رقم صاحب سے پرنسپل بننے کی درخواست کی گئی اور دیگر تمام اساتذہ سے درخواست کی گئی کہ وہ تھوڑا تھوڑا وقت دیا کریں۔ 4 سالہ خطاطی کے کورس کا سلیبس بھی مرتب ہوا تاکہ فارغ التحصیل طلبا اپنی حیثیت منوا سکیں۔ خطاطی کی تربیت کے ساتھ ساتھ انہیں تاریخ خطاطی کا بھی ادراک ہو سکے۔ اسی طرح مروجہ بیٹھک سسٹم کو ختم کرنے کی بھی کاوش ہوئی لیکن اس کی زیادہ پذیرائی نہ ہو سکی۔ کاتب اور اساتذہ پرانی روایات سے باہر نہ نکل سکے۔ اس ادارے کے روح رواں شریف 1966ء میں ''اخبار خواتین'' کے اجرا پر کراچی چلے گئے۔ اس طرح اس ادارے کی سرپرستی ختم ہو گئی اور کچھ عرصہ بعد یہ ادارہ فن خطاطی کی خدمت سرانجام دینے کے بعد مرکزیت اور قیادت ختم ہو جانے کی وجہ سے اپنا وجود کھو بیٹھا۔ لیکن اس تھوڑے سے دورانیے میں کئی نوجوان خطاطی کی تربیت حاصل کر چکے تھے۔ شریف گلزار اس ادارے کو ایک باقاعدہ سسٹم کے تحت وجود میں لائے تھے۔ اگر اس کی صحیح طور پر پذیرائی ہوتی تو یہ باقاعدہ خطاطی کے کالج کا درجہ اختیار کر سکتا تھا۔

مشرق اسٹاف رپورٹر

پاکستان میں خطّاطی کے فروغ کے لیے اکیڈمی قائم کی جائے

یہ خبر 24 دسمبر 1982 کو روزنامہ مشرق میں شائع ہوئی

(لاہور ۲۴ دسمبر سٹاف رپورٹر) روزنامہ مشرق کے چیف آرٹ ایڈیٹر شریف گلزار کے فن اور ان کی شخصیت کے بارے میں مقامی ہوٹل میں ایک پر وقار تقریب ہوئی جس کا اہتمام ٹیلنٹ کلب نے کیا۔ صدارت ولایت حسین حیدری ایڈوکیٹ نے کی۔ انہوں نے اپنی صدارتی تقریر میں شریف گلزار کی خدمات کو سراہا اور کہا کہ بد قسمتی سے ہمارے ہاں خطاطی کی تاریخ سے متعلق کوئی باقاعدہ کتاب نہیں ہے جس سے آئندہ نسلیں استفادہ کر سکیں۔ انہوں نے خطاطی کی اہمیت پر زور ڈالتے ہوئے بتایا کہ حضرت علیؓ تاریخ اسلام کے پہلے خطاط تھے جنہوں نے سورۂ کوثر کو کتابت کر کے خانہ کعبہ میں لگایا انہوں نے کہا کہ پاکستان میں خطاطی کی ترویج وترقی کے لئے حکومت کی سرپرستی میں ادارہ ہونا چاہیئے۔

ٹیلنٹ کلب کے چیئرمین ڈاکٹر یاسین رضوی نے مختصراً خطاطی کی تاریخ بیان کی اور شریف گلزار کے فن کو سراہتے ہوئے کہا کہ انہوں نے بہت سے خطوں کے امتزاج سے متنوع خط ایجاد کئے۔ انہوں نے کہا کہ اگر خطاطی سکھانے کے لئے کسی اکیڈمی کا اعلان کر دیا جائے تو ٹیلنٹ کلب اس سلسلے میں بھرپور تعاون کرے گی۔

مسٹر شریف گلزار کے پرانے ساتھی اور ممتاز صحافی حاجی صالح محمد صدیق نے نہایت دلچسپ پیرائے میں ان کی پرانی یادیں بیان کیں۔ انہوں نے کہا کہ شریف گلزار ایک ایسی شخصیت ہے، جن میں محنت کا جذبہ اور آگے بڑھنے کی لگن ہے۔ وہ خوب سے خوب تر کی

تلاش میں رہتے ہیں۔ ان کا فن سراپا عمل ہے اور ان کی شخصیت ایک ایسی کتاب ہے۔ جس سے بہت کچھ سیکھا جا سکتا ہے اور نئی نسل ان سے بھرپور استفادہ کر سکتی ہے۔

روزنامہ مشرق کے آرٹ ایڈیٹر اور صدر مشرق ایمپلائز یونین مسٹر حبیب الرحمٰن نے مسٹر شریف گلزار کے فن اور ان کی شخصیت کو زبردست خراج تحسین پیش کیا اور کہا کہ وہ خوش نویس برادری میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انہیں خطاطی کی مختلف طرزوں پر نہ صرف عبور

حاصل ہے بلکہ وہ حالات اور ضرورت کے مطابق ان میں تبدیلی لانے کا فن بھی جانتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ شریف گلزار نے خوشنویسیوں کے حالات کو بہتر بنانے کے لئے بے پناہ جدوجہد کی جس کی بدولت آج ملک بھر کے اخبارات میں آرٹ سیکشن قائم ہیں اور خوشنویسوں کی نشست کے لئے کرسی اور میز استعمال کی جاتی ہے انہوں نے شریف گلزار کے استاد احمد حسین سہیل رقم مرحوم کو بھی خراج عقیدت پیش کیا۔انہوں نے اس موقع پر بانی مشرق عنایت اللہ مرحوم کی صحافتی خدمات کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ انہوں نے صحافیوں کے لئے جو کار ہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔اخباری صنعت سے متعلق ہر فرد اس کو قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔

مسٹر شریف گلزار نے اپنی تقریر میں خطاطی کی تاریخ سے دلچسپ واقعات بیان کئے اور کہا کہ یہ خطاطی کا ہی اعجاز ہے کہ آج قرآنِ حکیم کی شکل میں اللہ تعالیٰ کی کتاب ہمارے پاس موجود ہے۔انہوں نے کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ میں اپنے اساتذہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے اس فن کی آبیاری کر رہا ہوں۔انہوں نے بھی خوشنویسیوں کے لئے اکیڈمی کے قیام پر زور دیا۔آخر میں انہوں نے خطاطی کی مختلف ادوار میں تبدیلیوں کو عملی شکل میں مظاہرہ کر کے بتایا وہ خطاطی کن کن مرحلوں سے گذر کر ہم تک پہنچی۔سامعین نے اس معلوماتی پروگرام کو نہایت دلچسپی سے سنا اور بے حد پسند کیا۔

ٹیلنٹ کلب میں منعقدہ ''شریف گلزار کے ساتھ ایک نشست'' میں اسٹیج پر جناب حبیب الرحمان، جناب شریف گلزار، جناب ولایت حسین حیدری اور حاجی صالح محمد صدیق تشریف فرما ہیں

عبدالرشید شاہد

شریف گلزار اور محمد یعقوب ایک محمود ایک ایاز

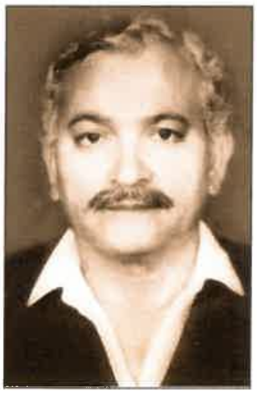

استاد محمد یعقوب

نام۔محمد یعقوب۔ نیاز احمد کا بیٹا۔ راجپوت قوم کا فرزند۔ گورا چٹا رنگ۔ گھونگریالے بال ساڑھے پانچ فٹ قد۔ جسم مائل بہ فربہی۔ کشادہ پیشانی سے ذہانت عیاں۔ پروقار شخصیت۔ شائستہ گفتگو۔ صاف ستھرا لباس پہننے کا عادی۔ نفاست پسند۔ متاثر کن شخصیت۔ بااصول۔ وضع دار۔ علم دوست۔ اسلام سے محبت کرنے والا۔ اچھی کتابیں پڑھنے کا شائق۔ اشتہارات کے لیے ماڈلنگ بھی کی۔ گاؤں اور شہر کی زندگی کی ملی جلی شخصیت۔ گاؤں کا چوہدری اور شہر کا فن کار۔ مہمان نواز۔ مخلص دوستوں کا دل میں گھر کر جانے والا۔ مخالفین کے لیے بھی نرم گوشہ رکھنے والا۔ پراعتماد۔ اپنے کام کو نہایت لگن اور دیانت داری سے انجام دینے والا۔ ملنے والوں کے دل میں اتر جانے والی شخصیت۔ استاد محمد یعقوب کی خصوصیات ہیں۔

استاد محمد یعقوب۔ شریف گلزار صاحب کے قریبی ساتھیوں میں سے تھے۔ میری دلی خواہش تھی کہ وہ اس یادگاری مجلّے کے لیے کوئی تحریر لکھیں لیکن مالک قضا و قدر نے انہیں مہلت ہی نہ دی کہ وہ باقاعدہ کوئی آرٹیکل لکھ کر دیتے۔ مجبوراً مجھے ان کی شخصیت اور گلزار صاحب سے گہری شیفتگی کو خود لکھنا پڑ رہا ہے۔ شریف گلزار کے بارے میں وقتاً فوقتاً جس طرح کا وہ مجھ سے اظہار کرتے رہے ہیں وہی قلمبند کرنے کی کوشش کروں گا۔ میرے ساتھ ان کی رفاقت بہت گہری تھی۔ 1970ء سے لے کر 1992ء تک کراچی میں ایک ساتھ کام کیا۔ محمود آباد 6 نمبر پر انہوں نے اپنا بہت خوب صورت مکان بنایا۔ اور وہیں رہائش پذیر رہے۔ روزنامہ مشرق کراچی میں شعبہ کتابت اور آرٹ سیکشن کے ہیڈ تھے۔

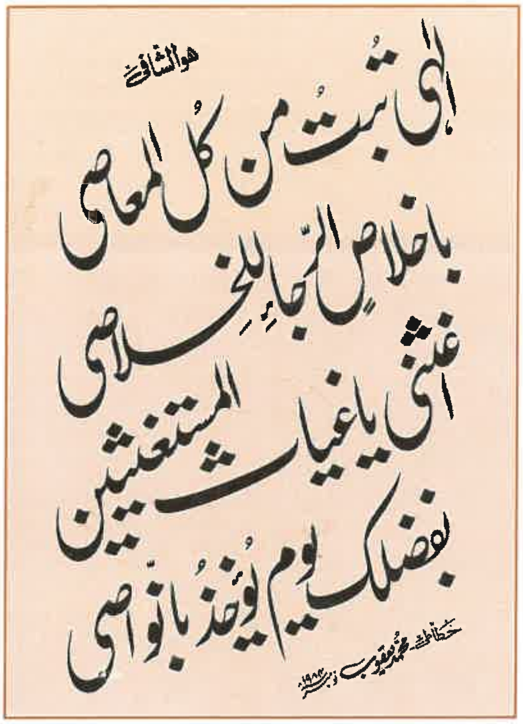

استاد محمد یعقوب نے کم عمری میں ہی اس وقت کے بڑے استاد خلیفہ احمد حسین سہیل رقم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کر کے خطاطی سیکھنے

استاد محمد یعقوب (مرحوم) کی اسلامک خطاطی کا ایک انداز

کا آغاز کیا۔ اس شاگردی کے دورانیے میں محترم شریف گلزار بھی خلیفہ صاحب سے کتابت سیکھ رہے تھے۔ انہوں نے غیر اعلانیہ طور پر اس کم عمر شاگرد کی سرپرستی سنبھال لی۔ شریف گلزار صاحب نے گاؤں کی بود و باش رکھنے والے اس لڑکے کو کڑے امتحانات سے گزارا۔ جس طرح سنار سونے کو کٹھالی میں ڈال کر کندن بنا دیتا ہے اسی طرح انہوں نے یعقوب کو استاد محمد یعقوب بنا دیا۔

شریف گلزار صاحب کو یہ فکر کھائے جا رہی تھی کہ محمد یعقوب جب خطاطی کے میدانِ عمل میں آئے گا تو یہی کہے گا کہ میں خلیفہ احمد حسین سہیل رقم کا شاگرد ہوں اور اگر اس نے خطاطی میں اعلیٰ معیار نہ بنایا تو استاد صاحب کا نام بدنام ہوگا۔

استاد سہیل رقم زیادہ شاگرد بنانے کے قائل نہ تھے اور نہ ہی انہوں نے سوائے شریف گلزار کے کسی اور کو اپنا شاگرد تسلیم کیا۔ حالانکہ عملاً یہ تھا کہ کئی لڑکے ان سے خطاطی کی اصلاح لیتے تھے جن میں مشہور آرٹسٹ آفتاب ظفر۔ ہمایوں عزیز صاحب (حال مقیم لندن)۔ عمر حیات اور راقم الحروف کے بڑے بھائی محمد سعید کے علاوہ درجنوں لوگ بھی شامل تھے جنہوں نے ایک عرصہ تک استاد صاحب کی بیٹھک پر اعلیٰ معیار کا کام بھی کیا۔ لیکن خلیفہ صاحب نے کسی کو بھی اپنا شاگرد تسلیم نہیں کیا۔ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ استاد محمد یعقوب، محترم شریف گلزار کے شاگرد ہیں لیکن واقعتاً ایسا نہیں تھا۔ البتہ ان کی تربیت میں گلزار صاحب کا اہم کردار ہے۔ اس ناتے سے وہ میرے استاد بھائی تھے۔

استاد محمد یعقوب صاحب سے میری رفاقت ایک طویل عرصہ تک

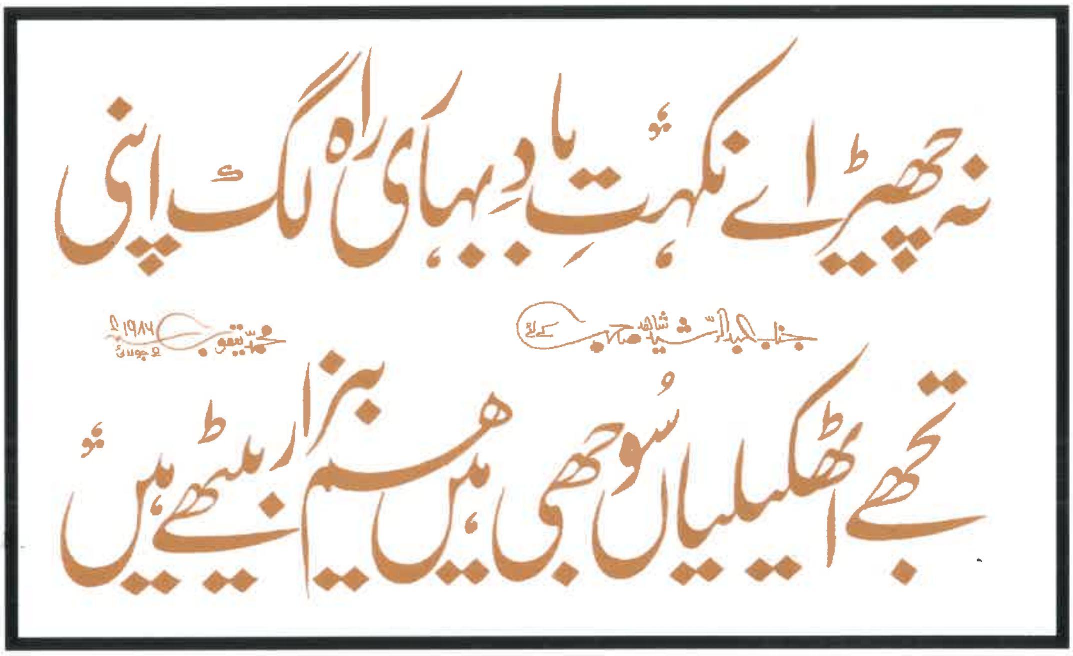

حرم فروش فقیہوں کے حوضِ کوثر سے
مغنیہ کے لبوں کی شراب بہتر ہے

خطاطی — محمد یعقوب — ۲۰ جولائی ۱۹۸۶ء ——— شورش کاشمیری

رہی استاد محمد یعقوب اور راقم الحروف نے مشرق آرگنائزیشن میں کام کرنے کے علاوہ پرائیویٹ طور پر کئی کتابیں ایک ساتھ مل کر لکھیں۔ کیونکہ ہمارے خط کی روش انیس بیس کے فرق سے ایک جیسی تھی۔ اس رفاقت کے دوران جناب محمد یعقوب نے شریف گلزار کی شخصیت اور فن کے بارے میں جو وقتاً فوقتاً اظہار کرتے رہے میں اسی کو اجاگر کرنے کی کوشش کروں گا۔

محمد یعقوب اور شریف گلزار صاحب ایک ہی استاد کے شاگرد ہونے کے سبب ایک ہی روش کے حامل تھے۔ استاد محمد یعقوب کہا کرتے تھے کہ شریف گلزار ایک انتہائی مشفق استاد اور میرے لیے مجازی باپ کی حیثیت رکھتے تھے۔ میری زندگی کو ایک خاص ڈھب پر لانے کے لیے ان کی کڑی نگرانی نے اہم کردار ادا کیا۔ میں انہیں اپنے باپ کا درجہ دیتا ہوں۔ میری کامیابی میں ان کا بڑا ہاتھ ہے۔

روزنامہ مشرق میں وہ میرے باس تھے۔ ان کی والہانہ شفقت کے سبب میرے بے شمار حاسد پیدا ہو گئے جو خود شریف گلزار کی قربت کے خواہش مند تھے۔ انہوں نے مجھے ان سے دور کرنے کے لیے طرح طرح کے حربے اختیار کیے اور غلط بیانیاں کر کر کے ان کے کان بھرنے شروع کر دیے۔ اس وجہ سے کئی مرتبہ وہ مجھ سے بدظن بھی ہوئے اور بات چیت بھی بند کر دی۔ لیکن میں نے کبھی بھی اس کا ذرہ برابر اثر نہ لیا اور نہ ہی کسی بات کا برا مانا۔ اور نہ ہی ان کے احترام میں کوئی فرق آنے دیا بلکہ اگر کسی نے مجھے ان کے خلاف گمراہ کرنے کی کوشش کی اور گلزار صاحب کے لیے گستاخانہ لہجہ بھی اختیار کیا تو میں نے ان کا منہ توڑ جواب دیا۔ میری مستقل مزاجی رنگ لائی اور گلزار صاحب بھی سمجھ گئے کہ لوگ حسد کی وجہ سے اس کے خلاف باتیں کرتے ہیں اور وہ خود ہی اپنے مخصوص انداز میں مجھ سے رابطہ کر کے دوسروں کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتے۔

''ہماری مثال محمود و ایاز کی سی تھی۔ لگتا تھا کہ مجھ پر اور شریف گلزار صاحب پر آ کر تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہو۔ جس طرح سلطان محمود غزنوی اپنے غلام ایاز کے بارے میں لوگوں کی باتوں کو نظرانداز کر دیا

استاد محمد یعقوب (مرحوم) کی مشق

استاد محمد یعقوب (مرحوم) کی دلکش خطاطی میں ایک کتاب کا ٹائٹل

کرتا تھا اسی طرح شریف گلزار صاحب بھی اپنے اس غلام محمد یعقوب کے خلاف اکسانے والوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے۔ میں نے محسود بن کر ان کے سامنے زندگی گزاری۔ اسے میں اپنے لیے بہت بڑا اعزاز سمجھتا ہوں۔ اور آداب فرزندی کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیا۔''

یہ مکتب کی کرامت تھی کہ فیضان نظر تھا
سکھائے کس نے اسماعیلؑ کو آداب فرزندی

استاد محمد یعقوب بتاتے ہیں کہ آخری عمر میں شریف گلزار پر فالج کا اثر ہو گیا۔ یہ جان کر مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ مجھے یقین ہی نہیں آتا تھا کہ شریف گلزار صاحب فالج کے ہاتھوں بے بس ہو جائیں گے۔ ان دنوں میں کراچی میں تھا اور گلزار صاحب لاہور میں تھے۔ فوری طور پر جانا ممکن نہ ہو سکا تو میں نے انہیں مزاج پرسی کا خط لکھا۔ کچھ ہی دنوں بعد انہیں افاقہ محسوس ہوا تو دفتر جوائن کر لیا۔ ایک دن جب دفتر میں سب لوگ موجود تھے تو انہوں نے میرا خط جیب سے نکالا۔ اور پورے ہال کو مخاطب کر کے بولے۔

''لو بھئی۔ مام دین نے مجھے ایک دلچسپ خط لکھا ہے۔''

گلزار صاحب مذاقاً مجھے مام دین کہا کرتے تھے۔ میں چونکہ ضلع گجرات کے ایک دور افتادہ گاؤں ''گھوگھاں والی'' کا رہنے والا تھا اور مشہور مزاحیہ شاعر امام دین گجرات شہر کے رہنے والے تھے۔ اس نسبت سے وہ مجھے ''مام دین'' کہا کرتے تھے لیکن یہ نام صرف گلزار صاحب ہی استعمال کر سکتے تھے کسی اور میں یہ جرأت نہ تھی کہ وہ مجھے اس نام سے پکارتا۔ یہ بھی ایک طرح کا قربت کا اظہار تھا۔

''پہلے تو اس نے میری مزاج پرسی کی ہے۔ اس کے بعد لکھتا ہے۔ میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ میں اور آپ دیگر ساتھیوں کے ہمراہ ایک جنگل میں جا رہے ہیں۔ ہمارے سامنے کئی جنگلی جانور آتے ہیں اور ہمارے لیے راستہ چھوڑ دیتے ہیں کہ دفعتاً ہمارے سامنے ایک شیر آ گیا جو زور زور سے دھاڑ کر مقابلے کا چیلنج دینے لگا۔ آپ نے سب لوگوں کو ایک طرف کر دیا اور خود آستینیں چڑھا لیں اور خم ٹھونک کر شیر کے مدمقابل کھڑے ہو گئے۔ ادھر شیر اور ادھر آپ آگے بڑھے اور بے خوف ہو کر شیر کے جبڑے میں ہاتھ ڈال دیا۔ اور شیر کے دونوں جبڑے چیر کر رکھ دیئے۔ میں بیمار شریف گلزار صاحب کو نہیں جانتا میں تو اس شریف گلزار کو جانتا ہوں جو شیر کے جبڑے پکڑ کر چیر دینے پر قادر ہے۔ یہ معمولی تکلیفیں آپ کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ اللہ آپ کا سایہ ہم پر ہمیشہ قائم رکھے۔'' وہ خط پڑھتے رہے اور دیر تک محظوظ ہوتے رہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

حرفِ چند

ملک نواز احمد اعوان

ایک نہایت باذوق شخصیت۔ جن سے تقریباً 40 برس سے شناسائی ہے۔ دیگر علوم کے علاوہ فن جمال پر گہری نظر رکھتے ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ ان کی تن تنہا ذات خطاطی پر یونیورسٹی کی حیثیت رکھتی ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ خود خطاط ہیں لیکن خطاطی کو بطور پیشہ کبھی نہیں اپنایا۔ استاد نہیں ہیں لیکن تقریباً ڈھائی سو افراد کو خطاطی کے رموز سے آشنا کرا چکے ہیں۔ کئی افراد کو خطاطی سکھا کر بیرون ملک بھجوایا۔ خطاطی کے استادوں سے گہری وابستگی رکھنے کے باعث انہی جیسی قدر و منزلت کے حامل ہیں۔ فراخ دل۔ بے باک اور مزاج کی شگفتگی میں اپنا ثانی نہیں رکھتے۔ فنِ خطاطی سے بے پناہ شیفتگی کی وجہ سے اپنے آپ کو اس فن کے لیے وقف کر چکے ہیں۔ خطاطوں پر ان کے اس قدر احسانات ہیں کہ ان کی نفی کرنا ممکن نہیں۔ شریف گلزار صاحب سے ان کی بہت کم ملاقاتیں رہیں۔ لیکن بہت سودمند ہوئیں۔ ان کا سب سے بڑا وصف خطاط کو معیاری خطاطی کی طرف راغب کرنا اور ٹھیک ٹھیک رہنمائی کرنا ہے۔ انداز اس قدر موثر کے خطاط خود بخود آگے بڑھنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے آمین۔

خاص اسلامی فنون لطیفہ میں فن خط اور فن قرات، مساجد میں دیواروں پر خوبصورت خط میں قرآنی آیات ان سب کا تعلق قرآن مجید فرقان حمید کے فرمان سرمدی سے ہے۔ مصحف کریم کی کتابت کے لئے متنوع خطوط ایجاد کیے گئے جو دوسرے علوم کی کتب کے لئے بھی استعمال ہوئے اور آج تک مستعمل ہیں۔ چھاپے خانے کی ایجاد کے بعد خط نئے دور میں داخل ہوا اور عالم اسلام کے ہر علاقے میں خطاط حضرات نے کتابت کے ذریعے فروغ علم میں بھرپور حصہ لیا۔ برصغیر کے بھی تقریباً تمام علاقوں میں بے شمار خطاط موجود رہے جنہوں نے کتب، رسائل، اخبارات کی کتابت کو بام عروج تک پہنچایا۔ جن لوگوں نے فن خطاطی کی ترویج میں نمایاں کردار ادا کیا ان میں ایک بڑا نام شریف گلزار صاحب کا بھی ہے۔ جنہوں نے ادارہ مشرق کو اپنی بے پناہ صلاحیتوں سے ایک منفرد اخبار بنا دیا۔ ادارے میں فن خطاطی اور لے آوٹ کا کام انہی کے زیر نگرانی تھا۔ کمپیوٹر آنے سے قبل تک یہی صورتحال قائم رہی۔ بہت ضروری تھا کہ ان خطاط حضرات کے تذکرے، ان کے شاگرد، دوست احباب تحریر کر دیتے لیکن اس طرف کم ہی توجہ دی گئی۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اب اس طرف بھی متعلقہ حضرات کی توجہ مبذول ہوئی ہے۔

جناب عبدالرشید شاہد صاحب نے فون پر بتایا کی انہوں نے جناب شریف گلزار صاحب کی حیات و خدمات پر اپنی زیر تحریر کتاب مکمل کر لی ہے۔ یہ سن کر بڑی مسرت ہوئی۔ شریف گلزار صاحب بڑے باصلاحیت اور عمدہ خطاط تھے۔ رشید صاحب ان کو اپنا استاد مانتے ہیں۔ میری رشید صاحب سے تقریباً چالیس سال سے دوستی ہے۔ لال کوٹھی شاہراہ فیصل پر اخبار خواتین کا دفتر تھا۔ جہاں گاہے گاہے میں بھی جاتا تھا۔ چونکہ مجھے خطاطی سے گہری دلچسپی تھی اس لئے

وہاں کام کرنے والے خطاط حضرات سے گپ شپ رہتی تھی۔ ساتھ ہی دوسرے کمروں میں روزنامہ مشرق کراچی کا عملہ اور شعبہ کتابت تھا وہاں کے خطاط حضرات سے بھی ملاقات ہو جاتی۔ اخبار خواتین کے شعبہ کتابت میں رشید شاہد صاحب، اسماعیل سلفی صاحب اور اسحاق شاہد صاحب نمایاں تھے۔ وہیں تین چار دفعہ شریف گلزار صاحب سے رشید شاہد صاحب نے ملاقات کروائی اور وہیں ان کی معلومات افزا گفتگو سے استفادہ کرنے کا موقع ملا۔ جس کا میں آج تک معترف ہوں۔ رشید صاحب خود بھی اعلیٰ خطاط ہیں اب جو انہوں نے کالم نویسی میں رہوار قلم کو رواں کیا تو ان کی تحریر کی جو صلاحیت تھی، آشکار ہوئی۔ روزنامہ امت کراچی میں چھپنے والے ان کے کالم بڑی دلچسپی سے پڑھے جاتے ہیں۔ ہماری خوش قسمتی ہے کہ انہوں نے اپنے فن یعنی فن خطاطی کی طرف بھی توجہ کی ہے اور ماہنامہ غازی میں خطاطوں اور خط وخطاطی کو موضوع بنایا ہے۔ اب تک ان کے چار مضامین شائع ہو چکے ہیں۔ امید ہے کہ وہ اپنے دور کے حالات تو لکھ ہی دیں گے اور ایک قرض جو ہم سب پر واجب ادا تھا وہ اسے ادا کر دیں گے

رشید شاہد صاحب ہمارے زمانے کے منفرد خطاط ہیں جن کا اپنا اسلوب ہے۔ جتنی محنت اور ذمہ داری سے وہ خفی اور جلی خطاطی کرتے ہیں کراچی میں ہم نے تو مرحوم عبدالمجید دہلوی کے بعد رشید شاہد صاحب کو ہی دیکھا ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ شریف گلزار صاحب پر ان کتاب صوری اور معنوی لحاظ سے نمونہ بنے اور ایسی بہت سی کتابیں ان کے قلم سے صادر ہوں اور ان کے لئے صدقہ جاریہ بنیں۔ ان کی صحت وتندرستی کے لئے دعا گو ہوں۔

عبدالرشید شاہد

ہم بھی وہیں موجود تھے

اخبار کی دنیا ایک مشکل اور نہایت دلچسپ دنیا ہے۔ پل پل بدلتی صورت حال سے آگاہی اس میں رنگ بھر دیتی ہے۔ پھر آدمی اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے اور تاحیات اس سے علیحدہ ہونا پسند نہیں کرتا۔ جو لوگ اخباری دنیا سے وابستہ ہیں یا ماضی میں رہ چکے ہیں انہیں اس کا خوب اندازہ ہے۔ صبح ہی صبح قارئین کو تازہ خبریں بہم پہنچانے کے لئے راتوں کو جاگنا اور دن کو سونا اخباری دنیا کا طرز حیات ہے۔ کارکن اپنے عزیزوں اور دوستوں کو بہت کم وقت دے پاتے ہیں۔ ان کی زندگی عام لوگوں سے مختلف ہوتی ہے۔ روزنامہ مشرق ایسے ہی کارکنوں کی بے مثال جدوجہد، کامیابیوں اور کامرانیوں کی داستان ہے۔ جدید صحافت کے بانی جناب عنایت اللہ صاحب اور ان کے دست راست جناب اقبال زبیری صاحب اور اخباری دنیا میں لے آؤٹ کی نئی جہتیں متعین کرنے والے اور خطاطی میں خط گلزار کے بانی محترم جناب شریف گلزار صاحب اور ان کے رفقا کے عزم صمیم کی داستان ہمیشہ یادرکھی جائے گی جنہوں نے اخبارات کی ترقی میں انقلابی اقدامات کئے اور انہیں بڑے اداروں میں تبدیل کر دیا۔ محنت کی عظمت کے چراغ جلانے والوں کی روشنی ہم آج کے اخبارات کی صحیح شکل وصورت میں دیکھ رہے ہیں۔ جنہوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں کا لوہا منوایا اور اخبار کی ترقی پذیری کے سنہری باب رقم کئے جو بھلائے نہیں جا سکتے۔ پاکستانی اخبارات کی ترقی کا جب بھی ذکر ہوگا روزنامہ مشرق اور اس کے کارکنان سرفہرست ہوں گے۔

''ہم بھی وہیں موجود تھے ہم نے بھی سب دیکھا کئے''

1962ء میں اخباری دنیا کی وادی پرخار میں قدم رکھنے کے بعد مجھ پر کیا گزری؟ اس راہ گزر پر میں نے کیا دیکھا؟ 29 سالہ عرصہ ملازمت میں روزنامہ مشرق اور اس کے کارکنوں کو کن مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ شب و روز انتھک محنت کرنے والوں کی زندگیاں عام لوگوں کی نسبت کم رہ جاتی ہیں۔ لہٰذا اس بے مثال ٹیم کے بہت کم ارکان اب بقید حیات ہیں۔ اللہ انہیں تادیر سلامت رکھے۔ عروج و زوال کی اس داستان کی چشم دید واقعات پر مبنی کالموں کا انتخاب حاضر خدمت ہے جو روزنامہ امت بھی ''چراغ آفریدم'' کے نام سے شائع ہوئے۔

عبدالرشید شاہد

اخباری مگرمچھ

کسی روزنامہ میں میری پہلی ملازمت روزنامہ ''آفاق'' سے شروع ہوئی۔ یہ اخبار فیصل آباد کے مشہور تاجر سعید سہگل صاحب کا تھا۔

یہ 1960-61 کا زمانہ تھا۔ اس اخبار کے ایڈیٹر میر نور احمد صاحب تھے لیتھوگرافی کے زمانے میں ایک کاتب کی کارگزاری اخبار کا آدھا صفحہ ہوا کرتی تھی۔ جو صبح سے شام تک بمشکل ہو پاتی۔ اتنی محنت کے بعد بھی تنخواہ نہیں ملتی تھی۔ البتہ جن لوگوں کے ایڈیٹر صاحب سے تعلقات تھے انہیں وقتاً فوقتاً کچھ نہ کچھ حاصل ہو جاتا تھا۔ مجھے کام کرتے ہوئے تین ماہ سے زیادہ عرصہ گزر چکا تھا لیکن پیسے کی شکل تک نہیں دیکھی تھی۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ مجھے کچھ کھائے پیئے تین دن

گزر چکے تھے۔ ناقابل برداشت بھوک کے باعث میرے آنسو نکل آتے تھے جنہیں چھپانے کے لیے قمیص کا دامن استعمال کر رہا تھا۔ آنکھوں میں پانی آجانے کی وجہ سے لکھنے میں دشواری کا سامنا تھا۔ ہیڈ کاتب صاحب جو خبریں بھی بانٹتے تھے ان سے میری کیفیت چھپی نہ رہ سکی۔ انہوں نے انتہائی نرم لہجے میں مجھ سے پوچھا۔ ''بیٹا! کیا بات ہے تم رو کیوں رہے ہو؟''

ان کا یہ پوچھنا تھا کہ میں پھٹ پڑا اور اپنی حالت زار انہیں بتا دی کہ مجھے تین ماہ گزر جانے کے باوجود ایک پائی بھی نہیں ملی۔ ہوٹل والا اور مالک مکان دھمکیوں پر اتر آئے ہیں اور آج فاقہ کرتے ہوئے تیسرا دن ہے۔ بھوک تنگ کرتی ہے تو آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگتا ہے۔ وہ مجھے ایڈیٹر صاحب کے کمرے میں لے گئے اور میری حالت بتائی۔ انہوں نے تین ماہ کا معاوضہ 40 روپے دے کر چلتا کیا۔ جبکہ میری تنخواہ ساٹھ روپے ماہوار مقرر ہوئی تھی۔

40 روپے اسی دن ہوٹل کا ادھار اور مکان کے کرائے کی مد میں خرچ ہو گئے اور میں پھر خالی جیب لیے گھوم رہا تھا۔ چھوٹے اخبارات میں کارکنوں کے ساتھ یہی سلوک ہوتا تھا۔ کارکنوں کی محنتیں اور تنخواہیں یہ اخباری مگرمچھ ہڑپ کر جاتے تھے۔ صرف بڑے اخبارات ہی ایسے تھے جہاں کے کارکنوں کی مالی حالت بہتر تھی لیکن نئے آدمی کا داخلہ وہاں ناممکن تھا۔ ویج بورڈ ایوارڈ کے نفاذ سے ان کی حالت بہت اچھی ہو گئی تھی۔

روز نامہ وفاق کے ہیڈ کاتب جو ایک صوفی منش انسان تھے ایک دن کہنے لگے تمہارا ہاتھ بہت اچھا ہے اگر وِنڈاٹک (بٹر پیپر) پر پریکٹس کرو تو کسی اچھے اخبار میں کام کرنے کا موقع مل سکتا ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی پر میں نے بٹر پیپر پر پریکٹس شروع کر دی اور بہت جلد اس میں مہارت حاصل کر لی۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لیتھوگرافی کو خیرآباد کہا جا رہا تھا۔ اخبار اور کتابوں کا کام وِنڈاٹک پر منتقل ہو رہا تھا۔ کچھ اخبار اس طریقہ کار کو اپنا چکے تھے اور کچھ اسے اپنانے کی ہمت پکڑ رہے تھے کیونکہ لیتھوگرافی سے آفسٹ پرنٹنگ مہنگی تھی لیکن خوبصورتی اور صفائی میں اس سے کئی گنا زیادہ بہتر تھی۔ ہیڈ کاتب صاحب نے کہا کہ ایک نئے اخبار ''حالات'' کا اجرا ہو رہا ہے تم وہاں قسمت آزماؤ۔ آج کل ان کو اچھے خوش نویسوں کی ضرورت ہو گی۔ مجھے پوری امید ہے کہ تم کامیاب ہو جاؤ گے۔ میں نے ایک اچھا سا نمونہ لکھا اور لاہور ہوٹل سے ملحق ایک بلڈنگ میں واقع ''حالات'' اخبار کے دفتر پہنچ گیا۔ یہ 1962ء کے اوائل کا زمانہ تھا۔ اس اخبار کے ایڈیٹر سعادت خیالی تھے جو متعدد اخبارات میں اعلیٰ عہدوں پر کام کر چکے تھے۔ روز نامہ کوہستان میں میگزین کے صفحات سعادت خیالی کی ذمہ داری تھی۔ سعادت خیالی صاحب کے فیچر اردو صحافت میں ایک نئی چیز تھے اور نہایت دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے اس میں انہوں نے بہت نام کمایا۔ یہ فیچر زیادہ تر جرائم اور معاشرتی برائیوں کے سلسلے میں ہوتے تھے۔ اخبار میں ایسی کوئی چیز جس میں عوام کی اپنی باتیں ہوں اور ان کے مسائل آگے پہنچائے جائیں، ان کی آواز کی رسائی ایوان بالا تک ہو، ان کے لئے ایک ناقابل یقین سی بات تھی۔ عوام کو اخبار کی اس روش سے اعتماد حاصل ہوا، ورنہ عموماً لیڈروں کے بیانات ہی اخبار میں چھپتے تھے جس سے عام آدمی کو اتنا سروکار نہ تھا، اپنی بات کی اثر پذیری دیکھ کر لوگوں میں ایک نیا شعور جاگا۔ یہی بات تھی کہ ان کے فیچر اور فیچر نما رپورٹوں کو حد درجہ پذیرائی حاصل ہوئی، یہ ایوبی دور تھا۔ صحافتی دنیا میں دائیں بازو اور بائیں بازو میں سخت کشمکش رہتی تھی۔ میاں افتخار الدین جاگیردار آدمی تھے۔ انہوں نے بائیں بازو کیلئے پی پی ایل جیسا بڑا ادارہ قائم کر دیا تھا جس سے ان کی طاقت میں اضافہ

ہو گیا تھا، ٹریڈ یونین محاذ پر بھی ان کا غلبہ تھا۔ یہ بہت منظم لوگ تھے اور ادب وصحافت پر چھائے ہوئے تھے اور انہیں سرکاری سرپرستی بھی حاصل تھی۔ بائیں بازو کے صحافی باتیں بنانے اور بلند بانگ دعوے کرنے میں بہت تیز تھے اور اپنی باتوں سے ایسا تاثر چھوڑتے تھے کہ اصل صحافی تو ہم ہیں باقی سب کوڑا کرکٹ۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ پیشہ ورانہ صلاحیتوں کے اعتبار سے وہ فرسودہ ہو چکے تھے۔ البتہ نظریات پر سختی سے عمل پیرا تھے، ان کی وحدت ٹریڈ یونین کے دم سے قائم تھی جس میں کسی کو بھی وہ آگے نہیں آنے دیتے تھے، انہیں اپنے پیشے سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اخلاقی طور پر نہایت کرپٹ تھے، بیوروکریسی سے بھی ان کی ساز باز رہتی تھی۔ اس ماحول میں جبکہ بائیں بازو اپنے عروج پر تھا۔ سعادت خیالی کو روزنامہ امروز کا ایڈیٹر بنا دیا گیا لیکن امروز کے عملے نے ان کے ساتھ تعاون نہ کیا۔ صرف قیصر حسنی صاحب نے نظریاتی وجوہ کی بنا پر ان کا خیر مقدم کیا۔ سعادت خیالی ادارت پر قائم نہ رہ سکے۔ بایاں بازو دوبارہ حاوی ہو گیا اور قیصر حسنی نے بھی استعفیٰ دے دیا۔ اب سعادت خیالی نے اپنا اخبار ''حالات'' نکال کر قسمت آزمائی کی تھی۔

ہمارا شعبہ دو حصوں میں تقسیم تھا۔ ایک کتابت سیکشن اور دوسرا آرٹ سیکشن، کتابت سیکشن کو الطاف حسین صاحب چلاتے تھے جو خود بڑے اچھے خطاط تھے اور اخبار کی لیڈ بھی وہی لکھتے تھے۔ آرٹ سیکشن کے انچارج جمیل النبی تھے جو بہت ہوشیار اور چالاک آدمی تھے۔ میں نے اپنا نمونہ پیش کر دیا، دونوں حضرات نے متفقہ طور پر اسے پاس کر دیا اور دوسرے دن ڈیوٹی پر حاضر ہونے کا مژدہ سنایا۔ دوسرے دن میں نے ڈیوٹی سنبھال لی۔ میری خوش قلمی کے باعث خاص خاص خبریں مجھ سے ہی لکھوائی جاتیں، اسی زمانے میں باکس آئٹم کا رواج شروع ہوا۔ رفتہ رفتہ میں بھی اس ماحول سے مانوس ہوتا گیا اور دیگر حضرات میں اپنے اچھے کام کے باعث مقبول ہو گیا۔ خوش نویس حضرات کے علاوہ ایڈیٹر حضرات بھی مجھے احترام سے دیکھتے۔ ایڈیٹر حضرات اس لئے خوش تھے کہ میرے کتابت شدہ میٹر میں غلطی نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس لئے مجھ سے خبر کتابت کروانے پر اصرار کیا جاتا۔ میرا طریقہ کار یہ تھا کہ میں پہلے خبروں کو پڑھتا تھا پھر کتابت کرتا تھا۔ اس طرح روانی میں مشکل الفاظ اور تحریر کی بدنمائی سے متاثرہ الفاظ سمجھ میں آجاتے۔ اگر ایڈیٹر حضرات درمیان میں کوئی لفظ لکھنا بھول جاتے تو وہ بھی درست کر لیتا تھا۔ یہی میری پسندیدگی کا سبب بنا۔

کچھ عرصہ تو اس اخبار کا بڑا اہلہ گلہ رہا لیکن بدقسمتی سے یہ اخبار مقبول نہ ہو سکا اور رفتہ رفتہ زوال پذیر ہوتا گیا۔ اس کی زوال پذیری کے

تین دوست: عبدالرشید شاہد۔ سیف اللہ اور عرفان احمد خان اخبار خواتین کے اجراء کے موقع پر

روزنامہ مشرق کراچی کے لے آؤٹ پر تبادلہ خیال ضیاء الاسلام انصاری، عبدالرشید شاہد اور مشتاق سہیل

اثرات سب سیکشنوں میں ظاہر ہونے لگے، معیار خراب ہوتا گیا اور عملے کے لوگ بھی بددلی کا شکار ہوئے۔

دوسرے شعبوں کا تو مجھے معلوم نہیں لیکن کتابت اور آرٹ سیکشن کا کام جمیل النبی اور الطاف نے ٹھیکے پر لیا ہوا تھا۔ وہ ہر ماہ ایک معقول رقم سعادت خیالی سے لے لیتے اور اپنی پسند کے لوگوں کو تھوڑے تھوڑے پیسے دے دیتے اور کئی ایک کو کچھ نہ دیتے اور رقم کا ایک بڑا حصہ خود ہڑپ کر جاتے۔ میں ایک داڑھی والا، مسکین صورت ''بھولے بادشاہ'' ٹائپ آدمی ان کی چالاکی کو سمجھ نہ سکا۔ جب چھ ماہ تک کچھ بھی نہ ملا تو میں نے صدائے احتجاج بلند کی اور ادھر ادھر یہ کہہ دیا کہ میں کوئی اور اخبار دیکھتا ہوں، یہاں تو روٹی کے لالے پڑ گئے ہیں، یہ بات ان کے کان تک بھی پہنچی۔ ایک دن جمیل النبی میرے پاس آئے اور مجھے تنخواہ کیلئے دوسرے دن دس بجے آنے کو کہا۔ دوسرے دن میں اپنی نیند خراب کر کے دس بجے دفتر پہنچا تو موصوف کو موجود نہ پا کر بہت غصہ آیا۔ انتظار کرتے کرتے شام کا وقت ہو گیا اور ڈیوٹی بھی شروع ہو گئی لیکن جمیل النبی صاحب نہیں آئے۔ نیند خراب ہونے اور سارے دن کے انتظار کے سبب چہرہ ستا ہوا تھا۔ جب وہ آئے تو میرا چہرہ دیکھ کر ہی سمجھ گئے کہ مجھ پر کیا بیتی ہوگی۔ انہوں نے بڑے نامناسب طریقے سے معذرت کی اور کہا آپ کل آ جائیں۔ میرا غصے سے برا حال تھا میرے منہ سے ایک لفظ بھی برآمد نہ ہوا۔ دوسرے دن انہوں نے مجھے چھ ماہ کے بعد ایک سو چالیس روپے دیئے اور کہا یہ آپ کی ایک ماہ کی تنخواہ ہے، باقی بعد میں مل جائے گی۔ میں سمجھ گیا کہ یہ بدفطرت لوگ ہیں یہ لوگ مجھ سے کام لیتے رہیں گے لیکن تنخواہ نہیں دیں گے۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ مجھے کہیں اور قسمت آزمائی کرنی چاہئے۔

ایک خوش نویس محمد عالم صاحب جو بہت اچھی کتابت کرتے تھے۔ میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ روزنامہ کوہستان اپنے صفحات میں اضافہ کرنے والا ہے۔ اس وقت انہیں خوش نویسوں کی ضرورت ہوگی اگر آپ وہاں ٹرائی کریں تو ممکن ہے بات بن جائے۔ اس وقت روزنامہ کوہستان ایک بڑا اخبار تھا۔ نسیم حجازی صاحب اس کے ایڈیٹر تھے، یہ اخبار اپنی نئی نئی اختراعوں اور جدت طرازی کے باعث بہت ترقی کر رہا تھا اور اس کی سرکولیشن بھی بہت بڑی تھی۔ اس کے بلند معیار کے باعث یہاں نوکری حاصل کرنا بہت مشکل تھا۔ محمد عالم صاحب کہنے لگے ''میں وہاں جانے کیلئے پر تول رہا ہوں اگر کامیاب ہو گیا تو یہ میری بہت بڑی خوش بختی ہوگی۔ میرا مشورہ ہے کہ تم بھی ٹرائی کرو۔ ممکن ہے بات بن جائے''۔ میں نے کہا ''یار میری کتابت زیادہ اچھی نہیں۔ میں ان کے معیار پر پورا نہیں اتر سکوں گا''۔ محمد عالم بولے ''ٹرائی کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔ یہ آپ کی کسر نفسی ہے کہ آپ کی کتابت کا معیار اچھا نہیں ہے۔ مجھے پوری امید ہے کہ آپ کامیاب ہو جائیں گے۔ یہاں تو تنخواہیں ہی نہیں ملتیں، بھوکے پیٹ ہم کب تک کام کریں گے''۔ مجھے ان کی بات میں معقولیت نظر آئی۔

اس کے بعد میں نے طے کرلیا کہ میں کوہستان میں ضرور قسمت آزمائی کروں گا۔ رات کے کھانے کے وقفے میں جمیل النبی صاحب میرے پاس آئے اور کہنے لگے "اگر آپ نے کہیں اور جاب کرنی ہو تو مجھے بتا کر جایئے گا"۔ شاید اسے سن گن مل گئی تھی کہ بندہ بھاگنے والا ہے۔ انہیں تشویش لاحق ہوگئی تھی کہ اگر لوگ یہاں بھاگنے لگے تو اس اخبار کا کیا بنے گا۔

کوہستان میں ملازمت

"کوہستان" اس وقت کا ایک بڑا اخبار تھا۔ راولپنڈی، لاہور اور ملتان سے روزانہ شائع ہوتا تھا۔ خبروں کی جدت، تصاویر کا صحیح استعمال، فیچرز میں ایک انقلاب آفریں طرح ڈالنے والا یہ اخبار لاہور میں سب سے آگے تھا۔ نت نئے تجربات ہوتے تھے اور اس کی خوبصورتی اور نکھار کیلئے ہر ممکن طریقہ اختیار کیا جاتا تھا۔ لیتھوگرافی میں اس کی اشاعت 14 ہزار روزانہ تھی لیکن جب اسے وِنڈ اٹک پر لایا گیا تو ایک ماہ کے اندر اندر اس کی اشاعت 40 ہزار تک پہنچ گئی اور 1963ء کے وسط تک اس کی اشاعت ایک لاکھ کے قریب پہنچ چکی تھی۔

اخبار کو بہتر بنانے کیلئے دن رات کوششیں ہوتی تھیں۔ اس مقصد کیلئے روزانہ کام شروع کرنے سے پہلے ایڈیٹر صاحب کی صدارت میں جنرل پروموشن سیکشن کی میٹنگ ہوتی تھی۔ اس میں اخبار کی خبروں کے علاوہ اس کے حسن و قبح سے متعلق ڈسکس کی جاتی اور کسی نئے طریقہ کار کو اختیار کرنے سے پہلے بحث ہوتی تھی۔ عنایت اللہ صاحب لندن سے اخبارات منگواتے تھے۔ ان اخبارات کے مطالعے اور ان پر اچھی طرح غور و فکر کرنے کے بعد اپنی تجاویز دیتے جن پر عمل درآمد ہوتا تھا۔ اس دوران پراسس اور پرنٹنگ پر بھی مشورے ہوتے تھے۔ ان امور کے ماہرین کو میٹنگ میں بلایا جاتا تھا۔ وہ ماہرین ممکنہ تبدیلیاں بتاتے تھے۔ اس کیلئے انہیں تجربات بھی کرنے پڑتے تھے۔ شریف گلزار صاحب کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ پہلے پہل اخبار کی سرخیوں میں ریورس اور اسکرین کا استعمال انہوں نے شروع کیا جس سے اخبار کو ایک نیا روپ ملا اور ہر خبر نے اپنی انفرادیت بنالی۔ اس کے علاوہ نہایت دلچسپ اور بہت اہم خبروں کو باکس آئٹم سے مزین کیا گیا۔ قاری باکس آئٹم کو سب سے پہلے پڑھتا تھا اور باکس اس بات کی علامت ہوتا تھا کہ یہ خبر نہایت دلچسپی کی حامل ہوگی۔ اس وقت یہ باتیں کچھ عجیب سی لگیں گی۔ کیونکہ آج اخبارات ان تمام چیزوں سے مزین نظر آتے ہیں بلکہ اب تو زرق برق صحافت کا آغاز ہو چکا ہے، یہ پراسس بہت مہنگا ہے اور اخبار کی قیمت اس کا عشر عشیر بھی نہیں۔ اخباری کاغذ 42 روپے کلو کے حساب سے خریدا جاتا ہے اور 2 روپے کلو ردی میں بکتا ہے۔ مہنگائی کے اس دور میں اخبار چلانا لوہے کے چنے چبانے کے مترادف ہے۔ پھر ہمارے مدمقابل الیکٹرونک میڈیا ہے جو اشتہارات کے بجٹ کا بڑا حصہ لے جاتا ہے لیکن اس وقت پرنٹ میڈیا کا دور تھا۔ ہر اخبار کی اپنی پالیسی ہوتی تھی۔ "کوہستان" نے جب عوامی دلچسپی کے فیچرز کا آغاز کیا تو دوسرے اخبارات نے سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ ہمعصر اخبارات صرف بڑے بڑے لیڈروں کے بیانات ہی شائع کرتے تھے اور انہیں ہی اخبار کے وقار کا ذریعہ گردانتے تھے۔ اسی بناء پر انہوں نے "کوہستان" کو تانگے والے اور ریڑھی بانوں کا اخبار کہنا شروع کر دیا۔ اس طرح انہوں نے "کوہستان" کو طنز و تشنیع کا نشانہ بنایا لیکن جب اس کی اشاعت ڈیڑھ لاکھ سے بھی تجاوز کر گئی تو ان طنز کرنے والے اخبارات کو فکر لاحق ہوئی اور مجبوراً انہیں بھی اپنے اخبارات کو عوامی سطح پر لانا پڑا جس سے اخبارات کے مابین مقابلے کی فضا بن گئی۔

اس ماحول میں بھی عجیب وغریب رنگ دیکھے۔ قابل قدر صحافیوں کے رویّے اور ان کی لیاقت اور قابلیت کا ایک جہان تھا جو صحافت اور اردو ادب میں سنہرا دور کہا جاسکتا ہے۔ نسیم حجازی بہت کم لکھتے تھے لیکن جب اداریہ لکھتے تو اس کی بازگشت کئی روز تک سنائی دیتی۔ نسیم حجازی صاحب کا اپنا ایک قومی اور ملی زاویہ نگاہ تھا۔ وہ ایوب خان سے بھی ذاتی تعلقات رکھتے تھے لیکن اخبار میں ان کی یا کنونشن لیگ کی کوئی حمایت نہیں ہوتی تھی۔

اخبار کے ایڈیٹر ابوصالح اصلاحی صاحب تھے جو امین احسن اصلاحی کے فرزند تھے اور ''آج کی باتیں'' کے نام سے ایک کالم روزانہ لکھتے تھے جو منفرد نوعیت کا ہوتا تھا۔ ایک انفرادیت یہ بھی تھی کی وہ روزانہ اپنے کالم میں دو یا تین نئے الفاظ کا اضافہ کرتے تھے۔

میری توجہ اور دلچسپی کا مرکز وہ لوگ تھے جو سفید ایپرن پہنے۔ ادھر ادھر بڑی تیزی کے ساتھ گھومتے رہتے تھے۔ کھلے کھلے سے چہرے اور ذہانت ان کے بشرے سے پھوٹی پڑتی تھی۔ میں سوچتا تھا کہ اخبار کے دفتر میں ڈاکٹروں کا کیا کام؟ ان کو تو کسی اسپتال میں ہونا چاہئے۔ لیکن پتہ چلا کہ یہ لوگ آرٹ ایڈیٹر ہیں۔ اخبار کو لے آؤٹ دینا، سنوارنا سجانا انہی کا رہین منت ہے۔ ان سے پہلے یہ کام نیوز ایڈیٹر کرتے تھے۔ نیوز ایڈیٹر کو کاپی بھی جوڑنا ہوتی تھی اور قلم سے زیادہ قینچی اور گوند سے واسطہ رہتا تھا۔ اس کا ایک پاؤں نیوز روم اور دوسرا پیسٹنگ ٹیبل کی طرف ہوتا تھا۔ عنایت صاحب چونکہ لے آؤٹ اور ظاہری سج دھج کے بہت دلدادہ تھے۔ اس لئے انہوں نے اس مقصد کیلئے ''آرٹ سیکشن'' قائم کیا۔ خوش نویسوں میں سے پڑھے لکھے لوگ منتخب کئے گئے اور انہیں آرٹ ایڈیٹر کا نام دیا گیا۔ ان کی تنخواہیں بھی دوسروں کے مقابلے میں بڑھادی گئیں۔ عنایت صاحب کا پسندیدہ شعبہ ''آرٹ سیکشن'' قائم ہوگیا تو اس سیکشن میں کئی اضافے کئے گئے۔ تصاویر کی لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا۔ ایک شعبہ پکچر ایڈیٹنگ کے نام سے بھی قائم کیا گیا جو تصاویر اخبار کیلئے آتی تھیں۔ یہ لوگ طے کرتے تھے کہ ان میں سے کون سی تصاویر اخبار میں لگنی چاہئیں اور کتنی لگنی چاہئیں۔ پکچر کے غیر ضروری حصے نکال دیئے جاتے اور تصویر واضح اور مؤثر انداز میں چھاپنے کے قابل ہوجاتی۔

نسیم حجازی

نسیم حجازی صاحب کی وجہ شہرت ان کے ناول تھے۔ ان کا اصل نام محمد شریف تھا۔ بہترین ناول نگار۔ صحافی، ادیب، طنز ومزاح نگار۔ اسلامی تاریخ پر ایک درجن سے زائد ناول تخلیق کئے۔ جن کے تراجم دنیا کی متعدد زبانوں میں ہوچکے ہیں۔ 1946ء سے 1948ء تک کوئٹہ کے ایک ہفت روزہ اخبار تنظیم کے مدیر رہے۔ راولپنڈی کے روزنامہ تعمیر میں 1949ء تا 1952ء کے دورانیہ میں ادارت کے فرائض انجام دیئے اس کے بعد راولپنڈی میں 1953ء میں روزنامہ ''کوہستان'' کا اجرا کیا اور اس کے بانی اور مدیر بنے۔ راولپنڈی اس زمانے میں ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اس وقت تک اسلام آباد دارالحکومت بھی نہیں بنا تھا۔ اس شہر سے ''تعمیر'' اور ''ناقوس'' دو روزنامے پہلے سے شائع ہوتے تھے۔ مکتبہ تعمیر نسیم حجازی صاحب کے اسلامی، تاریخی ناول شائع کرتا تھا۔ عنایت اللہ صاحب بھی اسی ادارے میں کام کرتے تھے نسیم حجازی صاحب کے ناولوں کی زبان پر نظر ثانی منہاج الدین اصلاحی صاحب کرتے تھے۔ اور آخر میں عنایت اللہ صاحب زبان وبیان اور فائنل پروف ریڈنگ بھی خود کرتے تھے نسیم حجازی صاحب کے ناولوں میں انسان اور دیوتا (44ء) محمد بن قاسم (45ء) آخری چٹان (47ء) شاہین (48ء) خاک اور خون (49ء) قیصر وکسریٰ (64ء) یوسف بن تاشفین (51ء) معظم علی

(57ء) آخری معرکہ (53ء) قافلہ حجاز (68ء) اور تلوار ٹوٹ گئی (59ء) اندھیری رات کے مسافر (74ء) کلیسا اور آگ (78ء) اس کے علاوہ طنز و مزاح میں پورس کے ہاتھی۔ ثقافت کی تلاش۔ سفید جزیرہ اور سو سال بعد، شامل ہیں۔ آخری ناول ''زندہ پہاڑ'' گلبدین حکمت یار پر لکھ رہے تھے لیکن وہ بوجوہ مکمل نہیں ہو سکا۔

نسیم حجازی صاحب کوئٹہ میں جمالی خاندان کے لڑکوں کے اتالیق رہے تھے۔ اس بنا پر جمالی خاندان میں ان کا خاص احترام تھا۔ ''کوہستان'' کیلئے ابتدائی چند ہزار کا سرمایہ جمالی خاندان ہی نے فراہم کیا تھا۔ مراد جمالی اس ادارے کے ڈائریکٹر مقرر ہوئے۔ ''کوہستان'' کی اشاعت کا منصوبہ نسیم حجازی اور عنایت اللہ صاحب نے مل کر بنایا تھا۔ یہ اخبار جلد ہی راولپنڈی کا ایک اہم اخبار بن گیا۔ یہ ایک نئی طرز کا اخبار تھا۔ اس کے تمام کارکن بھی نئے تھے لیکن سب میں ایک ولولہ تھا اور یہ سب لوگ نہایت محنتی تھے۔ راولپنڈی میں کامیابی کے بعد ''کوہستان'' کا لاہور سے اجرا ہوا۔ اور اپنی جدت طرازی کے باعث بہت جلد مقامی اخبارات سے سرکولیشن میں آگے نکل گیا۔ اس کے بعد یہ اخبار ملتان سے بھی شائع ہونے لگا۔ اور صورتحال یہ تھی کہ راولپنڈی۔ لاہور اور ملتان میں اس کی اشاعت ایک لاکھ کے قریب پہنچ گئی۔ جس سے دوسرے اخبارات میں کھلبلی مچ گئی۔

''کوہستان'' سے وابستہ چند لوگ اخبار کے دفتر کی بالائی منزل پر رہتے تھے ان میں عنایت اللہ صاحب، منہاج الدین اصلاحی صاحب، عبدالکریم عابد اور عالی رضوی وغیرہ شامل تھے۔ ان سب کی دلچسپی ''کوہستان'' سے تھی۔ اس کی ترقی پر صبح و شام گفتگو جاری رہتی تھی۔ عنایت اللہ صاحب نے انگلستان میں گھوم پھر کر وہاں کی جدید صحافت کو دیکھا بھالا تھا اور اس سے بہت کچھ اخذ کیا تھا وہ چاہتے تھے کہ پاکستانی صحافت کا معیار بھی اسی طرح بلند اور جدید ہو جائے لہٰذا

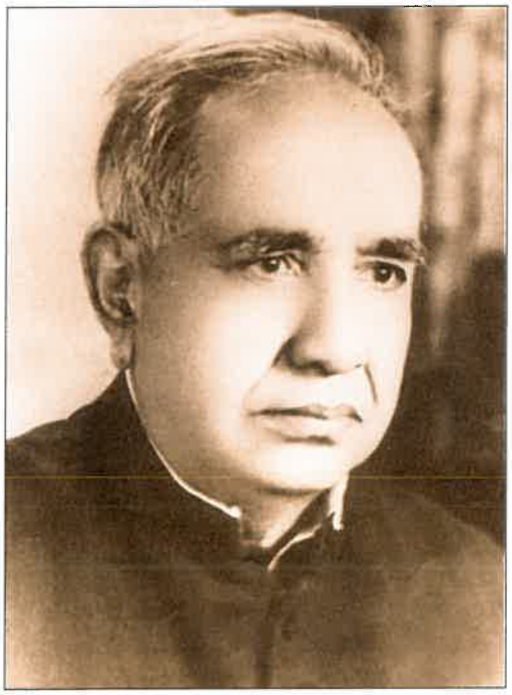

نسیم حجازی

وہ دن رات اس معیار کو اپنانے میں صرف کر رہے تھے۔ عنایت اللہ صاحب کی ٹیم کے ایک اہم رکن اور آرٹ ڈائریکٹر شریف گلزار اخبار کو آفسٹ پرنٹنگ پر لے آئے تھے جس کی وجہ سے اخبار نہایت صاف ستھرا لے آؤٹ اور تصاویر سے مزین ہو گیا تھا اور انہوں نے اخبار کو رنگین بھی کر دیا جس سے اخبار کی اشاعت ایک ماہ میں ڈبل ہو گئی تھی۔ اس ٹیم نے اپنی شبانہ روز محنت سے اخبار کو لاہور کا سب سے بڑا اخبار بنا دیا۔ اس کے صفحات میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ روزانہ 12 صفحات اور سنڈے کو 16 صفحات پر مشتمل ہوتا تھا۔ دوسرے اخبارات اس کی تاب نہیں لا سکے تھے۔ ''کوہستان'' پالیسی کے طور پر بھی اور سیاسی اعتبار سے ایوب خان کے مقابلے میں دولتانہ صاحب کی حمایت کا رجحان رکھتا تھا۔

یہی وہ وقت تھا جب میں ''کوہستان'' میں داخل ہوا۔ یہ کارکنوں کی ایک مثالی ٹیم تھی۔ ہر بڑا اور چھوٹا فرد اس کی ترقی کیلئے کوشاں تھا۔ اچھی تنخواہیں اور اچھا ماحول اس کی ترقی میں مدد ومعاون ثابت ہوا۔ ہر کسی کی بات سنی جاتی تھی اگر وہ قابل عمل ہوتی تو اس پر غور کیا جاتا۔ 1960ء کا ویج بورڈ ایوارڈ نافذ العمل ہو چکا تھا۔ اس وقت میری تنخواہ 250 روپے مقرر ہوئی جو مجھ جیسے چھڑے چھانٹ کیلئے کافی سے زیادہ تھی۔ اس زمانے میں سونے کا بھاؤ 60 روپے فی تولہ تھا۔ اس حساب سے گویا ہر ماہ چار تولے سونے سے زیادہ تنخواہ ملتی تھی۔ اور یہ ایک جونیئر کی تنخواہ تھی۔ سینئرز کی تنخواہیں اس سے کہیں زیادہ تھیں۔ اور اپنی قدر میں اتنی تھی کہ ایک خاندان اچھی زندگی بسر کر سکتا تھا۔ پہلے ویج بورڈ ایوارڈ کے نفاذ پر جسٹس جان محمد نے صحافیوں کے اسٹیٹس کے لئے کم سے کم پر معیار مقرر کیا تھا۔ اس وقت ایک سرکاری اسکول ٹیچر کی تنخواہ 60 روپے ماہانہ تھی اور وہ بھی اس میں اپنی گزر بسر کر لیتا تھا۔

ایسا محسوس ہوتا تھا کہ صرف اخبار ہی نہیں چلایا جا رہا بلکہ یہ اس سے بھی کہیں زیادہ انسٹیٹیوٹ کا درجہ رکھتا ہے۔ ہر شعبے میں نئے آدمی

وزیر محنت نسیم شاد، عبدالرشید شاہد۔ طیب جی اور اظہر سہیل یونین کی حلف وفاداری کے موقع پر

رکھے جاتے تھے اور انہیں اپنے انداز کی ضروری تربیت فراہم کی جا رہی تھی۔ عنایت اللہ صاحب نوجوانوں کو بہت پسند کرتے تھے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ پرانے لوگوں کا تجربہ اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان کی نسبت نوجوان زیادہ محنت سے کام کرتے ہیں۔ اگر ان کی تعلیم قدرے کم بھی ہوتی تو انہیں ہی ترجیح دیتے۔ خاص طور پر رپورٹنگ کے شعبے میں۔ رپورٹر خبر لے آئے اسے اخباری زبان نیوز ڈیسک والے بھی دے سکتے ہیں لیکن خبر کا حصول نوجوان زیادہ آسانی سے کر سکتے ہیں۔

گیمبر کا حادثہ

29 ستمبر 1957ء کو گیمبر میں پاکستان ریلوے کا ایک خوفناک حادثہ ہوا تھا جس میں 300 افراد جاں بحق ہو گئے تھے۔ زخمی اس کے علاوہ تھے۔ اس زمانے میں ریڈیو اور اخبار سے ہی خبر کا پتا چلتا تھا۔ آج کل تو ٹی وی چینل پر فوراً جائے حادثہ کی مکمل رپورٹ دیکھ لی جاتی ہے۔ اس زمانے میں ایسی کوئی سہولت موجود نہ تھی۔ لیکن لوگ اس کا آنکھوں دیکھا حال تو سن سکتے تھے لیکن براہ راست نہیں دیکھ سکتے تھے۔ عنایت اللہ صاحب نے رپورٹر اور فوٹو گرافر کی ایک ٹیم جائے حادثہ پر بھیجی جو اپنے ساتھ مرنے والوں کی تصاویر، ان کے کوائف اور اسٹوریز لے کر آئی۔ تصاویر میں بلکتے سسکتے انسانوں کی داستانیں تھیں اور ان کے ساتھ ہونے والے دردناک واقعات تھے۔ یہ تصاویر جب اخبار میں چھپیں تو ایک تہلکہ مچ گیا۔ دوسرے کسی اخبار نے یہ اہتمام نہیں کیا تھا۔ پورا دن اخبار چھپتا رہا لیکن اس کی طلب میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ یہ پہلا پکٹوریل خبر نما فیچر تھا جو کئی صفحات پر مشتمل تھا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ پاکستان میں تصویری خبریں چھاپنے کی ابتدا ہوئی۔

ڈیرہ غازی خان کے نمائندے نے خبر بھیجی کہ محترمہ فاطمہ جناح

صدارتی انتخابات کی امیدوار ہوں گی۔ اس خبر کی اشاعت کے ساتھ ہی سرکاری حلقوں میں کھلبلی مچ گئی اور ''کوہستان'' پر دباؤ پڑنے لگا کہ اس خبر کی تردید شائع ہونی چاہئے۔ لیکن انہی دنوں میں محترمہ فاطمہ جناح لاہور تشریف لائیں تو انہوں نے ''کوہستان'' کے اس آدمی کو طلب کرلیا جس نے یہ خبر دی تھی۔ مادر ملت نے خبر کی تصدیق نہیں کی لیکن سختی سے کہا کہ اس کی تردید مت کرنا۔ اس کے بعد ''کوہستان'' پر دباؤ پڑنے لگا کہ وہ فاطمہ جناح کے خلاف ایوب خاں کی حمایت کیلئے تیار رہے۔

لیکن عنایت اللہ صاحب اور نسیم حجازی صاحب اس دباؤ کو قبول کرنے کیلئے تیار نہیں تھے۔

پھر انہی دنوں میں ایک ایسا افسوس ناک واقعہ پیش آیا۔ جس نے اس اخبار کی بنیادیں ہلا کر رکھ دیں اور لاہور کے اس بڑے اخبار کو تباہی کے دہانے پر لا کھڑا کیا۔ 1963ء کے مالی سال میں ''کوہستان'' کو ایک بڑا منافع حاصل ہوا۔ ڈائریکٹران کا مؤقف تھا کہ یہ منافع مالکان میں برابر تقسیم کر دیا جائے۔ لیکن عنایت اللہ صاحب کا مؤقف مختلف تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اخبار کو اس مقام پر لانے کیلئے ورکرز نے بڑی محنت کی ہے۔ اس منافع میں ان کا بھی حق بنتا ہے۔ ان کی تنخواہوں میں اضافہ ہونا چاہئے اور آدھا منافع ان کی بہبود پر خرچ ہونا چاہئے۔ اس کیلئے انہوں نے ''کوہستان کالونی'' بنانے کی تجویز پیش کی جس سے کسی بھی ڈائریکٹر نے اتفاق نہیں کیا۔ وہ سارے کا سارا منافع ڈائریکٹران کے مابین برابر تقسیم کے حق میں تھے۔ عنایت اللہ صاحب اس فیصلے سے سخت دلبرداشتہ ہوئے اور ''کوہستان'' کو خیر آباد کہہ دیا اور لندن روانہ ہو گئے۔

یہ ایک ایسا واقعہ تھا جس سے ''کوہستان'' کے عملے کو سخت صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ عملہ دو گروپوں میں تقسیم ہو گیا۔ ''کوہستان'' انتظامیہ کا خیال تھا کہ یہ چلتا ہوا اخبار ہے اگر اس پر کبھی زوال آیا تو اس میں بہت دیر لگے گی۔ لیکن یہ ان کی بڑی بھول ثابت ہوئی۔ ان میں سے ایک گروپ تو سخت مایوسی کا شکار تھا اور انہیں اپنا مستقبل تاریک دکھائی دیا لیکن دوسرا گروپ سخت اشتعال میں تھا۔ ورکرز کی بڑی تعداد عنایت اللہ صاحب کو حق پر سمجھتی تھی۔ نسیم حجازی اور عنایت اللہ صاحب کے اس اختلاف کے باعث تقریباً 97 فیصد ورکرز نے لائن میں کھڑے ہو کر استعفے دے دیئے۔ اور یہیں سے ''کوہستان'' کا زوال شروع ہو گیا۔ کچھ پرانے بااثر لوگوں نے کارکنوں کو منانے کی کوششیں بھی کیں لیکن ثالثی بھی موثر ثابت نہ ہو سکی۔ ''ہمہ یاراں جنت، ہمہ یاراں دوزخ'' کے مصداق کوئی بھی اپنا استعفیٰ واپس لینے پر رضامند نہ ہوا۔ مجھ جیسے چھوٹے کارکن کو منانے کیلئے بھی میرے والد صاحب سے رابطہ کیا گیا لیکن اس اجتماعی فیصلے پر انہوں نے بھی ان کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ اخباری ورکرز کے دل میں عنایت اللہ صاحب کیلئے بڑی قدر تھی اور عنایت اللہ صاحب نے بھی ورکرز کو کبھی مایوس نہیں کیا۔ لندن میں جب انہیں یہ خبر ملی تو ان پر شادی مرگ کی کیفیت طاری ہو گئی۔ انہیں اس بات کی خوشی بھی تھی کہ ورکرز بھی میرے پیچھے پیچھے اس بھرے پرے دفتر کو چھوڑ کر چلے آئے اور انہیں اس تشویش نے گھیر لیا کہ اب ان ورکرز کا کیا ہوگا۔

جگر کا خون دے دے کر یہ بوٹے میں نے پالے ہیں

باغبان اپنے ورکرز کیلئے سخت بے چین ہو گیا۔ اور وہ اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لاہور آ گئے۔ اور آئندہ لائحہ عمل کیلئے اپنے تمام ورکرز کو شیزان ہوٹل میں مدعو کر لیا۔

کوہستان کی زوال پذیری

شیزان ہوٹل لاہور میں کوہستان سے مستعفی کارکنوں کا ایک لشکر جمع

عبدالرشید شاہد (راقم الحروف): ایک اخباری تقریب میں

عنایت اللہ 9 اکتوبر 1920ء کو گوجرہ ضلع گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔ روزنامہ مشرق کا لاہور، کوئٹہ، پشاور اور کراچی سے اجرا کیا۔ کراچی سے اخبار خواتین، لندن سے مشرق اور اخبار وطن نکالا۔ راولپنڈی سے بچوں کیلئے ایک پرچہ ''ہدایت'' جاری کیا۔ 15 جولائی 1972ء کو لاہور میں وفات پائی اور قبرستان شیر شاہ ولی شادمان لاہور میں تدفین ہوئی۔

عنایت اللہ صاحب کی کوئی جائیداد نہیں تھی۔ بینک میں بھی معمولی رقم تھی۔ ان کا اپنا ذاتی کوئی گھر بھی نہیں تھا۔ کرائے کے مکان میں دوسرے غیر شادی شدہ کارکنوں کے ساتھ رہتے تھے۔ ان کی صحت بھی اچھی نہ تھی۔ تپ دق کی وجہ سے ایک پھیپھڑا کاٹ دیا گیا تھا۔ ذیابیطس نے بینائی کو بہت متاثر کیا تھا مگر کام سب سے زیادہ کرتے تھے۔ اور کام کرنے کی امنگ پیدا کرتے تھے۔ انہوں نے اپنے ہی رنگ میں کارکنوں کو بھی رنگ لیا تھا۔ ان کا خاص باورچی محمد طفیل شاد (مرحوم) بتاتا ہے کہ ذیابیطس کے مرض کے باعث ڈاکٹر کی ہدایت پر کریلے اور قیمہ استعمال کرتے تھے اور بلیک کافی انہیں بہت پسند تھی۔ ان کے ساتھی ورکرز ان کی صحت کے بارے میں سخت تشویش میں مبتلا رہتے تھے اور ہر ممکن کوشش کرتے کہ ان کے سامنے کوئی ایسی بات نہ کریں جس سے وہ آزردہ خاطر ہوں۔

نئے اخبار کی تیاریاں ہونے لگیں، پیسے کی سخت دشواری تھی۔ کوہستان سے نکلے تھے تو خالی ہاتھ۔ نسیم حجازی سے اختلافات کے بعد ابو صالح اصلاحی، عرفان غازی، اقبال زبیری، فرہاد زیدی جیسے معتبر صحافی ہی ان کی پونجی تھے۔ حمید اللہ خاں ایم۔اے، لطیف صاحب اور ملک افتخار جیسے بھرپور انتظامی صلاحیتوں کے مالک لوگوں کا ساتھ تھا۔ غرضیکہ ورکرز ہی ان کا اثاثہ تھے۔

ملک افتخار صاحب جو مشرق کے سرکولیشن منیجر تھے۔ ان کا ایک مکان تھا۔ راولپنڈی اور ملتان سے بھی لوگ کوہستان چھوڑ کر آن ملے تھے۔ یہ لوگ اپنی کشتیاں جلا کر عنایت اللہ صاحب کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے۔ مقررین نے کارکنوں کو خراج تحسین پیش کیا۔ ورکرز بالکل مایوس نہیں تھے۔ حالانکہ آنے والے دنوں کیلئے ان کی جیبیں خالی تھیں۔ اس کے برعکس ان کے چہروں پر بشاشت تھی۔ ان کو اپنا روشن مستقبل صاف نظر آ رہا تھا۔ عنایت اللہ صاحب کو اپنے درمیان پا کر انہیں کوئی فکر نہ تھی۔ اپنے سرپرست کو سامنے پا کر انہیں کس بات کی فکر ہو سکتی تھی۔ خود عنایت اللہ صاحب بہت پراعتماد نظر آ رہے تھے۔ انہوں نے اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''اگر مجھے شریف گلزار اور اس ٹیم کا ساتھ میسر ہو تو میں صحرا میں بھی پھول کھلا سکتا ہوں''۔ ان کا اپنی ٹیم پر اعتماد اور یکجہتی کا اظہار اخباری تاریخ میں یادگار رہے گا۔ یہاں ایک نئے اخبار کے اجرا کا بھی اعلان ہوا جس کا نام بعد میں ''مشرق'' طے ہوا۔ جدید اردو صحافت کے بانی

مشرق کے بہترین آرٹ ایڈیٹر شہریار

بہترین سرخی رائٹر صفدر محمود

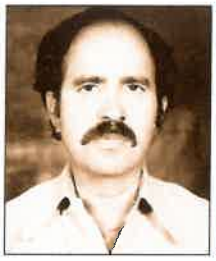

بہترین سرخی رائٹر عبدالرشید رشیدی

بہترین ہیڈ لائن رائٹر نذیر شاہد

بہترین ہیڈ لائن رائٹر محمد عباس

آباؤاجداد کے زمانے سے پرانی انارکلی لاہور میں تھا۔ انہوں نے وہ بیچ دیا اور رقم عنایت صاحب کی خدمت میں پیش کردی۔ جس سے ابتدائی تیاریوں میں کافی مدد ملی۔ بعد میں جب مشرق پر اچھا وقت آیا تو ان کی رقم واپس کردی گئی۔ نسبت روڈ پر ایک پرانی ترک ہوٹل کی عمارت جو کھنڈر بڑی ہوئی تھی کرائے پر حاصل کر کے اس کی مرمت کی گئی اور اسے استعمال کے قابل بنایا گیا۔ پرانے فرنیچر کی مرمت کر کے دفتر میں لگادیا گیا۔

چوہدری ظہور الٰہی نے جو عنایت اللہ صاحب کے دوستوں میں سے تھے پی پی ایل خرید لیا تھا جس کے تحت امروز اور پاکستان ٹائمز شائع ہوتے تھے۔ انہوں نے اپنے پریس میں 6 ماہ کیلئے پرنٹنگ اور کاغذ کی امداد فراہم کردی تھی۔ بعد میں انہیں مشرق کا ڈائریکٹر بھی بنایا گیا اس طرح مشرق کی اشاعت کا اہتمام کیا گیا۔

عنایت اللہ کی اخبار سے دلچسپی کا یہ عالم تھا کچھ دیر کیلئے گھر چلے جاتے۔ پھر اچانک ہی رات کو آکر چھاپہ مارتے۔ رات کی آخری کاپی جب پریس جاتی تو خود بھی اس کے ساتھ چلے جاتے۔ ہم نوجوان بھی ان کے پیچھے پیچھے پریس پہنچ جاتے۔ وہ ہمیں دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔ ہم ضرورت کے چھوٹے موٹے کام کرتے رہتے۔ اخبار کی فولڈنگ، گنتی، بنڈل بنانا یہ سب کام ہم اپنے شوق سے کرتے تھے۔ عنایت صاحب اپنے سامنے پلیٹ بنواتے۔ اخبار جب مارکیٹ میں پہنچتا تو وہاں پہلے سے موجود ہوتے۔ ایجنٹ اور ہاکروں سے گپ شپ کا سلسلہ جاری رہتا اور اخبار کے بارے میں ان کی رائے معلوم کرتے۔ اہم خبروں کیلئے ایجنسی کی رپورٹ کا انتظار نہیں کرتے تھے۔ بلکہ وقوعہ کی جگہ پر فوٹوگرافر اور رپورٹر بھیج کر اپنے ذرائع سے خبر حاصل کرتے۔ یہی وجہ تھی کہ اخبار کے لے آؤٹ اور اس کی کوریج نے قارئین کو متاثر کیا۔

پرچہ مارکیٹ ہو جانے کے بعد ہم نوجوان گوالمنڈی چوک کا رخ کرتے جو پریس سے قریب تھا۔ وہاں پائے بہت اچھے ملتے تھے۔ پائے کے ساتھ تل والے نان بہت مزا دیتے۔ پوری رات کی جگائی اور کام کرتے کرتے تھکن طاری ہوجاتی۔ پائے کھانے کے بعد جو سوتے تو تقریباً 4 بجے آنکھ کھلتی اور پھر دفتر جانے کی تیاریاں شروع کردیتے۔ عنایت اللہ بہت خوش لباس تھے اور اپنے ورکرز کو بھی خوش لباس دیکھنا پسند کرتے۔ لندن سے واپسی پر چھوٹے چھوٹے تحائف لاتے اور اپنے ساتھیوں میں تقسیم کرتے۔

صورتحال یہ تھی کہ جگہ کم تھی اور لوگ زیادہ تھے۔ زیادہ تر لوگ آمنے سامنے بیٹھ کر کام کرتے تھے اور کئی دفعہ انہیں جگہ خالی ہونے کا انتظار کرنا پڑتا تھا۔ خود عنایت اللہ صاحب کا کوئی کمرہ نہ تھا۔ زیادہ تر دفتر میں ٹہلتے رہتے۔ ضرورت کے وقت وہ کسی بھی کمرے میں خالی جگہ دیکھ کر بیٹھ جاتے۔ اکثر دفتر کے باہر کرسی پر بیٹھے رہتے اور آنے والوں سے وہیں مل بھی لیتے تھے۔ کئی لوگوں کو جو اخبار میں کام کرنا چاہتے تھے وہیں پر ان کا انٹرویو ہو جاتا اور وہیں سے انہیں کام پر لگا دیا جاتا۔ وہ

زیادہ رکھ رکھاؤ کو اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ملاقات کیلئے ان کے دروازے ہر کسی پر کھلے رہتے۔ بڑے لوگوں کی محفل میں انہیں کبھی نہیں دیکھا گیا۔کوئی اخبار کی تعریف کرتا تو اس کا کریڈٹ بھی ادارتی عملے اور کارکنوں کو دیتے۔کوئی بااختیار فرد خود دفتر آجاتا تو ابو صالح اصلاحی صاحب یا اقبال زبیری صاحب کو آگے بڑھادیتے۔

عنایت اللہ صاحب اپنے کارکنوں میں گھلے ملے رہتے۔ ہرورکر کو یہ گمان ہوتا کہ عنایت اللہ صاحب مجھ سے زیادہ قریب ہیں لیکن بہرطور ایک فاصلہ ضرور رکھتے تھے۔انہی دنوں کی بات ہے کہ ہمارے بہاولپور کے نمائندے نے شادی کرلی۔عنایت اللہ صاحب کو پتہ چلا تو انہوں نے اسے بلایا اور پوچھا سنا ہے تم نے شادی کرلی ہے۔اس نے اثبات میں جواب دیا۔''تو پھر تم ہماری دعوت کروتا کہ پتہ چلے کہ تمہاری بیوی کتنی سگھڑ ہے اور کچھ پکانا بھی آتا ہے کہ نہیں''۔اس نے دعوت کا انتظام کیا۔کھانے پکوائے اور بڑے اہتمام کے ساتھ ان کے سامنے پیش کئے۔اس سے غلطی یہ ہوئی کہ اس نے یہ معلوم نہیں کیا کہ انہیں کون سے کھانے پسند ہیں۔عنایت اللہ بہت بے باک انسان تھے انہوں نے صاف کہہ دیا کہ یہ کیسا کھانا بنایا ہے۔بوائل انڈے کو نرگسی کوفتے کہتے ہو اور کھیر میں تو بادام تک نہیں ہیں۔انہوں نے یہ سب مذاق میں کہہ دیا تھا۔لیکن اگلی دفعہ جب وہی نمائندہ دفتر آیا اور عنایت صاحب سے ملا تو انہوں نے پوچھا، ہاں بھائی بتاؤ شادی کیسی چل رہی ہے تو اس نے بتایا''میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے''۔عنایت اللہ بھونچکے رہ گئے۔انہوں نے نمائندے کو ڈانٹا یہ تم نے کیا کردیا۔اس نے کہا''سروہ کھانا اچھا نہیں بناتی تھی۔وہ بوائل انڈوں کے شوربے کو نرگسی کوفتے کہتی تھی اور کھیر میں بادام بھی نہیں ڈالتی تھی''۔عنایت اللہ کو چپ لگ گئی تھی وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی علیحدگی کا خود کو ذمہ دار ٹھہراتے۔اور انہیں تمام عمر اس بات کا قلق رہا کہ ایک ذرا سے مذاق سے ایک گھر برباد ہوگیا لیکن بعد میں انہوں نے اس نمائندے کی شادی کروائی اور اس مطلقہ لڑکی کی بھی شادی کروائی۔اور تمام خرچہ اپنی جیب سے ادا کیا۔

کوہستان کی حالت دن بدن زوال پذیر تھی۔اس کی مالی حالت بھی اچھی نہیں رہی۔نسیم حجازی، عنایت اللہ صاحب کے پاس کئی دفعہ آئے۔معافیاں مانگیں۔لیکن عنایت اللہ صاحب نہیں مانے۔انہوں نے کہا کہ جب اخبار ایک دفعہ زوال پذیر ہوجائے تو اسے اٹھانا ممکن نہیں رہتا۔اب واپسی کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔کوہستان اس کے بعد پنپ نہیں سکا۔

کچھ ہی دنوں بعد کوہستان میں ایک خبر شائع ہوئی جس میں میڈیکل طلبا کے تصادم میں 2 طالب علم ہلاک ہونے کی خبر دی گئی تھی۔ ادارے کے خیرخواہوں نے نسیم حجازی صاحب کو روکا کہ یہ خبر صحیح نہیں لگ رہی۔اس کی کسی بھی ذریعے سے تصدیق نہیں ہو پارہی۔بی بی سی اور وائس آف امریکہ سے بھی کوئی ایسی خبر نشر نہیں ہوئی۔اس لئے اس خبر کو شائع نہ کیا جائے لیکن نسیم حجازی نے راولپنڈی، ملتان اور لاہور کے اسٹیشنوں پر حکماً یہ خبر لگوا دی۔ دوسرے دن تمام ذمہ داران ایڈیٹر۔ریذیڈنٹ ایڈیٹر، نیوز ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر گرفتار کر لئے گئے۔ ملتان کے نیوز ایڈیٹر نے اپنی ضمانت قبل از گرفتاری کروالی تھی وہ گرفتاری سے بچ گئے باقی سب گرفتار کر لئے گئے اور کوہستان کی اشاعت پر تین ماہ کے لئے پابندی لگادی گئی۔

اس تین ماہ کے عرصے میں ''مشرق'' کو ایک کھلا میدان مل گیا اور اس کی اشاعت چند ہی روز میں کہاں سے کہاں پہنچ گئی اور اس کا شمار ایک بڑے اخبار میں ہونے لگا۔اگر''کوہستان'' پر پابندی نہ بھی لگتی تو بھی یہ اخبار ترقی کر جاتا۔نسیم حجازی کا صرف نام بڑا تھا۔صحافت کی نزاکتوں کا انہیں کوئی ادراک نہیں تھا۔جبکہ عنایت اللہ صاحب کا نام

بڑا نہیں تھا لیکن ان کا کام بڑا تھا۔ وہ بہت وسیع ذہن کے مالک تھے، صحافت کی اونچ نیچ سے بخوبی واقف تھے اور پھر ان کے ساتھ پوری ٹیم تھی اور انہیں عملی صحافت کا وسیع تجربہ حاصل تھا۔ کوہستان کا عملہ بے روزگار ہوا اور کوہستان کے دفتر کے سامنے انہوں نے احتجاجاً ''کوہستانی پکوڑے'' بیچنے شروع کر دیئے۔ پھر یہ لوگ بھی منتشر ہو گئے۔ اس سے میں نے یہ سبق سیکھا کہ اخبار بڑے نام سے نہیں بلکہ مضبوط ٹیم ورک کے ساتھ چلتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تین پیٹو

روزنامہ کوہستان کی ملازمت کا زمانہ چند ماہ ہی کا تھا۔ 1963ء میں ملازمت شروع بھی کی اور اسی سال چھوڑ بھی دی۔ اس دوران کئی ایسے حضرات سے بھی واسطہ پڑا جو اپنی ذاتی زندگی میں بڑے عجیب و غریب اوصاف کے حامل تھے۔ ان میں سے تین افراد ایسے بھی تھے جو اخبار کے اچھے عہدوں پر فائز تھے اور گہرے دوست بھی اپنے اپنے کام میں بہت ماہر اور ورکرز کے مابین خوشگوار تعلقات رکھنے کے حامل یہ افراد اپنے اپنے شعبوں کے سربراہ بھی تھے اور انہیں نہایت عمدگی سے چلا رہے تھے۔ لیکن اپنی ذاتی زندگی میں بسیار خور مشہور تھے۔ ان میں ایک حمیداللہ خان صاحب تھے جو ایڈورٹائزنگ منیجر تھے۔ دوسرے فنانس منیجر رفیق صاحب اور تیسرے امین کاشمیری جو پریس منیجر تھے۔ ان کی یہ خصوصیت دفتر میں کبھی نظر نہیں آئی۔ تینوں کی شخصیت کا یہ وصف اس وقت کھلا جب ان تینوں کے ایک مشترکہ دوست نے اپنے بیٹے کے ولیمے میں انہیں مدعو کیا۔ ان کے دوست کو یہ معلوم نہیں تھا کہ یہ تینوں بہت بڑے پیٹو ہیں اور اگر اسے ان کے پیٹ کی وسعت معلوم ہوتی تو وہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی منع کر جاتا کہ انہیں کبھی دعوت پر مت بلانا۔ یہ مقررہ دن ولیمے کی تقریب میں پہنچے۔ میزبان دوست نے انہیں بڑی عزت سے بٹھایا اور خوان ان کے سامنے رکھ دیئے۔

ان دنوں لاہور میں کوفتے پالک اور براؤن چاول شادی کی مقبول

مشرق یونین کی ایک تقریب (بائیں سے دائیں) اسحاق شاہد، نواز فاروقی، اسلم پرویز، ظہیرالدین، اقبال قریشی، شمیم احمد، شاکر علی، ارشاد جعفری، اظہر علی، محمد صابر، سلیم ارشد، محبوب علی، احمد اللہ، قاری وشیقۃ الرحمٰن، بلند اقبال، سلام شاد اور محمد اسلم بیٹھے ہوئے: اشرف فاروقی، ارشاد ہاشمی، عبدالرشید شاہد، محمد صدیق بھٹی، احمد خان اعوان

ترین ڈش ہوتی تھی۔ جب یہ کھانے کیلئے بیٹھے تو اپنے دوست سے فرمائش کی کہ بھائی ہمارے لئے کھانا فریش دیگ سے لانا اور چاول کی بھی نئی اور تازہ دیگ ہونی چاہئے۔ اس نے کہا بہت بہتر۔ دوسرے مہمان بھی ان کے ساتھ بیٹھے تھے۔ کھانا میزوں پر لگتے ہی انہوں نے کھانا شروع کر دیا۔ یکے بعد دیگرے قابیں آتی گئیں اور وہ کھاتے چلے گئے۔ دیگر مہمان فارغ ہو کر چلے گئے مگر یہ تینوں ڈٹے رہے۔ ان کے دوست نے انہیں یاد دلایا کہ کھانے کے درمیان پانی بھی پینا چاہئے۔ ایک نے جواب دیا آپ صحیح فرماتے ہیں جب درمیان آئے گا تو پانی بھی پی لیں گے۔

وہ بلاتوقف کھاتے چلے جا رہے تھے۔ اب ان کے دوست کے چہرے پر فکرمندی کے آثار دکھائی دینے لگے۔ کیونکہ ابھی بہت سارے مہمان دوسری شفٹ کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ جو صاحب کھانا نکال کر دے رہے تھے انہوں نے میزبان کو بلایا اور کہا کہ یہ آپ نے کن لوگوں کو بلا لیا۔ دونوں دیگیں خالی ہونے والی ہیں مگر ان کے پیٹ ہی نہیں بھر رہے۔ دوسرے لوگ کیا کھائیں گے۔

دونوں دیگیں ختم ہو چکی تھیں اور یہ ابھی تک بیٹھے ''ھل من مزید'' کی صدا لگا رہے تھے۔ بالآخر ان کے میزبان دوست نے ان کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے اور کہا اگر مجھے آپ کی اس خصوصیت کا علم ہوتا تو یا تو آپ کو مدعو ہی نہ کرتا یا پھر چار پانچ دیگیں اضافی پکوالیتا۔ اس وقت اتنا ہی کھانا تھا جو آپ نے کھا لیا اب مزید نہیں ہے۔ ان تینوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا چلو بھائیو! یہاں تو کھانا ہی ختم ہو گیا۔ دوسرا بولا جب کھانا نہیں کھلا سکتا تھا تو بلایا ہی کیوں تھا۔ تیسرا بولا، چھوڑو یار کوئی بات نہیں، اپنا دوست ہے پھر کبھی سہی۔ میزبان اور دوسرے لوگ انگشت بدنداں تھے کہ انسان ہیں یا جن؟ 100 آدمیوں کا کھانا یہ تین لوگ کھا گئے۔

آخر انہوں نے اپنے میزبان دوست سے اجازت چاہی اور پیدل

روزنامہ کوہستان کے بعد روزنامہ مشرق کے اکاؤنٹنٹ جناب میاں محمد قاسم کیشیئر کی ریٹائرمنٹ کے موقع پر: بیٹھے ہوئے دائیں سے بائیں: مکین احسن کلیم، اقبال زبیری، میاں محمد قاسم، شریف گلزار، بھائی محمد حسین ہیڈ کاتب، کھڑے ہوئے دائیں سے بائیں: حنیف ہزاروی، نذیر گجراتی، شوکت حسین، حاجی محمد دین، قاضی رفیق، منیر فاروقی، برکت علی، اشرف قریشی، بشیر بٹ، زاہد علی رضوی، حبیب الرحمٰن، رشید رشیدی گجراتی، مرزا مختار احمد، عبدالعزیز، محمد عبداللہ، سردار محمد، مولوی منیر احمد۔

ہی واپس چل دیئے۔ ان کے دوست کو اب تک یقین نہیں آ رہا تھا کہ اتنا سارا کھانا کھانے کے بعد وہ اسے ہضم کیسے کریں گے۔ اس نے ایک ہوشیار آدمی کو ان کے پیچھے لگا دیا کہ دیکھو یہ لوگ کیا کرتے ہیں اور اپنے گھر تک پہنچ بھی سکتے ہیں یا نہیں۔ جتنا انہوں نے کھایا ہے کوئی بڑے سے بڑا پیٹو بھی نہیں کھا سکتا۔

وہ شخص ان کے پیچھے ہولیا اور تقریباً ایک گھنٹے بعد واپس آیا تو اس کا سانس پھولا ہوا تھا اور آنکھیں باہر کو ابلی پڑ رہی تھیں۔ اس نے ذرا سا دم لیا اور بتانا شروع کیا۔ ''میں نے انہیں تھوڑی ہی دور جا لیا تھا۔ وہ لوگ چلتے چلتے گوالمنڈی پہنچے اور ایک گاجر کھیر کی دکان پر کھڑے ہو گئے۔ میں ان کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کھانا تو پورا ملا نہیں اور ہمارے میزبان نے میٹھا شاید بنایا ہی نہیں تھا یا بوکھلاہٹ میں ہمیں دینا ہی بھول گیا۔ چلو اب گاجر کھیر سے منہ میٹھا کرتے ہیں۔ انہوں نے بڑے بڑے جہازی سائز کے پیالے کھیر سے بھروائے اور منٹوں میں چٹ کر گئے۔ دوسری دفعہ انہوں نے پھر پیالے بھروائے اور وہ بھی کھا گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں دکاندار کے سامنے پڑا ہوا کھیر کا تھال جو سارا دن مال بیچنے پر ہی ختم ہوتا تھا۔ خالی ہو گیا۔ میں تو یقین کریں ڈر گیا، سر پر پاؤں رکھ کر بھاگا اور یہاں آ کر دم لیا۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں وہ کوئی جن تھے جو انسانی روپ میں یہاں آپ کے دوست بن کر آئے۔ انسان اتنا کھا ہی نہیں سکتا جتنا انہوں نے کھایا ہے۔ اب مجھے بھی کچھ کھانے کو دو میرا بھوک سے برا حال ہو رہا ہے۔''

دوسرے دن میزبان ''کوہستان'' آئے یہ دیکھنے کیلئے کہ ان کا کیا حال ہوا ہے، کہیں بیمار تو نہیں پڑ گئے لیکن وہ تو بالکل ٹھیک ٹھاک تھے۔ مشروبات سے ان کی تواضع کی گئی اور انہیں دعوت دی گئی کہ ابھی تھوڑی دیر میں لنچ ٹائم ہونے والا ہے آپ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر جایئے گا۔ انہوں نے معذرت کی اور چلے گئے لیکن جاتے جاتے ان کا یہ واقعہ چند لوگوں کو سنا گئے۔ پھر کیا تھا، تھوڑی ہی دیر میں ان کا یہ کارنامہ دفتر میں گردش کر رہا تھا۔ بعض لوگ تو بہت متعجب ہوئے اور کئی ایک پرانے لوگوں نے کہا۔ ''اس میں تعجب کی کیا بات ہے، ہم یہ مظاہرہ کئی مرتبہ دیکھ چکے ہیں۔''

عنایت اللہ صاحب بہت خوش لباس آدمی تھے اور اپنے ساتھیوں اور ورکرز کو بھی خوش لباس دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ بات سب لوگوں کو تاکید کے ساتھ کہی گئی تھی کہ ہر آدمی صاف ستھرا اور فریش ہو کر دفتر آئے۔ ایک دن محمد یوسف نامی ایک شخص بغیر شیو بنائے دفتر آ گئے اور کام شروع کر دیا۔ عنایت صاحب سب شعبوں میں ٹہلتے ہوئے لوگوں کی کارکردگی کا جائزہ لیتے رہتے تھے۔ ان کی نظر پڑ گئی۔ انہوں نے شریف گلزار کی توجہ محمد یوسف کی طرف مبذول کروائی۔ عنایت صاحب تو کسی دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ شعبے کے ہیڈ شریف گلزار نے ایک چپراسی کو بلوایا اور ایک خالی ٹوکری اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے سب لوگوں سے کہا کہ آج محمد یوسف کے پاس شیو کے پیسے نہیں ہیں اس لئے ہر آدمی ٹوکری میں ایک ایک آنہ ڈالتا جائے۔ لوگوں نے دھڑا دھڑ پیسے ڈالنے شروع کر دیئے۔ ابھی یہ سلسلہ چل ہی رہا تھا کہ محمد یوسف دفتر سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کوئی ایک گھنٹے بعد واپس آئے تو ان کی شیو بھی بنی ہوئی تھی اور کپڑے بھی دوسرے پہنے ہوئے تھے۔ اس دن کے بعد وہ کبھی بھی بغیر شیو دفتر نہیں آئے۔

عبدالکریم عابد، عنایت صاحب کی اس بات پر بہت نالاں رہتے تھے کہ اتنا بھاری بھرکم اخبار کیوں نکالا جا رہا ہے۔ سولہ سولہ صفحات روزانہ شائع کرنا کاغذ کا ضیاع ہے۔ ایسی زرق برق صحافت آگے جا کر بوجھ ثابت ہوگی اور نوبت یہاں تک پہنچ جائے گی کہ آٹھ صفحات کے اخبار کے لئے کاغذ کی خریداری کے پیسے نہیں ہوں گے۔ پاکستان ایک غریب ملک ہے اور اس میں یہ بوجھ اخبارات کو بہت بھاری

پڑے گا۔ اس وقت ہم کیا کریں گے۔ اس کا فائدہ نہ صحافیوں کو ہوگا اور نہ ملک وقوم کو۔

عنایت اللہ صاحب اس طرح کے خیالات کے اظہار پر بہت برا مانتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اسے بلایا اور بڑے گھمبیر لہجے میں بولے۔ ''پسماندہ ذہنیت کے ساتھ سوچنا چھوڑ دو۔ ہم نے نئی دنیا میں داخل ہونا ہے۔ اس طرح کی سوچ رکھنے والے بہت پیچھے رہ جائیں گے اور نئے خون اور نئی صحافت کے پاس اتنا وقت نہیں ہوگا کہ وہ ایسے لوگوں کا انتظار کریں''۔

اس زمانے میں دوسرے تمام اخبار 8 صفحات پر شائع ہوتے تھے۔ اتوار کو دس صفحے یا کسی نے زیادہ ہمت پکڑی تو بارہ صفحات شائع کر دیئے۔ لیکن ''مشرق'' روزانہ بارہ صفحات اور اتوار کو ایڈیشن کے ساتھ 16 صفحات شائع کرتا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر'' کامیابی چاہتے ہو تو اخبار کو مشکل بنادو۔ اتنا مشکل کہ کوئی مقابلے کی ہمت ہی نہ کر سکے اور رفتہ رفتہ میدان چھوڑ کر بھاگ جائے۔''

عنایت اللہ صاحب ہر شخص کو یہ احساس دلاتے تھے کہ اس کے بغیر اخبار نہیں چھپ سکتا۔ حسن عابدی صاحب کو کام کرتے ہوئے کافی عرصہ گزر گیا تھا لیکن کوئی چھٹی نہیں کی تھی۔ ایک روز وہ دفتر نہیں آئے۔ عنایت صاحب نے ایک آدمی کو ساتھ لیا جنہیں ان کے گھر کا علم تھا۔ جب وہاں پہنچے تو عابدی صاحب بستر میں لیٹے ہوئے تھے اور ہلکی ہلکی حرارت تھی۔ انہوں نے حسن عابدی کا ہاتھ پکڑا اور چل پڑے اور کہنے لگے'' آپ نے یہ بھی نہ سوچا کہ اخبار کیسے چھپے گا۔'' ان کا یہ رویہ تقریباً سب کے ساتھ ہی تھا۔

عنایت اللہ صاحب ہر کارکن کو قریب سے جاننا چاہتے تھے اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتے تھے۔ ان کی ساری دلچسپیوں کا مرکز ''مشرق'' کا دفتر اور ان کا حلقہ احباب ''مشرق'' کے کارکن تھے۔ ہنسی، مذاق نوک جھونک انہی سے ہوتی تھی۔ اس کے باوجود ان سے ایک فاصلہ رکھتے تھے۔

بانیٔ مشرق عنایت اللہ

عنایت اللہ مرحوم کو اردو اخبارات کے لاکھوں قارئین روزنامہ مشرق کے بانی کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ ان میں ایک بڑی تعداد تو شاید یہ معلوم نہ ہو کہ عنایت اللہ صاحب صرف ''مشرق'' کے بانی نہیں تھے بلکہ اخبارات وجرائد کی بنیاد ڈالنا ان کا مشغلہ تھا اور اس کا آغاز 1944ء سے ہوگیا تھا۔ جب وہ کچھ تفریح اور کچھ تلاش معاش کے سلسلے میں کلکتہ پہنچے۔ جناب ممتاز مفتی کا کہنا ہے کہ گوجرہ کے جس اسکول میں وہ استاد تھے۔ عنایت اللہ مرحوم نے ابتدائی تعلیم اسی اسکول سے حاصل کی اور ایک روز انہوں نے جب اس نوعمر طالب علم سے پوچھا کہ تم بڑے ہو کر کیا بنو گے تو اس نے کہا تھا ''میں ایڈیٹر بنوں گا''۔ ممتاز مفتی کہتے ہیں کہ ہم تمام استاد اس لڑکے کی خواہش پر حیران رہ گئے۔ کیونکہ ان دنوں لڑکے عام طور پر ڈاکٹر یا انجینئر بننے کی خواہش کیا کرتے تھے۔ ان میں سے کچھ پائلٹ بننا چاہتے تھے۔ انہوں نے سوچا کہ یہ بچہ عجیب ہے جو ایڈیٹر بننا چاہتا ہے۔ حالانکہ انہیں اس وقت عنایت اللہ کے ایڈیٹر بننے کی کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔

عنایت اللہ کلکتہ پہنچے تو انہوں نے دوسرے مشاغل کے ساتھ ایڈیٹر بننے کے خواب کی راہ بھی نکال لی۔ اپنے دوست حفیظ سرور کے ساتھ مل کر جو ایک اچھے آرٹسٹ اور کارٹونسٹ تھے۔ 1944ء میں انہوں نے بچوں کا ایک ماہنامہ ''بچوں کی دنیا'' جاری کر دیا۔ یہ ماہنامہ صرف اپنے نوعمر ایڈیٹر کے شوق کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بنا بلکہ اس ماہنامے نے اس نوجوان صحافی کی تشکیل کی جو آگے چل کر جدید صحافت کا بانی اور اخباری کارکنوں کا محسن بنا۔

1946ء میں وہ بچوں کے مقبول جریدے ''ہدایت'' کے ایڈیٹر بنے۔ عنایت اللہ ناجو کے نام سے دو سال تک انہوں نے جس محنت سے ''ہدایت'' کی ادارت کی۔ اس کا ذکر آج بھی ''ہدایت'' کے ناشرین بڑے فخر سے کرتے ہیں۔ جنوری 1950ء کے سالگرہ نمبر میں ناشر محمد احسن نے لکھا'' آج بارہ برس گزر گئے ہیں جب میں نے ''ہدایت'' جاری کیا تھا۔ یہ بارہ برس پلک جھپکنے میں گزر گئے۔ جب میں نے کام شروع کیا تو طرح طرح کی مشکلات پیش آئیں لیکن ''ہدایت'' کے ایڈیٹر ناجو صاحب خوب آدمی ہیں۔ انہوں نے ایسی ایسی ترکیبیں نکالیں کہ کام آسان ہوتے گئے۔ انہیں تو گویا کام کا جنون ہے۔ ہر وقت کام سے چمٹے رہتے ہیں۔''

یہ تحریر اس وقت شائع ہوئی جب عنایت اللہ روزنامہ ''تعمیر'' شروع کر چکے تھے۔ ''ہدایت'' کے 1948ء کے آزادی نمبر میں ایک مختصر مضمون شائع ہوا۔ جس کا عنوان تھا ''ماں کی دعا''۔ اس میں عنایت اللہ ناجو کے اپنے کردار کی جھلک ملاحظہ ہو۔ ''اے خدا۔ اے ہمیں پیدا کرنے اور آزادی بخشنے والے، میرے بیٹے کی حفاظت کر۔ ہر جگہ اور ہر وقت وہ جہاں جائے تو اس پر رحمت کا سایہ ڈال۔ رات کو جب وہ تن تنہا پہرے پر کھڑا ہو تو اس سے باتیں کر اور جب وہ ظالم دشمن سے لڑ رہا ہو تو اسے بہادری پر ابھار۔ اے خدا مجھ عاجز کی سن لے اور میرے دل کی باتیں اس کے دل میں ڈال دے۔ مجھے اس پر فخر ہے اور اس کی بہادری پر یقین۔ اے خدا! میری باتیں اس تک پہنچا دے اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہ۔ تاکہ وہ کبھی تجھ سے منہ نہ موڑے اور اسے ایسا بنا کہ وہ اپنے وطن کی خاطر جئے اور اپنے وطن کی خاطر مرے۔ آمین۔ ''ناجو'': آپ نے ایک طویل طبع زاد کہانی ''پہاڑ کی کہانی'' لکھی جسے بعد میں کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا۔ یہ چھوٹے چھوٹے جملوں سے مربوط کہانی تھی جو ''ہدایت'' میں کئی قسطوں میں شائع

بانی مشرق عنایت اللہ، اقبال زبیری اور چینی سفارت کار، ایک تقریب میں

ہوئی۔ ایک اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

''اے صاحبو! چہرہ مہرہ ڈیل ڈول دیکھو تو میں ایک سنگ ریزہ ہوں۔ ایک ننھی منی بے قیمت سی شے۔ جسے آپ دن میں کئی مرتبہ روندتے اور ٹھوکریں مارتے گزر جاتے ہیں۔ لیکن کیسے کہوں اور آپ کو کیونکر یقین آئے کہ آج سے کئی ہزار سال پہلے میں ایک پہاڑ تھا۔ بلندی میں آسمان سے باتیں کرنے والا اور چوڑائی میں دور دور تک پھیلا ہوا۔ لیکن اس بیچ میں مجھ پر کیا گزری اور میں پہاڑ سے ایک سنگ ریزہ کیسے بن گیا۔ یہ ایک دکھ بھری کہانی اور عجیب و غریب قصہ ہے۔''

آگے جا کر لکھتے ہیں۔ ''میرے بڑے بوڑھے کہتے ہیں کہ یہ دنیا جس میں، میں اور آپ رہتے ہیں سورج ہی کا ایک حصہ ہے۔ پہلے پہل نہ تو دنیا تھی نہ چاند اور نہ تارے۔ چاروں طرف سورج ہی کا راج تھا۔ سورج دیکھنے میں آگ کا ایک گولہ ہے لیکن دوستو بڑے کام کی چیز ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو چاند، تارے اور یہ دنیا کہیں دکھائی نہ دیتے اور

شاید ہم آپ بھی نہ ہوتے۔''

عنایت اللہ اپنے آپ کو سنگ ریزہ سمجھتے رہے۔ لیکن اپنے عزم صمیم میں ایک پہاڑ تھے اور پہاڑ کے اس چھوٹے سے حصے نے وحدت فکر کا ایک سلسلہ تخلیق کیا جسے ''مشرق'' کے نام سے جانا جاتا ہے۔ بعض عناصر عنایت اللہ پر الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے صحافت کی اعلیٰ قدروں سے انحراف کیا۔ یہ باتیں وہ محض اپنے ذہن کو مطمئن کرنے اور اپنے آپ کو اپنی جگہ صحیح ثابت کرنے کیلئے کہتے تھے۔ عنایت اللہ نے اخبار کو ذاتیات کے عنصر سے محفوظ رکھا۔ نہ کسی کو گالی دی، نہ کسی کی بے جا خوشامد یا تعریف کی۔ بعض اخباروں میں ان کے خلاف دشنام طرازی کا بازار گرم رہا۔ لیکن انہوں نے کبھی جواب ہی نہ دیا۔ آزادیٔ صحافت کے بارے میں عنایت اللہ کا تصور یہ تھا کہ اخبار کا کاروباری پہلو مضبوط ہو تو وہ آزاد رہ سکتا ہے لیکن اگر وہ کاروباری اعتبار سے کمزور ہو تو دوسروں کا محتاج ہو کر اپنی آزادی سلب کرا لیتا ہے۔ کیونکہ محتاجی ہی دوسروں کا غلام بناتی ہے۔

ان کا ایک نظریہ یہ بھی تھا کہ اخبار نویس کی تنخواہ تھوڑی ہو تو وہ ناجائز ذرائع ڈھونڈتے ہیں لیکن اگر اس کا مشاہرہ معقول ہوگا تو وہ اپنی عزت نفس کو محفوظ رکھ سکتا ہے۔ عنایت اللہ صاحب اشارے کنائے میں بھی اپنے رفقا کو بہت سی اہم باتیں سمجھایا کرتے تھے۔ بہت کم گو تھے لیکن جو بولتے اس میں ہر کارکن کیلئے ایک پیغام ہوتا تھا۔ اگست 1963ء کی ایک طوفانی شام تھی۔ عنایت اللہ کی رہائش گاہ کے صحن میں ایک تن آور بوڑھا درخت طوفانی تھپیڑوں سے لرز رہا تھا۔ عنایت صاحب اپنے چند کارکنوں کے ہمراہ اس منظر کو دیکھ رہے تھے عنایت صاحب نے اپنے ایک ساتھی سے کہا۔ دیکھو، کل تک یہ درخت کتنا مضبوط تھا، اب یہ چند لمحوں کو مہمان ہے۔ آندھی کا ایک تیز جھونکا آیا اور بوڑھا درخت ایک ہولناک آواز کے ساتھ زمین پر آ گرا۔ عنایت صاحب کے ساتھیوں نے کہا اس درخت سے صحن میں کتنی چھاؤں تھی۔ اب کیا ہوگا۔ عنایت صاحب کی آنکھیں نم زدہ ہوگئیں۔ انہوں نے ذرا سا توقف کیا اور منہ پھیر کر کہا، یہ جو نئے پودے ہیں ان ہی میں سے کوئی بڑھ کر اس کی جگہ لے لے گا۔ یہ عنایت صاحب کی طرف سے پرانے ادارے کے انجام کی پیش گوئی تھی اور نئے ادارے کے قیام کا اعلان تھا۔ سب رفقا نے اس اشارے کو سمجھ لیا۔

عنایت اللہ صاحب نے جن نامساعد حالات میں مشرق کا آغاز کیا۔ اس کا اندازہ لگانے کیلئے یہ بات کافی ہے کہ مشرق لمیٹڈ کا ادا شدہ سرمایہ پچاس ہزار روپے تھا۔ اس سرمایہ سے جو اخبار نکلتا وہ پاکستان میں روزانہ 12 صفحات پر شائع ہونے والا واحد اخبار تھا۔ سرمایہ کی کمی عنایت صاحب کی زیر قیادت ان کے ساتھیوں نے اپنی محنت سے پوری کی۔ یہ پودا اتنی تیزی سے بڑھا کہ چند برس میں ایک تناور درخت بن گیا اور اس مضبوط درخت کے زیر سایہ ایک ہزار سے زائد کارکن کام کر رہے تھے۔

ٹیلی ویژن کیلئے ایک انٹرویو میں ان سے سوال کیا گیا کہ ''آپ مشرق کی کامیابی سے پوری طرح مطمئن ہیں۔'' عنایت صاحب نے جواب دیا تھا۔ ''میں اردو زبان میں جو مکمل اخبار بنانا چاہتا تھا وہ تو نہ بن سکا۔ اس میں بعض ایسی دشواریاں ہیں جنہیں ہم عبور نہیں کر سکے۔ تاہم اس حد تک مطمئن ضرور ہوں کہ ''مشرق'' دوسرے اخبارات کے مقابلے میں اس حد تک بہتر ہے کہ اسے بہت قلیل عرصے میں بہت زیادہ عوامی مقبولیت حاصل ہوئی۔ مشرق کی موجودہ اشاعت، آمدنی اور کارکنوں کے بہتر معاوضے اور شرائط کار اس کا ثبوت ہیں۔ انہوں نے کہا ''میں ذرا سی کامیابی پر مطمئن ہو جانے کا قائل نہیں ہوں۔ ہمیں خوب سے خوب تر کیلئے کوششیں کرتے رہنا چاہئے۔''

عنایت اللہ صاحب کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ وہ کاروبار میں دیانت

اور صاف گوئی کو بنیادی اہمیت دیتے تھے۔ ان دنوں پاکستان کے تقریباً سبھی اخبارات سب سے کثیر الاشاعت اخبار ہونے کے دعوے دار تھے۔ عنایت اللہ صاحب نے کہا کہ اچھے اخبار کو چاہئے کہ وہ اپنے قارئین اور مشتہرین کو صاف صاف بتادے کہ اس کی اشاعت کتنی ہے۔ ان دنوں کوہستان کی اشاعت دوسرے اخبارات سے زائد نہ تھی۔ لیکن عنایت اللہ صاحب نے اپنی دیانت اور صاف گوئی کے باعث اخبار کی لوح پر روزانہ تعداد اشاعت شائع کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس تجربہ میں بڑے کاروباری خطرات پوشیدہ تھے۔ انہوں نے دوستوں کی رائے کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے فیصلے پر عمل کیا۔ کوہستان کی لوح پر ہر روز اخبار کی مجموعی اشاعت درج ہوتی رہی۔ اس نے اخبار کے قارئین اور مشتہرین کو اتنا متاثر کیا کہ یہ تعداد روزانہ بڑھنے لگی اور خاص طور پر اشتہارات کی تعداد غیر معمولی طور پر بڑھ گئی اور چند ہی ماہ میں کئی کثیر الاشاعت اخبارات کوہستان سے پیچھے رہ گئے۔

عنایت صاحب ارباب اقتدار سے ملنے میں ہمیشہ گریز کیا کرتے تھے۔ جب تک کوہستان میں تھے اس قسم کی ملاقاتوں کا معاملہ نسیم حجازی کے سپرد تھا اور جب ''مشرق'' کے مینجنگ ڈائریکٹر بنے تو یہ موقف اختیار کیا کہ ایڈیٹر اور صحافتی عملے کے دوسرے ارکان ہی اس کام کیلئے موزوں ہیں۔ ارباب اقتدار ان سے ملاقات کے خواہش مند رہتے تھے اور یہ ہمیشہ اس سے گریز کرتے تھے۔ ارباب اقتدار نے ان سے ملاقات کیلئے کئی مسائل بھی کھڑے کئے لیکن پھر بھی انہیں مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک مرتبہ اس قسم کی غلط فہمی مغربی پاکستان کے گورنر نواب امیر محمد خان کالاباغ کے ساتھ بھی ہوگئی۔ عنایت صاحب حکومتی رویّے سے دلبرداشتہ ہوگئے تھے اور انہوں نے انگلستان جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ حضرات اپنی غلطی پر نادم ہونے کے بجائے عنایت

صاحب کو دوسرے طریقوں سے ''قابو'' کرنے کی کوششوں میں مصروف تھے۔ یہ 1965 کی جنگ کے بعد کا واقعہ ہے۔ اس وقت ملک سے باہر جانے کیلئے NOC ضروری تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنا اثر ورسوخ استعمال کیا اور عنایت صاحب کو سرٹیفکیٹ جاری کرنے سے انکار کر دیا۔ عنایت صاحب کے رفقا نے چاہا کہ وہ بھاگ دوڑ کے سرٹیفکیٹ حاصل کر لیں لیکن انہوں نے منع کر دیا اور کہا کہ ایسے لوگوں کے ہتھکنڈوں کا علاج یہ ہے کہ انہیں نظر انداز کر دیا جائے۔ تا کہ وہ اپنی ناکامی پر خود ہی جلتے اور کڑھتے رہیں۔ اسی دوران میں نواب کالاباغ کے سیکریٹری نے عنایت صاحب کو فون کیا کہ نواب صاحب آپ سے کل دس بجے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ عنایت صاحب نے اس ملاقات کو NOC کے مسئلہ سے متعلق قرار دیا۔ اس لئے سیکریٹری سے کہہ دیا کہ میں لاٹ صاحب سے ملاقات کا خواہشمند نہیں ہوں۔ اس معاملے نے کافی طول کھینچا لیکن عنایت صاحب گورنر سے ملاقات پر رضا مند نہ ہوئے۔ پھر یہ معاملہ یہاں تک پہنچا کہ بعض مشترکہ دوستوں کے ذریعے نواب کالاباغ نے پیغام بھیجا کہ میں نے

اخباری صنعت میں آپ کے تجربات کے متعلق بہت کچھ سنا ہے۔اس کے علاوہ یہ بھی دیکھا کہ دوسرے بہت سے لوگ محض اس بنا پر خواہ مخواہ آپ کی مخالفت کرتے ہیں کہ وہ آپ کے مقابلے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔اس لئے میں ذاتی طور پر آپ سے ملاقات کرنا چاہتا تھا۔ انہوں نے یاددلایا کہ کافی عرصہ قبل ایک مجلس میں جبکہ وہ خود گورنر نہیں تھے۔عنایت صاحب سے ان کی سرسری ملاقات ہو چکی ہے۔لیکن اس وقت معلوم نہ تھا یہ شخص اتنا کامیاب اخبار نویس اور اتنا اچھا منتظم ہے۔ اس لئے دل میں خیال آیا کہ ایسے آدمی سے ملنا چاہیئے اور اب آپ نے گورنر سے ملاقات کے معاملہ میں بے نیازی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اس نے میرے شوق کو اور بڑھا دیا ہے۔اس لئے میری درخواست ہے کہ آپ ضرور میری دعوت قبول کریں۔اس پیغام اور دوستوں کے اصرار پر عنایت صاحب نواب آف کالاباغ سے ملنے گئے۔

اگرچہ عنایت صاحب اس خوشگوار ملاقات کا ذکر اکثر کیا کرتے تھے اور نواب آف کالا باغ بھی ان کی بہت تعریف کیا کرتے تھے لیکن عنایت صاحب دوبارہ کبھی نواب صاحب سے نہ ملے۔ایک مرتبہ کسی دوست نے پوچھ لیا تو کہنے لگے ہمیں اپنے کام سے اتنی فرصت ہی نہیں ملتی کہ گورنروں اور وزیروں کے پیچھے پھرتے رہیں۔

وہ جو صحرا میں پھول کھلا دیتے تھے

عنایت صاحب کے مزاج میں تنوع بہت زیادہ تھا۔ ہر لمحے ان کا ذہن اخبار کی بہتری اسے خوبصورت بنانے اور نت نئی تراکیب اپنانے میں صرف ہوتا۔ایک دن ان کے ذہن میں ایک اچھوتا خیال آیا اور اس پر پوری طرح غور و خوض کرنے کے بعد انہوں نے اس پر عمل درآمد کرنے کا فیصلہ کیا۔

عوام کی ذہنی استعداد بڑھانے اور انہیں شعوری طور پر الرٹ کرنے کیلئے انہوں نے اپنے رپورٹر ریاض بٹالوی کو لوگوں کی نظروں سے وقتی طور پر اوجھل کرنے کا فیصلہ کیا۔ریاض بٹالوی کسی بھی ادارے، عوامی مراکز اور ایسی جگہوں پر گھومتے رہتے جہاں عوام کے لئے دشواریاں

کراچی خوشنویس یونین کے انتخاب کے موقع پر درمیان میں ہار پہنے ہوئے جناب قطب الدین صاحب (صدر خوشنویس یونین کراچی)
بائیں سے دائیں (کھڑے ہوئے) جناب شریف گلزار صاحب، نسیم الحق عثمانی صاحب، قاری وثیقۃ الرحمٰن، محبوب علی خان، تصویب حسین، رئیس احمد، محمد اسماعیل سلفی ودیگر اراکین یونین بیٹھے ہوئے: بائیں سے دائیں احمد اللہ، محمد صدیق چوہدری، عزیز خورد، محمد زبیر کیلانی ودیگر اراکین

موجود ہوتیں۔ ان دشواریوں کی روداد روزانہ اخبار میں چھپتی۔ مثلاً پاکستان ریلوے سے متعلق مسافروں کو جو دشواریاں پیش آتی تھیں ان کی مکمل رپورٹ حاصل کرنے کیلئے وہ قلی کی وردی پہن کر پلیٹ فارم پر بیٹھ گئے اور مسافروں کا سامان اسٹیشن سے باہر تک چھوڑنے کی خدمات انجام دینے لگے۔ مسافروں اور قلیوں کے درمیان کرائے کی مد میں جو تکرار ہوتی اسے وہ اپنی رپورٹ میں شامل کرتے۔ اس کے ذمہ داروں سے عوام سے ہونے والی ناانصافی پر پوچھ گچھ کرتے۔ لیٹ ہونے والی گاڑیوں کے مسافروں کے مسائل یا ٹرین کے نکل جانے سے ان مسافروں کو جن مصائب کا سامنا کرنا پڑتا انہیں تحریر میں لاتے۔ دوسرے دن جب ان کی تصاویر اور مسائل اخبار میں چھپتے تو ایک تہلکہ مچ جاتا۔ اس پر مستزاد یہ کہ ریاض بٹالوی کو پہچان لینے کی صورت میں ادارہ مشرق نے ایک بڑا انعام مقرر کر رکھا تھا جس سے عوام میں دلچسپی بڑھ گئی اور وہ روزانہ اخبار میں یہ دیکھتے کہ آج ریاض بٹالوی نے اپنا دن کہاں اور کیسے گزارا اور کس ادارے کی درون پردہ بدانتظامیوں کو اجاگر کیا۔ ریاض بٹالوی ان جگہوں پر جاتے جہاں عوامی مسائل کے ساتھ ساتھ عوام کی ایک بڑی تعداد بھی موجود ہوتی اور وہ انہی میں گھل مل کر ان کی دشواریوں کو محسوس کرتے اور اسے منظر عام پر لاتے۔ اب اس میں پرائیویٹ کمپنیوں نے بھی انعام دینے کا سلسلہ شروع کر دیا۔ روزانہ کئی کمپنیاں اپنی پروڈکٹس اس انعامی اسکیم میں شامل کروا دیتیں جس سے انہیں بے پناہ پبلسٹی حاصل ہوتی۔ یہ سلسلہ کئی روز تک چلتا رہا۔ آخر ایک دن ایک عوامی جگہ پر جب فوٹو گرافر ان کی تصاویر بنا رہا تھا ایک شخص نے انہیں میک اپ میں ہونے کے باوجود پہچان لیا اور ریاض بٹالوی سے لپٹ گیا۔ ریاض بٹالوی نے اسے بہت سمجھایا کہ ''ٹھیک ہے تم نے مجھے پہچان لیا اب میرے ساتھ ''مشرق'' کے دفتر چلو اور تمہیں انعامات وغیرہ مل جائیں گے'' مگر وہ تو ایسا لپٹا کہ چھوڑنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا۔ آخر پولیس کو بلوانا پڑا تب ریاض بٹالوی کو اس کے شکنجے سے چھڑوایا جا سکا۔

اس تجربے کے بعد فیچر سازی کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا۔ ان میں وڈیروں۔ جاگیرداروں اور ملک دشمن عناصر کے ہاتھوں برباد ہونے والے مظلوموں کی داستانیں عوام کے سامنے لائی گئیں۔ یہ سلسلہ بھی عوام میں بہت مقبول ہوا۔ جس کی بعد میں پی ٹی وی نے ''اندھیرا اجالا'' کے نام سے ڈرامائی تشکیل کی۔ حقیقت پر مبنی یہ ڈرامے عوام نے اتنے پسند کئے کہ جس دن یہ ڈرامہ دکھایا جاتا۔ بازار بند اور سڑکیں ویران ہو جاتیں۔

عنایت اللہ صاحب کے فکر رسا ذہن نے نئی نئی جدتیں اور تمام پہلوؤں کا احاطہ کرنے کیلئے دن رات ایک کر دیا۔ ان کے رفقا ان کی اختراعوں اور منصوبوں پر عمل درآمد کرنے کیلئے ہمہ وقت تیار رہتے۔ ایک ایک چیز پر پوری توجہ دی جاتی اور اس پر عمل کیلئے پوری دیانت داری برتی جاتی۔

''مشرق'' جو روزانہ بارہ صفحات پر مشتمل ہوتا تھا اس میں پہلی مرتبہ خواتین کیلئے ایک پورا صفحہ رکھا گیا۔ یوں تو اخبار میں بہت سی باتیں چونکا دینے والی تھیں لیکن خواتین کا اخبار، سب سے زیادہ حیران کن تھا۔ پہلے شمارے کی اشاعت سے ہفتہ دس دن پہلے عنایت اللہ صاحب نے جب اخبار کی ترتیب و تدوین کے لئے اپنی ''ٹیم'' کو کام پر لگایا اور کہا کہ اس میں خواتین کا اخبار بھی ہو گا تو سبھی چونک پڑے۔ حیرت یہ تھی کہ پورا صفحہ ہو گا اور اس سے بھی زیادہ حیران کن بات یہ کہ ہر روز ہو گا۔ جس کارکن کے ذمے یہ کام لگایا گیا، اس کے پاؤں تلے سے زمین سرک گئی۔ لیکن عنایت اللہ صاحب کا کمال یہ تھا کہ وہ کارکن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر اس کے رگ و پے میں بجلی بھر دیتے اور اس میں بے پناہ خود اعتمادی پیدا کر دیتے تھے۔ پھر اس کیلئے دنیا کا کوئی

کام مشکل نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ یہی ہوا کہ اخبار کی تیاری کا کام شروع کر دیا گیا۔

عنایت اللہ صاحب کہا کرتے تھے کہ آنے والا دور خواتین کی صحافت کا دور ہے۔ ہمارے اخبارات نے ملک کی نصف آبادی اور اس کے مسائل کو بہت دنوں تک نظر انداز کئے رکھا ہے۔ اب یہ نہیں ہوگا۔ آپ دیکھیں گے کہ آج جس کام کی طرح آپ ڈال رہے ہیں۔ کل سبھی اس کی تقلید کریں گے۔ ان کا کہا حرف بحرف صحیح ثابت ہوا۔ اس کے بعد دوسرے روزناموں کو بھی اپنی اشاعت اور مقبولیت کو برقرار رکھنے کے لئے خواتین کا اخبار نصف صفحہ یا چوتھائی صفحہ کے برابر برا بھلا جیسا بھی ممکن ہوا نکالنا پڑا۔ اس عمل سے خواتین صحافیوں کی ایک کھیپ وجود میں آ گئی جو بہت جلد ہی اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے لگیں۔ آج پاکستان کے ہر اخبار میں خواتین کی ایک بڑی تعداد اپنے فرائض انجام دیتی نظر آ رہی ہے۔ کئی پرچے ایسے بھی ہیں جو صرف خواتین کے لئے شائع ہو رہے ہیں اور ایک بڑی تعداد ان کے مطالعے سے اپنے علم میں اضافہ اور ذوق مطالعہ سے تسکین حاصل کر رہی ہے۔ اس صفحے کا ایک دلچسپ کالم ''آج کیا پکائیں'' کے نام سے شروع کیا گیا۔ یہ سوال ایسا تھا کہ ہر گھر میں ہر خاتون کو صبح ناشتہ کی میز پر درپیش ہوتا تھا۔ کم خرچ، متوازی اور خوش ذائقہ غذا جو کنبے کی صحت کی ضامن ہو۔ اس کالم میں خواتین کو کھانے پکانے کے مشورے دیئے جاتے تھے۔ اس وقت یہ کالم ایک ابتدا تھی جس سے خواتین کو روز کے اس مسئلے سے نجات دلائی گئی اور آج اس موضوع پر کئی ماہنامے نکل رہے ہیں۔ اب تو خواتین اس مسئلے سے بھی دوچار ہیں کہ کیا پکائیں اور کیا نہ پکائیں۔ لیکن سمجھدار خواتین کم خرچ اور لذیذ کھانوں کا ہی انتخاب کرتی ہیں۔

عنایت صاحب نے ''مشرق ریڈرز سروس کے نام سے اخبار میں ایک کالم شروع کیا۔ اس کے مندرجات کی وہ خود نگرانی کرتے تھے اور اس کے دائرہ عمل کو انہوں نے اتنی وسعت دی کہ مشرق کا یہ کالم ایک باقاعدہ تحریک کی شکل اختیار کر گیا۔ اس شعبہ کی نگرانی کے لئے ادارے کے ایک سینئر رکن کو مامور کیا گیا جس نے ہزاروں بیواؤں، یتیموں اور نادار لوگوں کو ایسے ایسے مخیّر حضرات سے متعارف کرایا جو ضرورت مندوں کی امداد کے خواہاں تھے، لیکن انہیں امداد کے لئے صحیح افراد کا انتخاب کرنے میں دشواری پیش آتی تھی۔ ریڈرز سروس نے تقسیم ہند کے وقت بچھڑ جانے والے سینکڑوں بچوں اور بچیوں کو ان کے ماں باپ اور بہن بھائیوں سے ملایا۔ گھروں سے بھاگی ہوئی سینکڑوں نوجوان لڑکیوں کو جو گھریلو حالات یا فلموں میں کام کرنے کے شوق میں خاندانی عزت و ناموس کو داؤ پر لگا بیٹھی تھیں آبرومندانہ طور پر محفوظ مقامات پر پہنچایا اور والدین کے حوالے کیا۔ بعض افراد کا گمشدہ سامان جس میں سائیکل کی چابی سے لے کر شادی بیاہ کے زیورات اور کپڑوں سے بھرے باکس تک ہوتے، مالکوں تک پہنچائے گئے۔ مشرق ریڈرز سروس رابطے کا بہترین ذریعہ ثابت ہوا۔ اس کی بدولت نیک نیت تانگے والوں اور رکشا ٹیکسی ڈرائیوروں کو سہولت حاصل ہوگئی۔ کوئی سواری ان کے تانگہ رکشا یا ٹیکسی سے اترتے وقت جو سامان بھول جاتی تھی اسے اس ریڈرز سروس کے ذریعے مالک کے حوالے کر دیا جاتا۔ ''مشرق ریڈرز سروس'' کے ذریعے ہزاروں طلبا کو اپنی تعلیم جاری رکھنے کیلئے کتابیں اور وظائف حاصل ہوئے۔ اور اس سروس نے لاتعداد سماجی خدمات انجام دیں۔

عنایت اللہ صاحب آزادئ صحافی کو بہت پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ ''صحافت پیشے کے اعتبار سے ایک مشن ہے اور کاروباری تقاضوں کے مطابق ایک صنعت کی حیثیت رکھتی ہے۔'' وہ صحافت میں انقلابی تبدیلیاں لانے کے خواہش مند تھے جس سے ہم

کراچی آمد کے بعد: عرفان احمد خاں اور مشتاق باغی

ترقی یافتہ صحافت کی صف میں کھڑے ہوسکیں۔ وہ دفتر میں گھوم پھر کر کارکنوں کی کارگزاری چیک کرتے رہتے۔ کبھی ایک شعبے کو، اور کبھی دوسرے شعبے کو جہاں کہیں انہیں کوئی خرابی نظر آتی۔ براہ راست ورکر کو کچھ نہیں کہتے تھے بلکہ شعبے کے انچارج کو اس مسئلے سے آگاہ کرتے۔ اکثر ان کا جملہ یہ ہوتا تھا ''لو جی! بندہ پھڑیا گیا جے'' (یہ لیجئے! گڑبڑ کرنے والا پکڑا گیا) پھر انہیں اس ''گڑبڑ'' سے آگاہ کرتے۔ کبھی براہ راست ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتے تھے۔ ان کی شخصیت میں قدرتی ایک رعب سا تھا۔ کوئی بڑا ہو یا چھوٹا ان کا احترام ملحوظ رکھتا تھا۔ اپنی غلطی پر اس قدر شرمندگی سے دوچار ہوتا کہ سامنے آنے کی تاب نہیں لاسکتا تھا۔ ورکر کا چہرہ دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیتے کہ آج اس کا کیا موڈ ہے۔ اور آج اس کے کام کا معیار کیا ہوگا۔ شاعر کے بارے میں فوراً فتویٰ سنا دیتے کہ یقیناً نالائق ہوگا۔ بلا کے شخصیت شناس تھے

ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

ان کے ایک دو جملے سن کر آدمی کا ذہن کام کرنے لگا جاتا۔ ہمارے دوست استاد محمد یعقوب دفتر میں داخل ہوئے۔ گیٹ کے سامنے عنایت اللہ صاحب کرسی ڈالے بیٹھے تھے۔ انہوں نے یعقوب صاحب کا سر سے پاؤں تک جائزہ لیا۔ انہیں صاف ستھرا لباس پہنے اور فریش موڈ میں دیکھ کر گویا ہوئے۔ ''آج تو اخبار بہت خوبصورت تیار ہوگا'' وہ ایسے ہی جملے کہہ کر ورکرز میں اچھا کام کرنے کی امنگ پیدا کرتے تھے۔ ان کی ہمہ وقت قربت سے ان کے رفقا میں بھی ایسی صلاحیتیں پیدا ہوگئی تھیں کہ کام کی رفتار بڑھانے اور کاپی بروقت ڈاؤن کرنے کے نادر نسخے ان کے ذہن میں پیدا ہوتے رہتے تھے۔

ایک دن عنایت اللہ صاحب کے قریبی ساتھی حمید اللہ خاں صاحب نے جنہیں ہم پیار سے ''ہنگامہ'' کہا کرتے تھے دفتر میں داخل ہوتے ہی شور مچا دیا کہ ''لگانے والے کو ملے گا''

''لگانے والے کو ملے گا'' بھاری بھرکم شخصیت۔ بھاری بھرکم آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ سب لوگ انہیں بہت احترام دیتے تھے۔ انہوں نے پھر آواز لگائی ''لگانے والے کو ملے گا'' نیوز ایڈیٹر نے پوچھا ''سر کیا ملے گا'' انہوں نے سو روپے کا نوٹ جیب سے نکالا پہلے انہوں نے اسے چاروں طرف پھرایا پھر کہا۔ ''لگانے والے کو ملے گا۔ سو روپے کا نوٹ ملے گا'' نیوز ایڈیٹر نے پوچھا ''سر کیسے ملے گا'' کہنے لگے اگر تم لوگ آخری کاپی مجھے دو بجے دے دو تو یہ نوٹ آپ لوگوں کو مل جائے گا۔ اور اس سے تم لوگ کھاؤ پیؤ گے اور عیش کرو گے'' انہوں نے نوٹ ٹیپ سے درمیانی دروازے میں لگا دیا۔ پھر تو لوگوں میں ایک کرنٹ پیدا ہوگیا۔ اس زمانے میں سو روپیہ کی بہت قیمت ہوتی تھی۔ مزدور 4 روپے دیہاڑی پر کام کرتا تھا۔ دو آنے

سیر دہی اور دو آنے سیر دودھ ملتا تھا۔ تین روپے کلو چھوٹا گوشت جبکہ سبزی تول کر نہیں ملتی تھی بلکہ دکاندار بغیر تولے 4 آنے کی دے دیتا تھا جو آج کل سو روپے کی ملتی ہوگی۔

لوگ بجلی کی تیزی کے ساتھ کام کرنے لگے اور انہوں نے کسی نہ کسی طرح دو بجے کاپی حمید اللہ خاں کے ہاتھ میں پکڑا دی۔ اور سو روپے کے حق دار ٹھہرے۔ اس سو روپے کا فروٹ منگوایا گیا جو لوگ ٹوکریوں میں بھر کر گھر لے گئے۔ وہ لوگ اس طرح سے ورکرز میں کام کرنے کی اسپرٹ پیدا کرتے تھے۔ حمید اللہ خاں جیسے ہی دفتر میں داخل ہوتے لوگوں کے چہرے خوشی سے کھل اٹھتے اور ایک نعرہ بلند ہوتا لو جی ''ہنگامہ'' آ گیا ہے۔

کراچی کی طرف کوچ

1965ء کی جنگ ختم ہوئے تین ماہ گزر چکے تھے لیکن اس کی بازگشت اب بھی سنائی دے رہی تھی۔ ایک دن دفتر پہنچا تو عنایت اللہ صاحب ایک نیا منصوبہ بنائے بیٹھے تھے۔ کراچی سے خواتین کیلئے ایک میگزین کا اجرا مقصود تھا۔ ''اخبار خواتین'' نام تجویز ہوا۔ اس کے عملے کے کارکنوں کا انتخاب ہو رہا تھا۔ کئی لوگوں کے نام سامنے آئے۔ بعض نے اپنی مجبوریاں بتائیں اور اکثر نے اس منصوبے میں شامل ہونے کیلئے حامی بھر لی۔ میرا نام بھی اس میں شامل تھا۔ نئے شہر کو دیکھنے کیلئے دل میں مسرت انگڑائیاں لینے لگی۔ لوگوں سے سنا تھا کہ بہت خوبصورت شہر ہے اور ہمارا دار الخلافہ بھی رہ چکا ہے۔ بڑی بڑی عمارتیں، بڑے بڑے ادارے اور خوبصورت بازاروں کے تذکرے ہم وہاں سنتے رہتے تھے۔ کلفٹن، منوڑا کے قصے بھی سن رکھے تھے۔ منگھو پیر کی جوؤں کے تذکرے بھی سنے تھے اور آج ان کو دیکھنے کیلئے ایک بنیاد فراہم ہو رہی تھی۔ سب تیاریاں مکمل ہو گئیں۔ میں نے بھی

کلفٹن کراچی کی سیر: عبدالرشید شاہد، سیف اللہ اور طاہر زیدی

رخت سفر باندھا اور دوسرے کارکنوں کے ساتھ گاڑی میں سوار ہو گیا۔ لاہور چھوڑنا بہت مشکل ثابت ہوا۔ لاہور کے در و دیوار اور وہاں کی انفرادی سرگرمیوں سے ایک انس پیدا ہو گیا تھا۔ جس جگہ ایک طویل عرصہ اچھے برے دن گزارے ہوں اسے چھوڑنے پر دل آمادہ نہیں ہوتا۔ جیسے جیسے گاڑی کراچی کی جانب بڑھتی گئی۔ میرا دل ڈوبتا چلا گیا۔ لاہور کی یادیں امڈ امڈ کر آنے لگیں۔ لاہور کا باغ جناح جہاں میں اکثر جایا کرتا تھا اور یہ میری سب سے پسندیدہ جگہ تھی۔ منٹو پارک۔ شاہی مسجد کے دلفریب مینار۔ شاہی قلعہ، جہاں ہم پورا پورا دن گزار دیتے تھے۔ ایک دبدبہ تھا جو اس پرشکوہ قلعے میں نظر آتا تھا۔ لگتا تھا کہ واقعی بادشاہوں کے رہنے کی جگہ ہے۔ سرکلر روڈ اور اس کے

ہی اپنی منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ یہ ڈرگ روڈ (اب شاہراہ فیصل) پر نرسری کے قریب برلب سڑک ایک کوٹھی تھی۔ جسے کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔ جس میں کافی کمرے تھے۔ کشادہ، چھوٹے بھی اور بڑے بھی۔ کچن بھی تھا اور ایک خوبصورت لان بھی جسے دیکھ کر طبیعت خوش ہوگئی۔ یہ ہمارا دفتر بھی تھا اور رہائش گاہ بھی۔ تقریباً آدھے کمرے ہمیں رہائش کیلئے دے دیئے گئے جس میں ہر کمرے میں دو دو، تین تین آدمیوں کو رکھا گیا۔ حمید اللہ خان نے سب حضرات کیلئے بیڈز اور بستروں کا انتظام دفتر کی طرف سے کر دیا۔ میں نے عرفان احمد خان کے ساتھ رہنا پسند کیا۔ جو نہایت خوش طبع اور نیک فطرت انسان ہیں۔ خطاطی اور ڈیزائننگ پر انہیں عبور حاصل تھا۔ باقی دن تو ہم نے سیٹنگ میں گزارا۔ دوپہر اور رات کا کھانا نرسری کے کسی ہوٹل سے منگوایا گیا، لیکن ساتھ ہی ہمیں یہ کہا گیا کہ بازار کا کھانا آپ لوگ زیادہ دن تک نہیں کھا سکیں گے۔ اس لئے ایک میس بنایا جائے۔ کچن موجود ہے، سب کا کھانا آپ میں سے کوئی ایک آدمی پکا لے اور سب مل کر کھائیں۔ ہمیں ایک خاندان کے طور پر یہاں رہنا ہوگا۔

اخبارِ خواتین کی تیاریاں

کراچی ہمارے لئے نیا شہر تھا اور ہم کراچی میں نو وارد تھے۔ لاہور کی نسبت کراچی کا مزاج بالکل مختلف تھا۔ لاہور میں ہم جب تک لسی یا دودھ نہ پی لیتے، چین نہیں آتا تھا۔ اس کے برعکس یہاں چائے کو فوقیت حاصل تھی۔ کسی سے ملنے جاتے تو وہ صرف انگلی کھڑی کرتا یا آواز لگاتا دو چائے مارو۔ اگلے ہی منٹ میں ایک پرانی اور چھوٹی سی کیتلی میں چائے آجاتی جس کے ساتھ پیالیاں جس میں صرف ایک گھونٹ چائے ڈالی جاسکتی تھی، بھر کر سامنے رکھ دی جاتیں۔ چائے ایک ہی گھونٹ پینے کے بعد ختم ہوجاتی۔ اس کے بعد ہم سوچتے کہ اب کیا کریں یہ تو ختم ہوگئی۔ یہاں ایک دوسرے کی خاطر مدارت چائے سے ہی کرنے کا رواج تھا۔ قلیل مقدار ہونے کے سبب اس کا بار بار پینا گراں نہیں گزرتا تھا۔ جبکہ لاہور میں چوبیس گھنٹے میں ایک کپ یا زیادہ سے زیادہ دو کپ پیتے تھے۔ وہ بھی اس لئے کہ ہم اخبار میں رات کی ڈیوٹی کرتے تھے۔ اور رات جگائی ہوتی تھی۔ لاہور میں لسی کے علاوہ دیگر انواع و اقسام کے شربت بہت پیئے جاتے تھے۔ صندل کا شربت، بزوری کا شربت، خشخاش کا شربت، آلو بخارے کا شربت، کانجی، سردائی اور کئی دیگر مقامی مشروبات جس سے فرحت کا احساس ہوتا تھا۔ لیکن یہاں تو گرما گرم چائے تھی۔ جس سے منہ میں کڑواہٹ گھلی رہتی تھی۔ مجبوراً چائے ترک کرنا پڑی لیکن یہاں کی نم آلود ہوا نے جسم سے پھرتی کم کردی۔ ایسا لگتا تھا کہ جسم کو زنگ لگ گیا ہو ایک تھکن ہر وقت سوار رہنے لگی۔ لاہور میں صبح کو فریش اٹھتے تھے اور اٹھنے کے بعد دوبارہ سونے کا تصور بھی نہ تھا لیکن یہاں جب صبح اٹھتے تو ایسا لگتا تھا کہ رات ہم نے لاک اپ میں گزاری ہو اور پوری رات ہماری چھترول ہوتی رہی ہو تھکن سے برا حال ہوتا۔ لہٰذا پھر کروٹ بدل کر سو رہتے۔ تھکے ہوئے جسم اور بھاری دماغ کے ساتھ اٹھتے۔ پھر کسی نے سمجھایا کہ یہاں کی مرطوب آب و ہوا کی وجہ سے آدمی تھکا تھکا رہتا ہے۔ ایوب خان نے اسی وجہ سے دارالخلافہ اسلام آباد منتقل کر دیا تھا۔ مرطوب آب و ہوا کے باعث یہاں کثرت سے چائے کا استعمال ناگزیر ہے۔ چائے پینے کے بعد آدمی اپنے آپ کو چاق و چوبند محسوس کرتا ہے۔

یکے بعد دیگرے بہت سے لوگ اکٹھے ہوتے جا رہے تھے۔ جن کے نام سے تو ہم آشنا تھے لیکن انہیں پہلے کبھی دیکھا نہیں تھا۔ ابن انشاء، ابراہیم جلیس۔ علی سفیان آفاقی اور اسی پائے کے دیگر ادیب اور کالم نگار۔ کچھ عرصے بعد عبدالکریم عابد بھی شامل ہوگئے تھے۔ عنایت

اللہ صاحب کی سربراہی میں کسی اجنبیت کا احساس نہیں ہو رہا تھا۔ سب لوگ ہمارے دیکھے بھالے تھے۔ پہلے ان کے ساتھ چند گھنٹوں کا ساتھ رہتا تھا اب دن رات ایک ہی چھت کے نیچے رہتے تھے۔ مسرت جبیں ایڈیٹر مقرر ہوئیں۔ حمید اللہ خاں صاحب انتظامی امور میں لگ گئے۔ فرہاد زیدی صاحب نے ایڈیٹوریل سنبھالا۔ شریف گلزار صاحب دن رات اپنے ساتھیوں کے ساتھ کتابت اور لے آؤٹ کے شعبے کو بریف کر رہے تھے۔ عرفان احمد خان سرخیوں کی آرائش میں دن رات اپنی صلاحیتیں بروئے کار لا رہے تھے۔ میں ان کا اسسٹنٹ تھا۔ شریف گلزار صاحب ہمارے استاد بھی تھے اور باس بھی۔

وہ ''اخبار خواتین'' کو ایسا بنانا چاہتے تھے کہ وہ اخبار بھی ہو اور خواتین کی ضرورت کا میگزین بھی ہو۔ خواتین کے مسائل۔ خواتین کی ضروریات۔ خواتین کی دلچسپیاں۔ سبھی چیزوں پر غور ہو رہا تھا۔ ماڈل صفحات تیار کئے جا رہے تھے۔ آرٹسٹوں میں مشتاق علی اور حسن رضا خان کو لاہور سے بلوایا گیا۔

حسن رضا خان ایک مرنجاں مرنج قسم کی شخصیت تھی۔ وہ بیک وقت آرٹسٹ اور لے آؤٹ ماسٹر بھی تھے۔ بے شمار فلموں میں کام کر چکے تھے۔ ٹی وی ڈراموں میں ان کی اداکاری حقیقت کے قریب ہوتی تھی۔ حالانکہ وہ سیاہ بجھنگ اور موٹاپے کا بھرپور شاہکار تھے۔ لیکن چستی بدرجہ اتم موجود تھی۔ کبھی تساہل کا شکار نہیں ہوئے۔ بات کرتے تو بات کو پوری طرح تول کر کرتے تھے۔ بے حد مہذب اور اخلاق کے حامل حسن رضا خان انتہائی متاثر کن شخصیت تھے۔ ان کا کراچی آنا ہمارے لئے بہت اچھا ثابت ہوا۔ ان کی وجہ سے رونق دو چند ہوگئی تھی۔ ایک ہنسی مذاق اور لطیفے بازی ہر وقت ہوتی رہتی تھی۔ مشرق لاہور سے ہمایوں فر کو بھی بلوا لیا گیا۔ غرض لوگ اکٹھے ہوتے گئے اور کارواں بنتا گیا۔ عنایت اللہ صاحب نے چھانٹ چھانٹ کر ہیرے اکھٹے کئے تھے۔ انہیں پالش کیا اور انہیں ان ذمہ داریوں سے آگاہ کرتے اور ان کی پوری طرح رہنمائی کرتے۔ بے شک یہ کام اخبار سے ملتا جلتا تھا مگر اپنے موضوع کے اعتبار سے منفرد تھا۔ خواتین کے پرچے میں جو لوازمات ہونے چاہئیں۔ وہ سب اکھٹے کئے گئے۔

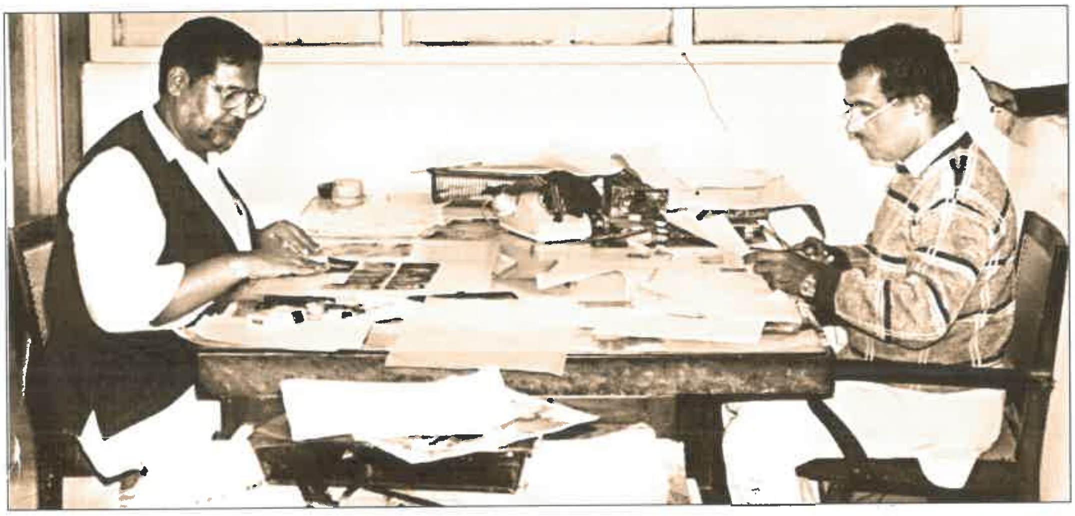

دو دوست: محمد اسحاق شاہد۔ عبدالرشید شاہد۔ اخبار خواتین کے صفحات تیار کرتے ہوئے

انہیں لے آؤٹ میں ڈھالا جا رہا تھا۔ بے شک ابھی پرچے کا اجرا نہیں ہوا تھا لیکن ان کی تیاری اور ان کا تسلسل برقرار رکھنے میں اتنا وقت اور اتنی محنت صرف ہو رہی تھی کہ رات کے آخری پہر تک چلتی رہتی۔ عنایت اللہ صاحب صبح 8 بجے دفتر پہنچ جاتے تھے اور جب آتے تھے تو ایک نیا آئیڈیا ساتھ لے کر آتے۔ جس پر عمل درآمد کیلئے اپنے ساتھیوں کے حوالے کر دیتے۔ اپنے کام میں منجھے ہوئے ساتھی اور ذہین لوگوں نے انہیں کسی دن بھی مایوس نہیں کیا بلکہ اس کام کو ان کی توقع سے بڑھ کر سرانجام دے رہے تھے اور یوں فروری 1966ء تک اس کام کی تیاریاں ممکن ہو سکیں۔ عنایت اللہ صاحب۔ حمید اللہ صاحب۔ فرہاد زیدی۔ مسرت جبیں ایک ساتھ دوسری جگہ پر رہتے تھے جبکہ ہم لوگ دفتر میں ہی رہائش پذیر تھے۔

لاہور کی طرز زندگی کراچی سے مختلف تھی۔ ہم لوگ لاہوری طرز زندگی کے عادی تھے۔ میری اور کچھ لوگوں کی عادت تھی کہ ہم صبح کی نماز کے بعد لنگوٹ باندھ کر پورے جسم کی مالش کرتے۔ اٹھک بیٹھک کرتے اور ڈنڈ پیلتے تھے اور یہ سب کچھ عنایت اللہ صاحب کے آنے سے پہلے پہلے کر چکے ہوتے۔ ایک دن عنایت اللہ صاحب بہت پہلے ہی دفتر آ گئے۔ ہماری یہ سرگرمیاں انیکسی میں ہوتی تھیں۔ اس کے ساتھ ہم زور زور سے باتیں بھی کرتے جاتے تھے۔ پھر زور آزمائی میں تو آوازیں نکلتی ہی ہیں۔ عنایت صاحب آئے تو انہیں آوازیں سنائی دیں۔ انہوں نے صورت حال دیکھنے کے لئے انیکسی میں جھانکا اور ہمیں خاموشی سے دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے اور جیسے ہی وہ واپس جانے کیلئے پلٹ رہے تھے میری نگاہ پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا ہم شرم سے پانی پانی ہوئے جا رہے تھے۔ بجلی کی پھرتی سے ہم اپنے اپنے کمروں کی طرف بھاگے۔ اس حالت میں ہم عنایت اللہ صاحب کے سامنے جانے کا سوچ بھی نہ سکتے تھے۔ ہم جلدی جلدی تیار ہو کر دفتر میں حاضر ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد شریف گلزار صاحب ہمارے کمرے میں آئے۔ وہ مسکرا بھی رہے تھے اور ہمیں ڈانٹ بھی رہے تھے۔ انہوں نے کہا میں آپ کو ورزش کرنے سے منع نہیں کروں گا۔ لیکن یہ ایک کھلا کھلا رہائشی علاقہ ہے اور اس میں رہنے والے بہت معزز لوگ ہیں۔ وہ آپ کو یہ سب کرتے ہوئے دیکھیں گے تو کیا کہیں گے کہ عنایت اللہ صاحب نے یہاں دفتر بنایا ہے یا اکھاڑہ۔ پھر یہاں خواتین بھی کام کرتی ہیں اگر ان میں سے کوئی آ جائے جیسے آج عنایت اللہ صاحب آ گئے تھے تو پھر کیا ہوگا وہ تو دفتر ہی چھوڑ کر بھاگ جائیں گی۔ بہتر یہی ہے کہ اگر آپ نے یہ سب کرنا ہی ہے تو منہ اندھیرے ختم کر لیا کریں۔ اجالا ہونے کے بعد آپ یہ نہیں کر سکتے۔ علاقے میں رہنے کے آداب کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ ہم چونکہ دیر سے سوتے تھے اور اتنے تھکے ہوئے ہوتے تھے کہ اتنی جلدی اٹھنا ہمارے لئے ممکن نہیں تھا اس لئے یہ سلسلہ موقوف کرنا پڑا۔

لاہور میں قوام والا پان کھایا کرتا تھا۔ یہاں قریب سے قریب دکان نرسری میں تھی۔ وہاں آنے جانے میں کم از کم آدھ گھنٹہ صرف ہو جاتا تھا۔ کچھ دن تو میں یہ شوق پالتا رہا لیکن آہستہ آہستہ اسے بھی ترک کرنا پڑا۔ کیونکہ اس میں وقت بہت صرف ہوتا تھا۔ اس طرح ایک عادت بد سے بھی نجات مل گئی۔

ایک دن شریف گلزار صاحب نے مجھے بلوایا اور کہا کہ بازار کا کھانا ہمیں راس نہیں آئے گا۔ ہم چند دن تو اس میں گزارہ کر سکتے ہیں لیکن مستقل بازار کا کھانا نہیں کھایا جا سکتا۔ بہتر یہ ہے کہ یہاں میس قائم کیا جائے۔ پہلا راشن اور برتن وغیرہ دفتر فراہم کرے گا۔ آپ میس کے انچارج ہوں گے۔ آج کل حمید اللہ خاں صاحب آپ لوگوں پر بہت مہربان ہیں۔ میں نے ان سے اس مسئلے پر بات کر لی ہے۔ آپ بازار سے سامان لے آئیں۔ اس میں ضرورت کی ہر چیز ہونی چاہئے ورنہ

بعد میں اپنے پلے سے لانی پڑے گی اور راشن بھی اتنا ہونا چاہئے کہ کم از کم تین ماہ تک ہم بے نیاز ہوجائیں۔ بل بنوا کر حمید اللہ خاں کو دے دینا وہ پے کر دیں گے۔

میں نے ایک ساتھی کو ساتھ لیا اور گدھا گاڑیاں بھروا کر سامان لے آیا۔ ہم نے اپنی دانست میں ایسی کوئی چیز نہیں چھوڑی تھی کہ ہمیں فوراً بازار کا رخ کرنا پڑے۔ پہلا کھانا بھی مجھے ہی پکانا پڑا۔ مجرد زندگی گزارتے گزارتے مجھے کھانا پکانے کا تھوڑا بہت تجربہ تھا۔ اس کے علاوہ لاہور میں کچھ دن تک محمد امین لون مجسٹریٹ لاہور کارپوریشن کے گھر کچھ عرصہ باورچی کا کام بھی کرنا پڑا۔ پکاتا تو میں کچھ بھی نہ تھا بس بیگم صاحبہ کو پکاتے دیکھتا رہتا تھا۔ لیکن یہاں تقریباً 20 آدمی تھے۔ اتنے لوگوں کا کھانا بنانا میرے تجربے میں نہ تھا۔ بس اللہ کا نام لے کر کھانا بنا ڈالا۔ روٹی بازار سے منگوالی جاتی۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ کھانا بہت لذیذ تھا۔ بس پھر کیا تھا داد کے ڈونگرے برسنے لگے۔ واہ واہ کی آوازیں میرے لئے خطرناک ثابت ہوئیں اور لوگوں کے کہنے پر یہ کام مستقل میرے گلے پڑ گیا۔ یہ ایک فل ٹائم جاب تھا۔ 20 آدمیوں کا تین ٹائم کھانا اور ناشتہ بنانا۔ انہیں تقسیم کرنا۔ اس کے علاوہ دفتر کا کام بھی کرنا جس سے مجھے سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ اتوار کو سب لوگ چھٹی منا رہے ہوتے اور میں باورچی خانے میں گھسا رہتا۔ اور پھر مجھے یہ احساس شدت سے ستانے لگا کہ میں ڈی گریڈ ہوگیا ہوں۔ دفتر میں آرٹ ایڈیٹر کا کام کرتے کرتے میں باورچی بن گیا ہوں۔ میں نے شریف گلزار صاحب سے بات کی۔ انہوں نے میری بات سے اتفاق کیا اور حکم دیا کہ آئندہ سے تمام لوگ باری باری کھانا بنایا کریں گے۔ جس سے کئی لوگوں نے مجھ سے شکوہ بھی کیا کہ تم نے ہمیں بھی پھنسا دیا۔

اب دوسرے لوگوں نے پکانا شروع کیا تو لوگ آدھا پیٹ بھی نہ بھرتے اور اٹھ جاتے ایسا لگتا تھا جیسے زہر مار کر رہے ہوں جبکہ میں ان کی برابر حوصلہ افزائی کرتا اور تعریفیں کرتا تاکہ یہ کام پھر میرے گلے نہ پڑ جائے۔ باری کسی بھی ہوتی اتوار کو ہر صورت مجھے ہی پکانا پڑتا۔ یہ بھی لوگوں کے اصرار پر ہوا کہ کم از کم ایک دن تو ایسا ہونا چاہئے کہ آدمی پیٹ بھر کر کھا سکے۔ اتوار کو اکثر اوقات حمید اللہ خاں صاحب آجاتے اور کہتے کہ ہاں بھائی رشید شاہد صاحب! آج آپ نے کیا پکایا ہے۔ وہ ہمارے ساتھ کھانا کھا کر بہت خوش ہوتے۔ یا پھر ہماری تالیف قلب کیلئے ہمارے ساتھ شریک ہوتے کہ لڑکوں کا دل کراچی سے اچاٹ نہ ہوجائے۔ یا شاید یہ ان کی ایڈمنسٹریشن کا حصہ تھا۔ عنایت اللہ صاحب تو اکثر ہمارے ساتھ ہی کھانا کھاتے تھے۔ جس دن گوشت نہ ہوتا تو کہتے آج تم لوگوں نے کیا کھانے کی ہڑتال کر رکھی ہے۔

یہ مسئلہ پھر بگڑنے لگ گیا تھا۔ لوگ اس کام سے جی چرانے لگے۔ کبھی کام کی زیادتی کا بہانہ کبھی طبیعت کی خرابی آڑے آنے لگی۔ آخر اس مسئلے کو میں پھر گلزار صاحب کے پاس لے گیا کہ اس مسئلے کا کوئی مستقل حل نکالیں۔ آخر میں یہ طے پایا کہ کسی باورچی کی خدمات حاصل کی جائیں اور اس کی تنخواہ سب لوگ مل کر ادا کیا کریں۔ اس پر اتفاق ہوگیا اور اس کے بعد یہ کام باروچی نے سنبھالا۔

اخبار خواتین، پاک وصاف صحافت کا نقیب

برصغیر کے خواتین کے رسائل میں علامہ راشدی الخیری صاحب کا ''عصمت'' سب سے پرانا پرچہ تھا۔ اسی ادارے کے تحت ایک الگ رسالہ ''جوہر نسواں'' بھی نکلتا تھا۔ جس میں خواتین سے متعلق چیزیں چھپتی تھیں۔ سلائی، کڑھائی، کتائی اور بنائی اس کے خاص موضوع تھے۔ لاہور سے ایک ہفت روزہ ''تہذیب نسواں'' بھی شائع ہوتا تھا جو

شریف گلزار اخبار خواتین میں کارکنوں کی تربیت کے دوران (دائیں سے بائیں) عبدالرشید سرگودھوی۔اشرف طور۔ محمد بشیر کیلانی۔عبدالرشید شاہد۔محمد زبیر کیلانی۔نصیر احمد ایاز۔محمد اسلم اور مشتاق احمد۔میز کرسی پر نشستہ۔شریف گلزار

پورے برصغیر میں پڑھا جاتا تھا۔''حور''۔''بانو''۔''سہیلی'' کے علاوہ اور بھی کئی اعلیٰ معیار کے خواتین کے ماہنامے تھے۔سب سے کم ''زیب النساء'' پسند کیا جاتا تھا۔قیام پاکستان کے بعد صرف ''زیب النساء'' باقی رہ گیا تھا۔خواتین کے باقی رسالے بند ہو چکے تھے۔

لاہور سے خواتین کا ایک روزنامہ ''اخبار نسواں'' بھی نکلا تھا۔لیکن ''زیب النساء'' پاکستانی اسکولوں اور کالجوں کی طالبات اور عام اوسط درجے کی تعلیم یافتہ عورتوں میں بہت شوق سے پڑھا جاتا تھا۔اس کے افسانے اور کہانیاں فنی معیار کے لحاظ سے کبھی بھی معیاری نہیں رہے مگر خواتین کے ذوق مطالعہ کی ان سے تسکین ہوتی تھی۔اب روزنامہ ''مشرق'' میں باقاعدہ خواتین کا ایک پورا صفحہ شائع ہونا شروع ہو گیا تھا۔خواتین کا یہ صفحہ بہت مقبول ہوا۔مگر جب عنایت اللہ صاحب نے اخبار خواتین جاری کیا تو یہ ایک بالکل نئی چیز تھی۔

اپریل 1966ء کو اخبار خواتین کا اجراء ہوا۔''روزنامہ مشرق'' میں خواتین کے صفحے کی بھرپور پذیرائی کے بعد یہ بات بھی سامنے آئی کہ اسے مرد حضرات بھی بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔اس تجربے کی بنا پر اخبار خواتین کے ساتھ یہ لاحقہ بھی لگا دیا گیا۔''اخبار خواتین۔جسے سمجھدار مرد حضرات بھی پڑھ سکتے ہیں۔'' کہنے کو تو یہ خواتین کا اخبار تھا مگر اس میں دیگر موضوعات بھی شامل کئے گئے تھے اور اس کے لئے بہت اچھے لکھنے والوں کی خدمات بھی حاصل کی گئی تھیں۔ابن انشاء کا کالم ''آپ سے کیا پردہ'' بہت مزے کا ہوتا تھا۔قارئین اس کے انتظار میں رہتے تھے۔علی سفیان آفاقی نے فلمی دنیا پر لکھنا شروع کیا جس کا لوگوں کو ایسا چسکہ لگا کہ لوگ اس کیلئے بے چین رہنے لگے۔علی سفیان آفاقی آج بھی ایک ماہنامے میں اپنی ڈائری لکھنے کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں۔دھان پان سی اس شخصیت کو عنایت اللہ صاحب بہت پسند کرتے تھے۔وہ چھوٹی گاڑی رکھنے کے بجائے ویگن ٹائپ گاڑی استعمال کرتے تھے۔جیسے ہی ان کی گاڑی گیٹ میں داخل ہوتی عنایت اللہ صاحب پکار اٹھتے لو بھئی آفاقی صاحب کا ٹرک آ گیا ہے۔عنایت اللہ صاحب کے یہ چھوٹے چھوٹے جملے بہت

اخبار خواتین کالان اور فرصت کے چند لمحات
(دائیں سے بائیں) مشتاق احمد۔عبدالرشید شاہد۔محمد اسلم (مرحوم)

اثر انگیز ہوتے تھے۔ان کی اپروچ انسان کے اندر تک ہوتی تھی۔

ڈاکٹر عبدالسلام خورشید صاحب عالمی سیاست پر دسترس رکھتے تھے۔ ایک صفحہ ان کیلئے مخصوص تھا۔جس میں وہ دنیا بھر کی خواتین، ان کے کارنامے اور ان کی سیاسی زندگی کے بارے میں نقاب کشائی کرتے تھے۔ ہمایوں فر صاحب تقریبات کی رپورٹنگ پر مامور ہوئے۔ عبدالکریم عابد صاحب ستاروں کی دنیا سے آشنا کراتے۔ ان کا موضوع علم نجوم تھا اور کالم ''ستارے کیا کہتے ہیں'' کے نام سے شائع ہوتا تھا جس میں محض گپ بازی ہوتی تھی۔وہ خود کہتے تھے کہ ''میرے نزدیک علم نجوم جہالت کے سوا کچھ بھی نہیں'' اس کے باوجود توہم پرست خواتین اور مرد حضرات اسے بہت پسند کرتے تھے۔انہوں نے شاپنگ گائیڈ کے نام سے بھی ایک سلسلہ شروع کیا۔ مجھے اچھی طرح سے یاد نہیں کہ شاید اس کا نام ''بازار نامہ'' تھا۔ بازار میں گھوم پھر کر نئی اور اچھی چیزوں کا تعارف کراتے۔اس کے ساتھ ان کی تصاویر بھی لگائی جاتیں۔دکانداران کے پیچھے پیچھے گھومتے رہتے تھے۔اس سے ہمارے پرچے میں اشتہارات کی شرح بڑھ گئی۔

اخبار خواتین جب نکلا تو اس کیلئے چار خواتین بھی رکھی گئیں۔ان میں دو ایسی تھیں جن کو کچھ لکھنا نہیں آتا تھا۔ایک صاحبہ بس نمائشی کارکن تھیں وہ چھن چھن کرتی آتی تھیں۔تھوڑی دیر لڑکیوں سے گپ شپ کرتیں اور اسی طرح واپس چلی جاتیں۔ وہ کوئی کام نہیں کرتی تھیں۔ایک اور خاتون تھیں یہ ٹھیک نو بجے دفتر پہنچ جاتیں اور سر جھکا کر اس طرح کام کرتیں کہ گپ شپ تو کجا ادھر ادھر دیکھنا بھی گوارا نہ کرتیں۔ٹھیک پانچ بجے کرسی سے اٹھ کھڑی ہوتیں اور یہ جا اور وہ جا۔ دفتر کے باہر ان کے منگیتر کاظمی صاحب گاڑی لئے ان کے انتظار میں کھڑے ہوتے اور انہیں ساتھ لے جاتے۔ بعد میں ان کی کاظمی صاحب کے ساتھ شادی ہوگئی اور اخبار خواتین سے مستعفی ہوگئیں۔ اس کے بعد ان کا نام صحافتی دنیا میں کہیں نظر نہیں آیا۔

عنایت اللہ صاحب خواتین کی کارکردگی سے بہت مایوس ہوئے اور خواتین والے تقریباً سارے کام مرد حضرات کو کرنے پڑتے۔لیکن بعد میں آنے والی خواتین بہت میچور ثابت ہوئیں۔ان میں شمیم اختر، ش فرخ، حمیرا اطہر، ریحانہ ادریس صحافتی معیار پر پوری اتریں۔شمیم اختر خواتین کی زندگی سے منسوب مسائل پر ڈائری لکھتی تھیں۔ جسے بے حد پذیرائی حاصل ہوئی۔ش فرخ نفسیاتی مسائل کے حل پر مکمل دسترس رکھتی تھیں۔مسائل کا حل اس شاندار طریقے سے پیش کرتیں کہ لگتا تھا اس مسئلے کا یہی حل ہوسکتا تھا جو ش فرخ نے پیش کر دیا۔وہ ایک کھلے دل ودماغ کی خاتون تھیں اور جو کچھ دل میں ہوتا وہی لکھ ڈالتیں۔ان کی اس بے باکی نے ان کے کالم کو معتبر بنا دیا تھا اور یہی

اس کالم کا حسن تھا۔

حمیرا اطہر انٹرویوز اور رپورٹنگ کرتی تھیں۔ وہ ایک منجھی ہوئی صحافی خاتون تھیں۔ ایک زمانے میں انہوں نے بھارت جا کر اندرا گاندھی کا انٹرویو کیا، جو دوسرے اخبارات نے بھی لفٹ کیا۔ اخبار خواتین کے حوالے سے ریڈیو پاکستان نے خبریں نشر کیں۔ جس سے اس پرچے کی مقبولیت میں اضافہ ہوا اور ہمعصر اخبارات میں اس کا وقار بلند ہوا۔

اخبار خواتین کی ایک خوبی یہ تھی کہ یہ پاک وصاف اخبار تھا۔ عنایت اللہ صاحب کہتے تھے کہ اخبار کو ایسا ہونا چاہیے کہ بہن، بیٹی اور بہو کے سامنے پڑھا جاسکے۔ اخبار خواتین میں اگرچہ خواتین کی تصاویر شائع ہوتی تھیں لیکن ان میں فحاشی، عریانی یا لچر پن کا شائبہ تک نہ ہوتا۔ نعیم صدیقی صاحب ایک دفعہ دفتر کے دورے پر آئے تو انہوں نے کہا۔ ''میرے گھر میں اخبار خواتین بہت پسند کیا جاتا ہے اور میرے نقطہ نظر سے یہ عین اسلامی اخبار ہے اور میں بطور خاص آپ لوگوں کو مبارکباد دینے آیا ہوں اور بھی کئی لوگ جو مذہبی قسم کے آدمی تھے۔ اس اخبار کو خواتین کا صحیح نمائندہ سمجھتے تھے۔

عنایت اللہ صاحب مرحوم بلاشبہ اردو صحافت کے ایک خاص انداز کے بانی ہیں۔ جنہوں نے ایک پاک وصاف صحافت سے زمانے کو روشناس کرایا اور خواتین کی صحافت پر ان کا احسان سب سے زیادہ ہے۔ کیونکہ دوسروں نے خواتین کی صحافت کو درخور اعتناء نہیں سمجھا۔ ان کی فکر میں، اسلوب بیان میں، توازن تھا۔ نرمی، لطافت اور سادگی تھی جس نے قارئین کو ہمیشہ ان کا گرویدہ بنائے رکھا۔ انہوں نے اس شعبے میں سب سے بڑا کام یہ کیا کہ نئے لکھنے والوں کی، ان میں خواتین بطور خاص شامل ہیں، نہایت خاموشی کے ساتھ اور غیر محسوس انداز میں تربیت کی۔ جس سے صحافیوں کی ایک بڑی کھیپ تیار ہوئی جنہوں نے ایک مدت تک صحافت کی خدمت کی۔ اور کبھی بھی شائستہ

روئے گا زمانہ برسوں: حمید اللہ خاں کی آخری آرام گاہ

اختیار حسین۔ اقبال زبیری۔ رشید احمد صدیقی۔ شریف گلزار۔ افتخار ملک۔ ایم اے لطیف پھولوں کی چادر چڑھا رہے ہیں

صحافت سے اجتناب نہیں برتا۔اس پاک صحافت سے معاشرے میں نیکی کے جو اوصاف پیدا ہوئے اسے بلاشبہ عنایت اللہ صاحب کا صدقہ جاریہ کہا جاسکتا ہے۔

ایسا کہاں سے لاؤں......

روزنامہ ''مشرق'' لاہور کے اجرا کو ایک سال ہوگیا تھا۔عنایت اللہ صاحب آزادی صحافت کے علم بردار تھے۔وہ اخبار کو روشن اور عصبیت سے دور رکھنا چاہتے تھے۔ایوب خان کے انتخابات کا زمانہ آ گیا۔ محترمہ فاطمہ جناح ان کے مدمقابل تھیں اور ان کے ساتھ حزب اختلاف کے بڑے بڑے جید لیڈر خواجہ ناظم الدین اور چوہدری محمد علی جیسی شخصیتیں تھیں۔ ایوب خان اور ان کے حواریوں کے ہوش گم تھے۔ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کیا جائے۔محترمہ فاطمہ جناح اور ان کے رفقا میدان سیاست پر چھائے ہوئے تھے۔اور لگ رہا تھا کہ محترمہ فاطمہ جناح انتخابات جیت جائیں گی۔اس لئے حکومت میڈیا پر دباؤ ڈال کر سارا زور ایوب خان کی حمایت پر صرف کر رہی تھی۔''امروز'' اور ''پاکستان ٹائمز'' نیشنل پریس ٹرسٹ کے زیر نگین آ چکے تھے۔لیکن حکومت کو ایک چلتے ہوئے اخبار کی ضرورت تھی جو اس بحران میں مؤثر طور پر اس کا ساتھ دے سکے۔مشرق کی مقبولیت دن بدن بڑھ رہی تھی۔ چنانچہ حکومت کی نظر انتخاب اس پر پڑ گئی۔ سرکاری حلقوں کی جانب سے مسلسل مطالبہ کیا جا رہا تھا کہ ''روزنامہ مشرق'' کو نیشنل پریس ٹرسٹ کے زیر تحت لایا جائے۔

عنایت اللہ صاحب نے یہ مسئلہ اپنے رفقا کے سامنے پیش کر دیا۔ عنایت اللہ صاحب چوہدری ظہور الٰہی کے خاص دوستوں میں سے تھے۔ امروز اور پاکستان ٹائمز اب چوہدری ظہور الٰہی کی ملکیت تھے۔عنایت صاحب اس یقین دہانی پر مشرق کی طباعت پاکستان ٹائمز پریس میں کروا رہے تھے کہ کچھ ہی عرصے میں ان کے واجبات کی ادائیگی کر دی جائے گی۔اب حکومت کے اس مطالبے نے پریشانی پیدا کر دی تھی۔ وہ اخبار پر کسی بھی طرح کی پابندی کے حق میں نہ تھے۔اب دو ہی صورتیں رہ گئی تھیں کہ یا تو اخبار کو نیشنل پریس ٹرسٹ کے حوالے کر دیا جائے یا پھر اس کی اشاعت ہی بند کر دی جائے۔حالات نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ہم لوگوں نے تقریباً ایک سال پہلے کوہستان کو چھوڑ کر مشرق کا اجرا کیا تھا۔اس کیلئے عنایت اللہ صاحب اور ان کے رفقا کو کتنے ہی پاپڑ بیلنے پڑے تھے۔جن لوگوں نے ان کی اقتدا میں استعفے دیئے تھے۔ان کے روزگار کیلئے کتنی مشکل سے ایک ادارہ قائم ہوا تھا۔اب جبکہ وہ ایک معقول ادارہ بنانے میں کامیاب ہو چکے تھے۔اب اس کا بند کرنا خودکشی کے مترادف ہوتا۔اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہر تجربہ کامیاب تجربہ ہو۔ اتنے سارے لوگوں کو بیروزگار کرنا کسی صورت ممکن نہ تھا۔آخر طے ہوا کہ اخبار کو جاری رہنا چاہئے اور اپنی آزادی کیلئے کوششیں جاری رکھنا چاہئے۔لیکن یہ ہماری خام خیالی ثابت ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ حکومت اور مضبوط ہوتی گئی اور حکومت کے حواریوں کے مطالبات بڑھتے اور آزادی کا خواب محض خواب بن کر رہ گیا۔اور اس گھٹن زدہ صورت حال میں عنایت اللہ صاحب کی دلچسپی کم ہوتی چلی گئی۔

روزنامہ مشرق کا کراچی سے طلوع

1967ء میں روزنامہ مشرق کا کراچی سے اجرا ہوا۔اس وقت قومیائے گئے اخبارات میں۔لاہور سے امروز اور پاکستان ٹائمز اور روزنامہ مشرق تھے۔جبکہ کراچی میں انجام اور مارننگ نیوز نیشنل پریس ٹرسٹ کے زیر نگیں چل رہے تھے۔بعد میں انجام کی جگہ مشرق نکالا گیا اور انجام کو مشرق میں ضم کر دیا گیا۔جس سے ادارہ مشرق پر ایک

بھاری بوجھ آ پڑا لیکن عنایت اللہ صاحب نے اس چیلنج کو بھی قبول کیا۔

اخبار خواتین اس وقت تک ایک مقبول میگزین + اخبار بن چکا تھا۔ اس کی اشاعت 60 ہزار سے تجاوز کر چکی تھی اور اس کی مالی حالت بھی اچھی ہو گئی تھی۔ اخبار خواتین یہاں کے مقامی اخباروں کیلئے ایک لمحہ فکریہ بن چکا تھا۔ روزنامہ انجام ایک زمانے میں کراچی کا بہت اچھا اخبار ہوا کرتا تھا اور مقامی اخبارات کا بڑی حوصلہ مندی سے مقابلہ کر رہا تھا۔ اس کے کارکن بڑی لگن سے کام کرتے تھے۔ پھر انتظامیہ کی بدانتظامی کے باعث اس میں وہ دم خم باقی نہ رہا جو اس کا طرہ امتیاز تھا۔ نیشنل پریس ٹرسٹ میں آنے کے بعد تو اس کی حالت قابل رحم ہو گئی تھی اور اس کی اشاعت بس واجبی سی رہ گئی تھی۔ انجام کی انتظامیہ اخبار کی توسیع اشاعت کے بارے میں بہت فکرمند تھی اور کوئی ایسی صورت نظر نہیں آ رہی تھی جو اس اخبار کو آگے بڑھا سکے۔ چنانچہ نیشنل پریس ٹرسٹ کے چیئرمین غالباً اے کے سومار نے عنایت اللہ صاحب سے مشورہ مانگا اور ان سے سرکولیشن بڑھانے کا نسخہ تجویز کرنے کی فرمائش کی۔ عنایت اللہ صاحب نے انہیں بتایا کہ اخبار میں بعض اہم تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اس کے سنڈے ایڈیشن کی صورت بھی بدل دی جائے اور بڑے سائز کے بجائے ہفت روزہ رسالوں کے سائز پر جدید تقاضوں کے مطابق ''سنڈے انجام'' نکالا جائے۔ ٹرسٹ کے چیئرمین نے نہ صرف ان تجاویز سے اتفاق کیا بلکہ عنایت صاحب سے یہ درخواست بھی کی کہ وہ اپنی نگرانی میں ''سنڈے انجام'' مرتب کرائیں۔ عنایت صاحب نے یہ ذمہ داری بھی قبول کر لی اب دفتر چھوٹا پڑ گیا تھا۔ لہٰذا لال کوٹھی کے قریب ایک آفس کرائے پر حاصل کیا گیا اور اس میں اخبار خواتین اور انجام کے دفاتر منتقل کر دیئے گئے۔

سنڈے ایڈیشن کی ذمہ داری غلام اکبر اور فاروق پراچہ کو دی گئی۔ آرٹ سیکشن حسن رضا خان نے سنبھالا۔ عبدالواحد مرحوم اس کی تزئین

عنایت اللہ صاحب کی قبر پر فاتحہ خوانی: شہریار اصغر۔ شریف گلزار و دیگر

پر مامور ہوئے اور یوں سنڈے انجام ایک نئے سائز اور ایک نئے اسٹائل سے طلوع ہوا اور چند ہفتوں بعد اس کی اشاعت 12 ہزار سے بڑھ کر ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس کامیابی نے دوسرے بڑے اخبارات کے ایوانوں میں ہلچل مچا دی۔ اشاعت میں یہ حیرت انگیز توسیع دیکھ کر دوسرے اخبارات نے بھی کچھ اس قسم کے ایڈیشن نکالنا شروع کئے۔ اگرچہ دوسرے اخبارات کے ایڈیشن اتنی بڑی کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ لیکن کراچی کی صحافت میں پہلی بار جدید بنیادوں پر سنڈے ایڈیشن شائع کرنے کا احساس پیدا ہوا۔ صحافت پر عنایت اللہ صاحب کا یہ بہت بڑا احسان ہے۔ آج ہر اخبار مختلف موضوعات پر ہفتے میں کئی کئی ایڈیشن شائع کرتا ہے جن کی اشاعت روزانہ اخبار سے زیادہ ہوتی ہے۔ ورنہ اس سے قبل ایڈیشنوں کا رواج نہیں تھا۔ کراچی میں صرف دو روزنامے سنڈے ایڈیشن نکالتے تھے اور وہ بھی اس طرح کہ عام اخبار میں صرف تصویروں کے دو صفحات کا اضافہ کر دیا جاتا تھا۔

آج میں جب یہ یادداشتیں لکھ رہا ہوں تو وہ زمانہ یاد آتا ہے جب

پاکستانی صحافت اپنی ارتقائی منازل طے کر رہی تھی۔ بلاشبہ اب اس میں بہت تبدیلیاں آچکی ہیں اور آتی رہیں گی۔ اب وسائل بھی پہلے سے زیادہ ہیں اور لوگوں کی شعوری سطح بھی بلند ہو چکی ہے۔ اب قاری بھی اتنا بھولا نہیں رہا کہ ہر بات پر آنکھیں بند کر کے یقین کر لے۔ وہ خبر کو دوسرے ذرائع سے بھی چیک کرتا ہے پھر کسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ الیکٹرونک میڈیا سے دوسرے ہی منٹ میں خبر پہنچ جاتی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ ساری دنیا کے پرنٹ میڈیا کو درپیش ہے۔ اس وقت تک تو اخبارات اپنی اہمیت برقرار رکھے ہوئے ہیں لیکن جیسے جیسے وقت گزرے گا۔ اخبارات کی بقا کا مسئلہ پیدا ہوتا جائے گا۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پرنٹ میڈیا کے لائق دماغ اس میں ایسی تبدیلیاں لائیں جو اخبارات کی اہمیت کو برقرار رکھ سکیں۔ اب عنایت اللہ صاحب جیسے لوگ نہیں رہے لیکن جیسے کہ عنایت صاحب کہا کرتے تھے جب کوئی بڑا درخت گرتا ہے اس کی جگہ کوئی دوسرا سنبھال لیتا ہے۔ یقیناً اب ان سے بہتر دماغ، منتظم موجود ہیں جو اس صورت حال کا جرأت مندی کے ساتھ مقابلہ کرنے کا حوصلہ رکھتے ہیں۔ اگر اس مسئلے کی اہمیت کو نہ سمجھا گیا تو الیکٹرانک میڈیا اتنا چھا جائے گا کہ اخبارات کے وجود کو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اور بڑی انڈسٹری تباہ ہو جائے گی۔

مت سہل ہمیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں

میر خلیل الرحمٰن کی پیش کش

1967ء میں کراچی سے روزنامہ مشرق طلوع ہوا۔ نیشنل پریس ٹرسٹ کی ایما پر ''انجام'' کو روزنامہ مشرق میں ضم کر دیا گیا۔ اور سنڈے انجام کی جگہ سنڈے مشرق نے لے لی۔ اس کی کامیابی میں زیادہ عرصہ نہیں لگا۔ چند مہینوں میں ہی اس کی اشاعت ایک لاکھ تک پہنچ گئی۔ اس مقبولیت نے کراچی کے بالخصوص اردو اخبارات کے

بانی مشرق عنایت اللہ صاحب کی برسی پر شریف گلزار خراج تحسین پیش کر رہے ہیں

اردو صحافت اپنے ایک عظیم محسن سے محروم ہوگئی

ملک کے مایہ ناز صحافی اور روزنامہ مشرق کے بانی جناب عنایت اللہ انتقال کر گئے

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

سنڈے مشرق

دل کا دورہ جناب عنایت اللہ کے لئے جان لیوا ثابت ہوا

وسائل کی کمی اور نامساعد حالات کے باوجود عنایت اللہ نے "مشرق" کو پاکستان کا دوسرا بڑا اخبار بنا دیا

مرحوم نے اپنی تمام صلاحیتیں اردو صحافت کی ترقی اور کارکنوں کی فلاح کے لئے وقف کر رکھی تھیں

عنایت اللہ مرحوم کو شاہ مانے کالونی کے قبرستان میں سپرد خاک کر دیا گیا

پاکستان ایک نامور صحافی کی خدمات سے محروم ہوگیا

صحافت اپنے فرائض کے اعتبار سے عبادت اور کاروباری تقاضوں کے اعتبار سے صنعت کی حیثیت رکھتی ہے۔ عنایت اللہ

عنایت اللہ مرحوم کے تجربات پاکستانی صحافت میں سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں: مولانا کوثر نیازی

مرحوم نے اردو صحافت اور قومی پریس کو قابل فخر مقام پر پہنچا دیا تھا

عنایت اللہ صاحب کی وفات اخباری صنعت کے لئے ایک ناقابل تلافی نقصان ہے

مرحوم کارکنان مشرق کے لئے مشفق اور غمگسار سرپرست کی حیثیت رکھتے تھے

قومی صحافت کا ناقابل تلافی نقصان

ایوانوں میں تشویش پیدا کردی تھی۔

ایک دن ایک بڑے اخبار کے مالک میر خلیل الرحمٰن نے عنایت اللہ صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ ملاقات میں اس نے کہا۔

''عنایت صاحب! آپ ٹرسٹ کے اخبارات کے لئے اتنی محنت کررہے ہیں اور انہیں پے در پے کامیابیاں دلا رہے ہیں۔اس سے آپ کو یا آپ کی ٹیم کو کیا فائدہ حاصل ہوگا۔ان کامیابیوں کے ثمرات تو نیشنل پریس ٹرسٹ کو حاصل ہورہے ہیں۔آپ کے ہاتھ کیا آئے گا۔میں آپ کو پیشکش کرتا ہوں کہ آپ اپنی پوری ٹیم کے ساتھ میرے ادارے میں آجائیں۔میں ان کو ڈبل تنخواہیں اور بے شمار مراعات دوں گا جس کا آپ تصور بھی نہیں کرسکتے۔اور آپ کا مستقبل بھی محفوظ ہوجائے گا۔

عنایت اللہ صاحب نے اطمینان سے ان کی بات سنی اور سگریٹ کا ایک طویل کش لیتے ہوئے کہا۔''میر صاحب!'' یہ کارکن میری اولاد ہیں۔سمندر دیکھنے آئے ہیں۔کچھ دن سیر کریں گے پھر واپس چلے جائیں گے۔آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔''

مولانا کوثر نیازی۔لطیف صاحب۔شریف گلزار صاحب۔ریاض بٹالوی۔اقبال زبیری۔افتخار ملک۔ امین کاشمیری اور مسعود احمد۔عنایت اللہ کی مرقد پر

اس وقت مشرق کراچی میں کام کرنے والوں میں جناب فرہاد زیدی، عرفان غازی، ارشاد احمد خان اور عزیز مظہر رپورٹنگ میں: شہریار جلیس، منظور حنیف صاحب، حمزہ خان، اشرف شاد، ارشاد راؤ، نصر ملک، طیب جی، علی اختر رضوی اشرف شاد اور ولی رضوی شامل تھے

نیوز روم سلیم ارشد، مشتاق سہیل، بشیر احمد صدیقی، صمدانی، مجاہد علی، عبدالصمد، قمر نقوی امروہی، ہادی صاحب، ایس ایم نقی، پیکر نقوی اور نعیم آروی پر مشتمل تھا

پروف ریڈنگ میں محمد اشفاق، محمد محسن اور عشرت انجم نمایاں تھے اور فوٹو گرافر حضرات میں اقبال زیدی، عبدالواحد بیگ اور فدا حسین شامل تھے جبکہ لائبریری محمد علی خان اور رئیس احمد کے ذمہ تھی۔

خوشنویس حضرات میں نمایاں لوگ اظہر سہیل، محمد اقبال قریشی، شاہد فاروقی، محمد صابر، محمد اسلم، محمد جاوید، سلیم گجراتی، عنایت مسیح، محمد اکرم، قاری وشیقۃ الرحمٰن، ارشاد جعفری، محمد قطب الدین، محبوب علی خان، شاکر علی، مظہر شاہ، احمد اللہ، ظہیر الدین، منظور صاحب، اظہر علی، شمیم احمد، محمد بشیر، منور بخت، محمد اسلم کھوکھر، عبدالرشید گجراتی، ضامن علی شاہ، محمد ایوب صابر اور صدیق چوہدری شامل تھے

اخبار کے ہیڈ لائن رائٹر میں استاد محمد یعقوب، عرفان احمد خان، مرزا مبارک علی، محمد اسماعیل سلفی، مشتاق جاوید، محمد اسحاق گجراتی، رشیدی صاحب، محمد صدیق بھٹی اور بعض اوقات شریف گلزار بھی شامل ہو جاتے تھے

جبکہ اخبار خواتین کے شعبہ ادارت میں حسن عابدی، ولایت علی اصلاحی، شمیم اختر، ش فرخ، حمیرہ اطہر، ریحانہ ادریس اور دیگر کئی خواتین شامل تھیں

جبکہ شعبہ کتابت و آرٹ میں محمد اسحاق شاہد، عبدالرشید شاہد (راقم الحروف)، محمد اسلم، محمد اختر، مختار طور، آصف غزنوی، رشید نقی، محمد یوسف، مشتاق احمد، محمد زبیر کیلانی، رشید سرگودھوی، محمد بشیر کیلانی اور ایک محبوب شخصیت مشتاق علی آرٹسٹ تھے۔

عنایت اللہ صاحب اپنے کارکنوں کے بارے میں خود فیصلے کرتے تھے۔ کوئی ڈکٹیشن قبول نہیں کرتے تھے۔ اگر کوئی کارکن ادارے سے الگ ہونا چاہے تو اسے سمجھاتے اگر وہ پھر بھی جانا چاہے تو اس کیلئے واپسی کے دروازے کھلے رکھتے۔ کس کارکن سے کیا کام لینا ہے۔ کس کارکن کو کیا مراعات دینی ہیں۔ کس کا ہاتھ تنگ رہتا ہے اس کو اچانک ہی پتہ چلتا کہ عنایت اللہ صاحب نے تمہارے لئے خصوصی الاؤنس جاری کیا ہے۔ تو اس کی خوشی دیدنی ہوتی۔ وہ اپنے کارکنوں کو اپنی اولاد سمجھتے تھے۔ انہی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا۔ انہی کے ساتھ کھانا پینا۔ اور انہی کے ساتھ رہنا۔

لاہور میں ہی نام کا ایک چپراسی ہوا کرتا تھا۔ جسے عام آدمی دیکھ کر کراہیت محسوس کرتا تھا۔ لیکن عنایت اللہ صاحب اسے اپنے بچوں کی طرح عزیز رکھتے تھے اور وہ بھی اس قربت پر شاداں وفرحاں رہا کرتا تھا۔ ان کا ہر کام اپنے ہاتھ سے کرنے کو اپنے لئے سعادت سمجھتا تھا۔ عنایت اللہ صاحب اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلاتے تھے اور وہ بھی ان کی خدمت کیلئے ہمہ وقت مستعد رہتا۔ ان کے نزدیک چپراسی بھی اتنی ہی اہمیت کا حامل تھا جتنا کہ اخبار کا ایڈیٹر۔

ایک دن لاہور میں طوفان بادوباراں نے ہر طرف تباہی مچا دی۔ راستے مسدود ہو گئے۔ مشرق لاہور سے مختلف شہروں کے لئے الگ الگ عموماً 5 ایڈیشن شائع ہوتے تھے۔ یہ ایڈیشن غالباً ملتان، فیصل آباد، راولپنڈی اور سیالکوٹ کیلئے ہوتے تھے۔ آخری پانچواں ایڈیشن لاہور شہر کیلئے ہوتا تھا جو قریبی شہروں میں بھی جاتا تھا۔ سب ایڈیشن چھپ کر چلے گئے تھے لیکن فیصل آباد ایڈیشن لے جانے والی بس اس دن خراب تھی۔ اسی بس پر دوسرے اخبارات بھی جاتے تھے۔ اس لئے کوئی اخبار بھی نہیں گیا۔ عنایت اللہ صاحب پریشان تھے کہ کیا کیا جائے۔ اتنے میں انہیں ہی نظر آ گیا آپ نے اسے کہا کہ میرے ڈرائیور خورشید جسے وہ پیار سے گوریلا کہتے تھے کو ساتھ لو اور فیصل آباد پرچہ پہنچاؤ۔ ڈرائیور نے کہا کہ سرگاڑی تو خراب ہے البتہ میرے پاس اپنی ذاتی موٹر سائیکل ہے ہم اس پر چلے جاتے ہیں۔ طوفان و باد باراں سے راستہ بہت مخدوش تھا لیکن وہ اللہ کا نام لے کر چلے دیئے۔ راستے میں سڑک پر جا بجا پانی کھڑا تھا اور فاصلہ بھی طویل تھا۔ ایک گڑھے میں موٹر سائیکل گر گئی جس سے ان دونوں کو چوٹیں آئیں۔ انہوں نے اس کی پرواہ نہیں بلکہ جلدی جلدی اپنے آپ کو سنبھالا اور ہی ابھی موٹر سائیکل پر پوری طرح بیٹھنے بھی نہ پایا تھا کہ خورشید نے موٹر سائیکل بھگا دی کافی وقت گزر گیا تو خورشید کو احساس ہوا کہ ہی کی کوئی آواز نہیں آ رہی۔ اس نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو ہی غائب۔ بہت پریشان ہوا کہ ہی کہاں رہ گیا۔ موٹر سائیکل واپسی کے راستے پر ڈال دی۔ کئی میل واپس آیا تو ہی اخبار کا بنڈل چھتر اور برساتی کے نیچے سینے سے لگائے بھاگتا چلا آ رہا ہے۔ فیصل آباد پہنچے تو معلوم ہوا کہ اخبارات میں سے صرف ''مشرق'' ہی پہنچ سکا ہے۔ دوسرا کوئی بھی اخبار نہیں پہنچ سکا۔ کیونکہ اخبار پہنچانے والی بس نہیں آ سکی تھی۔ اس واقعے کے بعد فیصل آباد میں ہماری اشاعت کا آرڈر بہت بڑھ گیا۔ صرف ایک چپراسی اور ڈرائیور کے احساس ذمہ داری نے اخبار کو اتنا بڑا فائدہ پہنچایا جو ہم کئی ماہ میں بھی نہیں پہنچا سکتے تھے۔

ارشاد احمد خان - انتظار حسین - ابن انشا

عنایت اللہ صاحب قلمی ناموں سے آرٹیکل، فکاہیہ کالم اور قطعات

لکھنے کیخلاف تھے۔ ایک زمانے میں اکثر اخبارات میں فرضی ناموں سے کالم اور قطعات لکھے جاتے تھے۔ علامہ پاکٹ مار، رمضانی، ملا دو پیازہ، نتھو دھوبی جیسے نام اسی دور کی پیداوار ہیں۔ روزنامہ انجام جب نیشنل پریس ٹرسٹ نے عنایت اللہ صاحب کے زیر انتظام دے دیا تو اس وقت ارشاد احمد خان صاحب رمضانی کے نام سے فکاہیہ کالم لکھا کرتے تھے۔ ارشاد احمد خان، مجید لاہوری کے خاص شاگردوں میں سے تھے اور نمکدان میں ایک عرصے تک کام کرتے رہے۔ عنایت اللہ صاحب سے ملاقات ہوئی تو انہوں نے ارشاد احمد خان اور انجام کی انتظامیہ کو سمجھایا کہ فرضی نام کے بجائے اپنے اصلی نام سے کالم یا مضمون لکھنے کی صورت میں ذمہ داری کا احساس بڑھ جاتا ہے اور لکھتے وقت یہ خیال رہتا ہے کہ مضمون میرے نام سے شائع ہوگا۔ اس لئے کالم نگار زیادہ سے زیادہ بہتر لکھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے برعکس اگر فرضی نام سے کالم یا مضمون لکھا جائے تو کالم نگار میں ذمہ داری کا وہ احساس باقی نہیں رہتا۔ ارشاد احمد خان کہتے ہیں کہ عنایت صاحب کی اس ہدایت کے بعد جب میں نے رمضانی کے بجائے اپنے نام سے

عنایت اللہ صاحب کی برسی پر شریف گلزار اظہار خیال کر رہے ہیں

لکھنا شروع کیا تو پہلے کی نسبت زیادہ اچھا لکھا گیا اور پسند بھی کیا گیا۔

مشہور کالم نگار انتظار حسین خالص ادبی اور علمی شخصیت تھے۔ ان کے کالم پڑھنے والوں کا ایک خاص حلقہ تھا۔ عنایت اللہ صاحب چاہتے تھے کہ وہ اپنے کالم ''لاہور نامہ'' کے قارئین کے حلقے کو وسیع کریں اور ایک عام آدمی بھی اس سے محظوظ ہو۔ عنایت اللہ صاحب نے ان کی فکر کا رخ بدلنے کیلئے کیا طریقہ اختیار کیا۔ یہ خود انتظار حسین کی زبانی سنئے۔

''وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ میرے قریب آ کر کان میں پوچھا ''آج لاہور نامہ میں کوئی چٹکی ہے'' میں اس سوال پر سٹپٹایا۔ پھر وہ مکین احسن کلیم سے مخاطب ہوئے ''مکین صاحب آج لاہور نامہ میں کوئی چٹکی ہے۔''

اس سوال کو انہوں نے کئی بار دہرایا اور جس بے تکلفی سے کمرے میں داخل ہوئے تھے۔ اسی بے تکلفی سے یہ سوال کرتے کرتے کمرے سے نکل گئے۔ یہ ہمارے عنایت صاحب تھے۔ انہوں نے مجھ پر بہت جرمانے کئے۔ اگر کسی نے کہہ دیا کہ لاہور نامہ میں چٹکی نہیں ہے تو جرمانہ اور اگر کہہ دیا کہ چٹکی ہے تو اس پر بھی جرمانہ۔ عجب طور تھا اس شخص کا کہ نہ کبھی ''باس'' کی حیثیت سے کالم کے بارے میں ہدایات دیں۔ نہ نکتہ چینی کی۔ نہ اچھے کلمات نہ برے جملے۔ بس وہ دفتر میں چلتے پھرتے دم بھر کیلئے میرے قریب آ کر ٹھہرتے اور کبھی سرگوشی میں کبھی بآواز بلند کہ سب سنیں، پوچھتے ''آج لاہور نامہ میں کوئی چٹکی ہے۔''

''لاہور نامہ کی جو وضع بنی اس میں عنایت صاحب کے اس طریقے کو بہت دخل ہے۔ میں نے کالم اصل میں کسی اور نہج پر شروع کیا تھا مگر عنایت اللہ صاحب روز ایک چلتا سا فقرہ کہہ دیتے کہ لاہور نامہ پان والے کی دکان پر نہیں پہنچا۔ آخر میں نے ادبی مسائل کو چھوڑ چھاڑ کر

ایک عام سی بات پر لکھ ڈالا۔ دوسرے دن دوپہر کو عنایت اللہ صاحب نے کمرے میں داخل ہو کر بآواز بلند کہا۔ لو جی! آج ''لاہور نامہ'' پان والے کی دکان پر پہنچ گیا۔ اس اعلان کے ساتھ ہی مجھ پر اچھا خاصا بھاری جرمانہ کر دیا گیا۔ اس طرح میں ادبی کالم کے چکر سے نکل آیا۔

شہر کی عام زندگی اس کالم کا محبوب موضوع ٹھہری اور مجھ پر منکشف ہوا کہ فقرہ اچھا ہو تو اس کی مار بھاٹی دروازے کے دکاندار تک ہوتی ہے۔

چٹکی کی داستان یہ ہے کہ اس کالم میں جب باوقار ادارے اور معزز شخصیتیں زیر بحث آئیں تو بہت شدید ردعمل ہوا۔

کی جس کی بات اس نے شکایت ضرور کی

مگر ہوا یہ کہ لاہور نامہ کیخلاف جتنی شکایات آتی گئیں اتنا ہی عنایت اللہ صاحب خوش ہوتے چلے گئے۔ اب میں اپنے جال میں آپ پھنس گیا۔ کسی معاملے میں ذرا نرمی برتی جاتی تو عنایت صاحب چپکے سے آ کر پوچھتے کہ لاہور نامہ میں آج کوئی چٹکی ہے یا نہیں۔

عنایت صاحب کا یہ رویہ، لاہور نامہ کو بہت راس آیا۔ اخبار میں لکھنے والوں کے سر پر ایک تلوار ہمیشہ لٹکتی رہتی ہے کہ با اثر افراد اخبار کے سربراہ پر اثر انداز ہو کر کالم نگار کے قلم پر اثر انداز ہوں گے۔ ایک کالم نگار کیلئے بشرطیکہ وہ آزادانہ لکھنے کی خواہش رکھتا ہو۔ یہ اطمینان بہت بڑی نعمت ہے کہ اس کے ادارے کا سربراہ اثر رکھنے والوں کے اثر سے کالم کو مجروح نہیں ہونے دے گا۔

نہ نجی تعلقات، نہ ذاتی تعصبات، نہ اوپر سے آنے والی فرمائشیں۔ عنایت صاحب کا مسئلہ کالم نگاری کے سلسلے میں صرف ایک تھا کہ کالم موثر، مقبول اور بامعنی ہو۔ کبھی اگر ان کی طرف سے اشارہ آیا تو اسی حوالے سے آیا۔ مثلاً 7 ستمبر 65ء کو مجھ سے کہنے لگے کہ ''یہ لاہور نامہ تو امن کے زمانے کا تھا۔ جنگ کے زمانے کا لاہور نامہ کیسا ہوگا''۔

میں خود اپنے ذہن میں اس بارے میں واضح نہیں تھا۔'' کہہ دیا کہ سمجھ میں نہیں آ رہا۔''

بولے کہ ''اچھا پھر کالم موقوف، شہر میں گھومو، پھرو، آج، کل، پرسوں۔ پھر خود کالم کی راہ سوجھے گی۔'' مجھے عنایت صاحب کی ایسی بہت سی باتیں یاد آتی ہیں اور حیرت سے سوچتا ہوں کہ ہم جسے اپنا رنگ بیاں سمجھتے ہیں اس میں اس شخصیت کا کتنا حصہ ہے۔

عنایت اللہ، بس خالی عنایت اللہ۔ نہ اس کے ساتھ کوئی سابقہ نہ لاحقہ، نہ سید نہ شیخ، نہ مفتی نہ مولانا، گھر اس کا نہ دلی نہ اصفہان، نہ سمرقند، کہ نام کے پیچھے دہلوی اصفہانی، سمرقندی وغیرہ لکھتا، بس دو لفظوں کا مجموعہ گنجینہ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے۔

انشاء جی اٹھو اب کوچ کرو اس شہر میں جی کو لگانا کیا

کے خالق، مشہور کالم نگار، شاعر، مزاح نگار، چلتے ہو تو چین کو چلئے، اردو کی آخری کتاب جیسی کتابوں کے تخلیق کار ابن انشاء، عنایت اللہ صاحب کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ہمارا ان سے عجیب رشتہ تھا۔ ان کے ساتھ کھایا پیا۔ ان کے ساتھ اٹھے بیٹھے۔ ان کے ساتھ کام بھی کیا۔ ان سے زیادہ تر خوش ہوئے لیکن ایک آدھ بار غائبانہ طور پر ناخوش بھی ہوئے۔ وہ ہماری قدر افزائی بھی کرتے تھے لیکن فی الحقیقت اس خصوصی کام میں جسے اخبار بنانا کہہ سکتے ہیں کہ بنانے کا لفظ سارے شعبوں پر محیط ہے۔ وہ استاد تھے، ہم شاگرد تھے، ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا، اگرچہ اتنا نہیں جتنا چاہئے تھا۔

عنایت اللہ عجیب شخص تھا۔ خوش ذوق، خوش پوش، اس کی ہر بات میں تھی اک اک بات، جس میز پر وہ بیٹھا ہو اس کو دیکھ لیجئے۔ کام کا ہجوم۔ لیکن یہ نہیں کہ میز ہماری میز کی طرح کباڑ خانہ بنی ہوئی ہو۔ بات نرمی اور ملائمت سے، ہمہ وقت متبسم، لوگ اخباروں کو اپنے نام و نمود کا کارخانہ بنایا کرتے ہیں۔ عنایت اللہ صاحب کے ساتھ یہ قصہ

بھی نہ تھا۔ ہم نے ان کے نکالے ہوئے اخباروں پر ان کا نام نہ دیکھا۔ ایک موقع آیا کہ ازراہ قانون ان کو نام دینا پڑتا تھا وہ بھی آخری صفحے پر پرنٹ لائن میں اتنے باریک قلم سے کہ اس سے باریک قلم کاتب کے پاس نہ ہوگا۔ اس کے مقابلے میں دوسروں کو آگے بڑھاتے تھے۔ ان کے نام اصرار کر کے دیتے تھے۔ جس زمانے میں ہم ''انجام'' میں کالم لکھتے تھے۔ پرانے شعار کے مطابق ایک قلمی نام سے کام چلاتے تھے۔ حاجی بابا اصفہانی، آخر آخر میں حاجی بابا۔ تصویر دینے کا سوال ہی نہ تھا۔ کیونکہ تصویر ہم نے تو کبھی کسی ادبی پرچے کو بھی نہ دی تھی۔ ایک دور ایسا آیا کہ انجام کے حالات کو درست کرنے کیلئے عنایت اللہ صاحب کو بلایا گیا۔ مشرق بھی نیشنل پریس ٹرسٹ کا اخبار تھا۔ انجام بھی اسی میں تھا۔ عنایت اللہ صاحب نے پوچھا کہ یہ کالم کون لکھتا ہے۔ کسی نے ہمارا نام لیا۔ عنایت اللہ صاحب نے انجام والوں سے کہا ''تم اچھے لوگ ہو۔ ایک شخص پہلے سے مشہور ہے۔ اس کے نام سے فائدہ نہیں اٹھاتے، ان سے کہو نام دیں'' ادھر ہمیں تامل تھا۔ تصویر دینے کو بھی کہا گیا۔ اس پر ہم ہرگز راضی نہ تھے۔ آخر نام دینے کی حامی بھر لی۔ تصویر انجام والوں نے کسی گروپ فوٹو سے لے لی۔ چند دن میں ہمیں بھی فرق محسوس ہوا۔ ہمیں بھی اچھا لگنے لگا۔ اب تو ہم کہتے ہیں کہ بھئی ہمارا کالم دو نہ دو ہمارا نام ضرور دو۔ ہماری تصویر ضرور چھاپو۔

عنایت اللہ صاحب نے لے آؤٹ اور اخبار بنانے کیلئے ایسا اسلوب اختیار کیا کہ اب ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو صحافت کا موجودہ دور کم از کم قالب کی حد تک عنایت اللہ کا ہی ہے۔ ابھی اور بہت کچھ ان کے ذہن میں تھا اور وہ طرحیں نکالتے، اگر صحت اور زندگی ان کو اجازت دیتی، ایک اور اہم جدت جس میں عنایت صاحب نے کام کیا۔ سنڈے فیچر تھے۔ الگ اخبار فلم تھا۔ الگ اخبار خواتین تھا۔ تحقیقاتی جائزے تھے۔ مقبول عام خبروں، قتل وحادثہ وغیرہ کا ڈسپلے کا انداز تھا۔ یہ ہمارے معاصر مغربی انداز کے تھے۔ جس کا پیوند انہوں نے بڑی ذہانت سے مشرقی صحافت میں لگایا۔ انہوں نے کوہستان اور تعمیر کو بنایا اور بڑھایا لیکن مشرق ان کی تخلیق تھا۔ ان کا شباب تھا۔ اس لئے اگر لوگ عنایت اللہ کو ''عنایت اللہ مشرق والے'' سے جانتے ہیں تو ٹھیک ہی جانتے ہیں۔

اسٹائلش سرخیاں لکھنے کا آغاز

عنایت اللہ صاحب اخبار میں چھپنے والے ایک ایک لفظ پر نظر رکھتے تھے۔ بارہ سے سولہ صفحات پر مشتمل اخبار کی تحریروں کو کوالٹی کے اعتبار سے معیاری بنانا اور اسے مزید بہتر بنانے کیلئے دن رات کوشش کرتے رہنا انہوں نے زندگی کا نصب العین بنالیا تھا۔ عام لوگ اور کارکن ان کی اخبار سے حد درجہ شیفتگی پر حیران ہوتے تھے۔ انہوں نے اخبار کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ اگرچہ نیشنل پریس ٹرسٹ میں اخبار کی حوالگی نے ان کی دل چسپی کو کم دیا تھا لیکن ان کی ٹیم اخبار کو ترقی دینے کی راہ پر گامزن تھی۔ کراچی سے جب اخبار خواتین نکالا تو کراچی ہی ان کا مستقر ٹھہرا۔ دو سال تک انہوں نے یہیں قیام کیا اور یہاں تمام وقت اخبار خواتین اور مشرق کو بہتر بنانے میں صرف کیا۔ پھر نہ جانے کیا ہوا، ایک دن بریف کیس سنبھالا جو ان کی کل کائنات تھی، اور لندن روانہ ہو گئے۔

1970ء میں مجھے لاہور ٹرانسفر کر دیا گیا۔ کراچی آنے والے پہلے گروپ کا میں آخری آدمی تھا جسے ہیڈ آفس نے واپس بلا لیا تھا۔ باقی تمام لوگ واپس جا چکے تھے۔ وہی لاہور تھا۔ وہی فضائیں تھیں لیکن اس میں کچھ اداسی بھی در آئی تھی۔ جگہیں وہی تھیں لیکن ویسے دوست نہیں تھے ان میں کچھ تو شادی شدہ ہو کر دوستی یاری چھوڑ چکے تھے اور کچھ ادھر ادھر ٹرانسفر ہو چکے تھے۔ اب جو کچھ بھی کرنا تھا نئے سرے ہی

سے کرنا تھا۔ اس وقت روزنامہ مشرق۔ لاہور۔ کراچی پشاور اور کوئٹہ سے بیک وقت شائع ہورہا تھا۔ تمام اسٹیشنوں کے اپنے دفاتر اور اپنے پریس تھے۔ یہ ایک وسیع نیٹ ورک بن چکا تھا جس کا ہیڈ آفس لاہور تھا۔ اس زمانے میں مشرق لمیٹڈ کا ٹرن اوور 2 کروڑ روپے تھا اور مضبوط اداروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔ یہ سب عنایت اللہ کی بنائی ہوئی ٹیم کا کمال تھا۔ کارکنوں کو سال میں چار چار بونس ملتے تھے اور میڈیکل کی سہولتیں حاصل تھیں لیکن اس کے ساتھ ساتھ مشرق میں ایسے اقدامات بھی ہورہے تھے جن سے بظاہر تو کارکنوں کو فائدہ پہنچانا مقصود تھا لیکن دراصل یہ اقدامات ادارے کی جڑیں کھوکھلی کرنے کا آغاز تھا جو آگے چل کر ادارے کیلئے تباہ کن ثابت ہوئے۔

اس وقت تک میں ایک بیٹے کا باپ بن چکا تھا اور لاہور میں دو کمروں پر مشتمل ایک مکان بھی بنالیا تھا۔ ذمے داریاں بڑھ گئی تھیں۔ جس طرح کراچی آکر لاہور بہت یاد آتا تھا، اب لاہور میں آکر کراچی بہت یاد آتا۔ اس کی یاد مجھے اور میری بیوی کو اداس کردیتی تھی۔ خاص کر شام کو چلنے والی ٹھنڈی ہوا کی یاد ہمیں بہت افسردہ کردیتی تھی۔ عزیز رشتہ داروں کا آنا جانا بہت بڑھ گیا۔ ہماری خاطر داریاں انہیں بار بار کھینچ لاتیں۔ مکان کی تعمیر کا ایک بڑا قرضہ سر پر بوجھ بن گیا۔ قرض خواہ پریشان کررہے تھے۔ سستائی کا زمانہ تھا اس لئے بھرم بھی قائم رہا۔ میں نے بہت کوشش کی کہ قرض سے چھٹکارا حاصل کرلوں مگر کامیاب نہ ہوسکا۔ شب وروز کی محنتیں بھی کوئی رنگ نہ لاسکیں کیونکہ قرض بہت زیادہ تھا۔

تین ماہ بعد کراچی آفس والوں نے تقاضا کیا کہ ہمارا کارکن واپس کیا جائے۔ ہمیں یہاں کام میں پریشانی ہورہی ہے۔ تقاضے تو اسی وقت سے شروع ہوگئے تھے جب انہوں نے میرا ٹرانسفر کیا تھا لیکن میں اس سے لاعلم تھا۔ ہمارے چیف آرٹ ایڈیٹر اور میرے محترم

تین دوست ساحل سمندر پر ٹھنڈی ہواؤں کا لطف لیتے ہوئے

(دائیں سے بائیں) عبدالرشید شاہد۔ طاہر زیدی (مرحوم) سیف اللہ (مرحوم)

استاد جناب شریف گلزار اس وقت لندن میں تھے۔ اس لئے انتظامیہ کو بھی واپس بھیجنے میں تامل تھا۔ انہوں نے لندن رابطہ کرکے ٹرانسفر منظور کرالیا۔ لیکن جب مجھ سے کراچی جانے کیلئے کہا گیا تو میں نے صاف انکار کردیا۔ پھر اس شرط پر ٹرانسفر ہوا کہ شریف گلزار واپس آئیں گے تو آپ کو واپس بلوالیا جائے گا۔ لیکن یہ وہ وعدہ تھا جو کبھی ایفا نہ ہوسکا۔ میں نے گھر آکر بات کی تو ان کی گویا دلی مراد برآئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ فوراً چلے جائیں اور قرضے کی ادائی کا جلد از جلد بندوبست کریں جس نے ہمیں ہشت پا کی طرح جکڑ رکھا ہے۔ حالات بہتر ہوئے تو واپس بھی آجائیں گے۔ اور یوں تین ماہ بعد دوبارہ کراچی آگیا۔

جب یہ باتیں یاد آتی ہیں تو ایک خواب سا لگتا ہے اتنی جلدی جلدی

شہر بدلنے میں منتشر سا ہو گیا تھا۔ ایک ہنگامی صورتِ حال تھی۔ میری واپسی میں بھی اللہ نے کوئی بہتری ہی رکھی ہو گی۔

ابھی میں دفتر پہنچا ہی تھا کہ میرے بچپن کے دوست اور رفیق کار محمد اسماعیل سلفی صاحب نے کہا کہ میں آپ کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ محمد اسماعیل سلفی میرے اس زمانے کے دوست تھے جب میں ایک جامعہ میں زیرِ تعلیم تھا۔ وہ جامعہ سے نکلنے والے ایک ہفت روزہ اخبار کی کتابت پر مامور تھے۔ میں نے اس وقت تک کتابت نہیں سیکھی تھی البتہ چھوٹے پیمانے پر پبلشنگ کرتا تھا اور میری کتابوں کی کتابت کی ذمے داری انہی پر تھی۔ فرمانے لگے محترم شکیل عادل زادہ صاحب ''سب رنگ'' نامی ایک پرچے کا اجرا کر رہے ہیں اور وہ لاہوری طرز کتابت پر مصر ہیں اور انہیں آپ سے زیادہ کوئی اور مطمئن نہیں کر سکتا۔ میں نے عرض کیا ''حضرت! یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ دفتر نے اپنی ضرورت کیلئے مجھے یہاں بلوایا ہے۔ ظاہر ہے یہاں کام کا رش ہو گا۔ ورنہ مجھے لاہور سے واپس بلوانے کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔'' وہ کچھ مایوس ہوئے اور پھر گویا ہوئے۔ ''اچھا آپ دیکھیں اگر دفتر کے کام کے بعد تھوڑی بہت فرصت ہو تو جزوی طور پر ہی کچھ کام کر دیں۔ ان کی پریشانی بھانپتے ہوئے اور وقتی تالیفِ قلب کیلئے میں نے حامی بھر لی۔ میں نے انہیں کچھ کام کر کے دیا جو پہلے شمارے کیلئے تھا۔ سب رنگ نکل آیا تو دوسرے شمارے کے لئے ایک کہانی اس نوٹ کے ساتھ آئی کہ یہ کہانی بھی مجھ سے لکھوائی جائے۔ تیسرا شمارہ آنے سے پہلے شکیل بھائی ملنے کیلئے دفتر آئے۔ تعارف ہوا تو بڑے تپاک سے ملے۔ نرم مزاج گفتگو میں ایک والہانہ پن کہ نہ جانے ہم کب سے ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ کسی غرور اور مسلط ہونے کا شائبہ تک نہ تھا۔ اپنے نام کے مانند وجیہہ اور شکیل کہ آدمی دیکھتا رہ جائے اور جب جانے کے لئے اٹھے تو آئندہ کام کرنے کا وعدہ

لے کر ہی اٹھے۔

پہلے پہل اخبار کی پیسٹنگ میرے سپرد ہوئی۔ پھر اخبار خواتین کی اسٹائلش سرخیاں لکھنے کی ذمے داری لگائی گئی۔ اخبار خواتین کا ٹائٹل بنانے کا کام بھی میرے سپرد ہوا۔ دفتر میں دو چار آدمی ہی ایسے تھے جو سب کام جانتے تھے۔ سرخیاں بھی لکھتے۔ پیسٹنگ بھی کرتے اور ٹائٹل بھی بناتے۔ ان میں ایک میں بھی شامل تھا۔ اخبار خواتین کی اسٹائلش سرخیاں میری شہرت کا سبب بنیں۔ اور دوسرے رسالوں میں بھی اسٹائلش لکھنے کا رواج پڑا اور ان میں ایک نیا پن آیا۔ اس کا سب سے بڑا رسپانس جو میرے لئے بہت قابلِ قدر تھا وہ یہ تھا کہ اخبار خواتین میں گل جی کا انٹرویو چھپا۔ اس کی سرخی میں نے بہت محنت سے لکھی۔ جس کے بعد گل جی بطور خاص اخبار خواتین میں تشریف لائے۔ ان دنوں حسن عابدی اخبار خواتین کے ایڈیٹر تھے۔ حسن عابدی صاحب نے مجھے بلوایا اور گل جی سے تعارف کرایا اور گل جی نے خوبصورت ہیڈنگ لکھنے پر مجھے مبارک باد اور بہت تعریف کی۔ گل جی نے نہ جانے مجھ میں کون سی ایسی بات دیکھی۔ کہنے لگے کہ یہاں تم ضائع ہو جاؤ گے۔ میرے پاس چلے آؤ۔ میں تمہیں تراش کر ہیرا بنا دوں گا۔ حسن عابدی اور ولایت علی اصلاحی نے بھی تائیدی نظروں سے مجھے دیکھا یہ کسی کام کا پہلا رسپانس تھا جو اتنا بڑا اور نہایت خوبصورت انداز میں میرے سامنے آیا۔

عمودی، اُفقی، ترچھے اور قوسی خطوط کی مشق

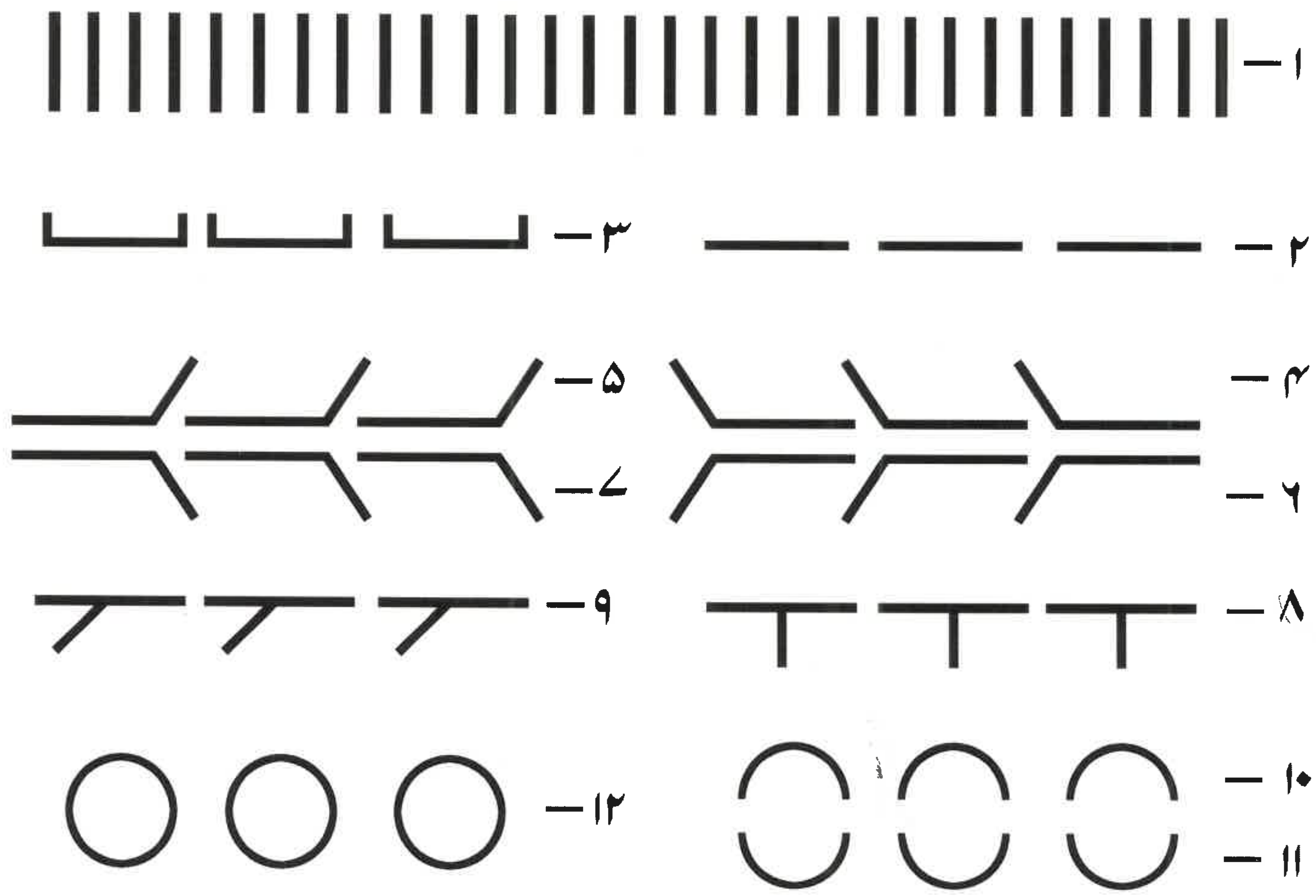

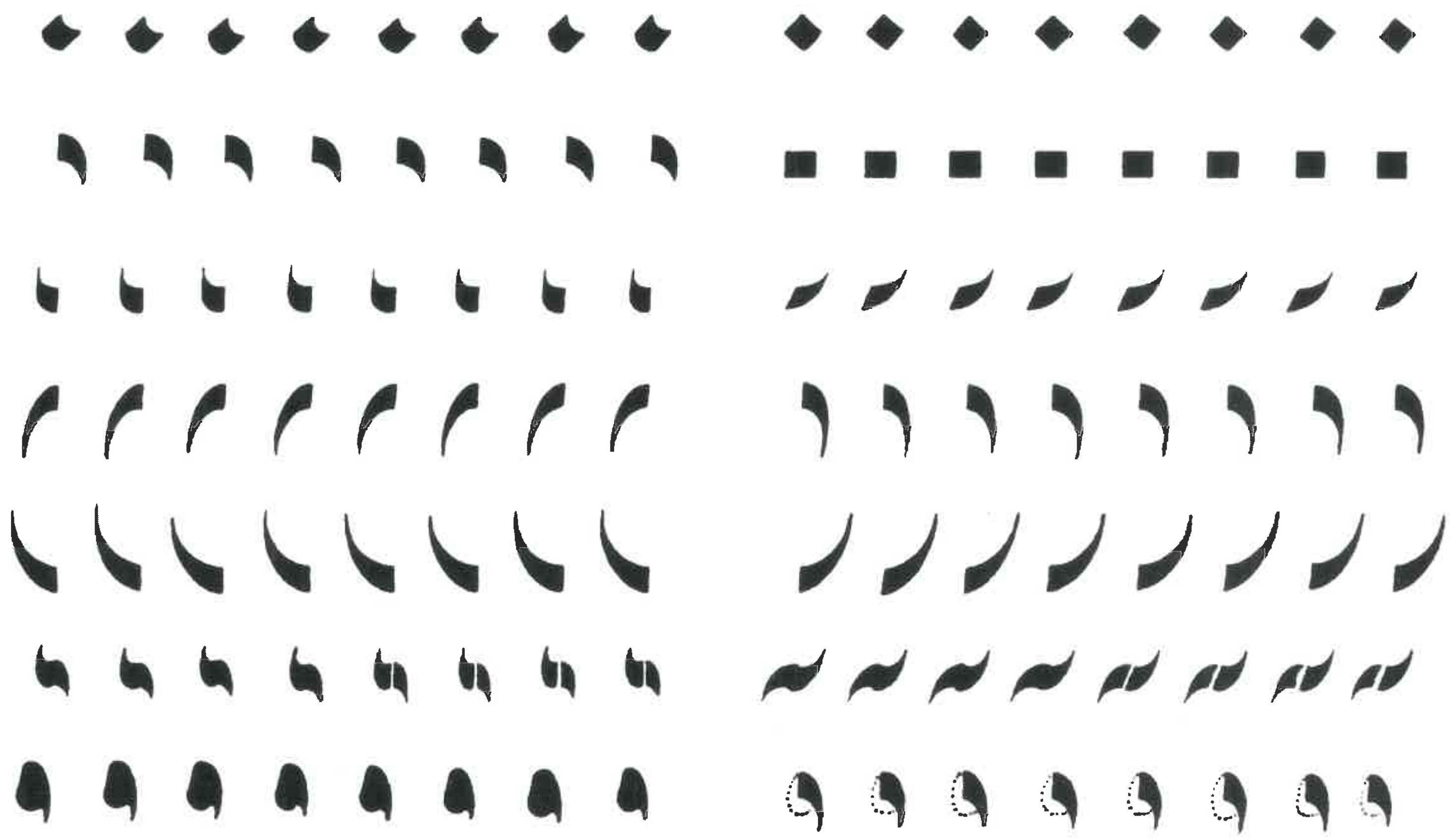

یہاں نقطوں کی اقسام بتائی گئی ہیں۔ نقطہ صرف حروف کے اوپر اور نیچے ہی نہیں لگتا بلکہ مفردات حروف کے اندر بھی استعمال ہوتا ہے۔ جو نصف سیدھا اور نصف الٹا بھی ہوسکتا ہے۔ یہاں نقطہ کے سیدھے اور الٹے گھما اور کٹ لگا کر انہیں اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ رموز صرف شریف گلزار صاحب نے بنا کر دکھائے ہیں۔

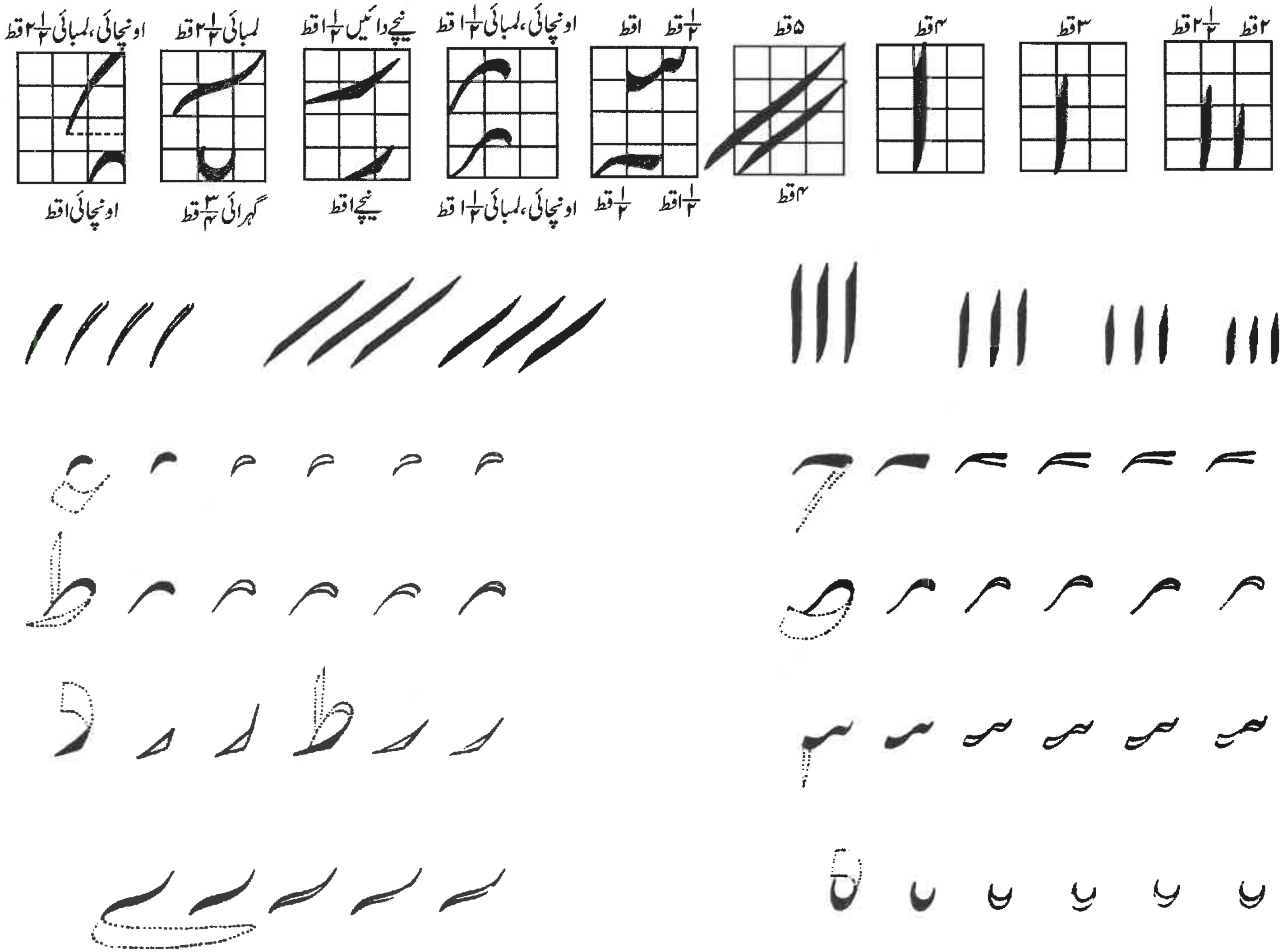
۲قط ۲½قط
۳قط
۴قط
۵قط
۴قط
½قط اقط
½اقط ½قط
اونچائی، لمبائی ½ا قط
اونچائی، لمبائی ½ا قط
نیچے دائیں ½ا قط
نیچے اقط
لمبائی ½۲ قط
گہرائی ¾ قط
اونچائی، لمبائی ½۲ قط
اونچائی اقط

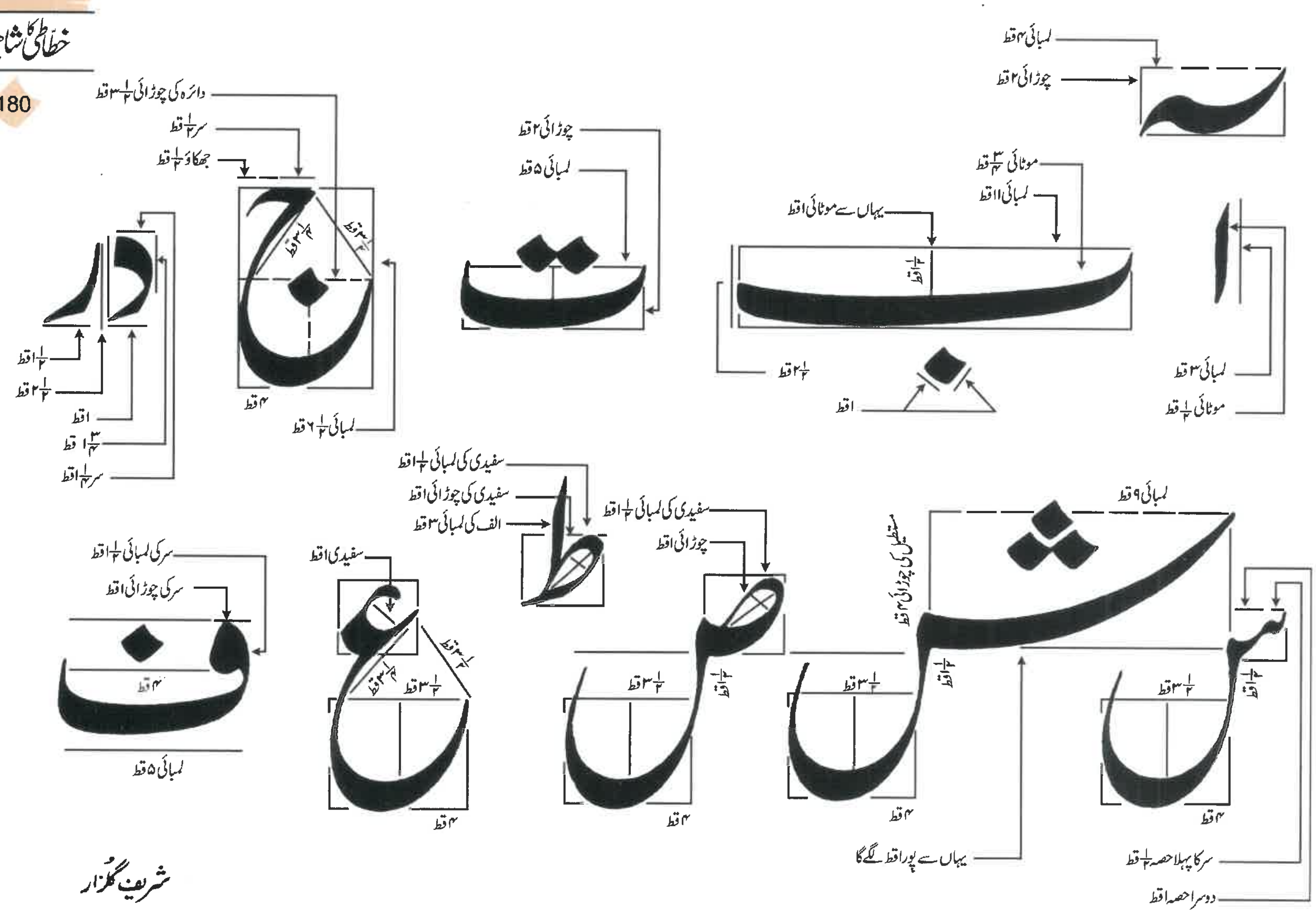
لمبائی ۴ قط
چوڑائی ۲ قط
موٹائی 3/4 قط
لمبائی ۱۱ قط
یہاں سے موٹائی ۱ قط
1/2 ۱ قط
1/2 ۲ قط
۱ قط
لمبائی ۳ قط
موٹائی 1/2 قط
چوڑائی ۲ قط
لمبائی ۵ قط
دائرہ کی چوڑائی 1/2 ۳ قط
سر 1/2 قط
جھکاؤ 1/2 قط
۴ قط
لمبائی 1/2 ۶ قط
1/2 ۱ قط
1/2 ۲ قط
۱ قط
3/4 ۱ قط
سر 1/2 ۱ قط
سفیدی کی لمبائی 1/2 ۱ قط
سفیدی کی چوڑائی ۱ قط
الف کی لمبائی ۳ قط
سفیدی کی لمبائی 1/2 ۱ قط
چوڑائی ۱ قط
لمبائی ۹ قط
مستطیل کی چوڑائی ۲ قط
سر کی لمبائی 1/2 ۱ قط
سر کی چوڑائی ۱ قط
سفیدی ۱ قط
۴ قط
لمبائی ۵ قط
1/2 ۳ قط
یہاں سے پورا قط لگے گا
سر کا پہلا حصہ 1/2 قط
دوسرا حصہ ۱ قط

شریف گلزار

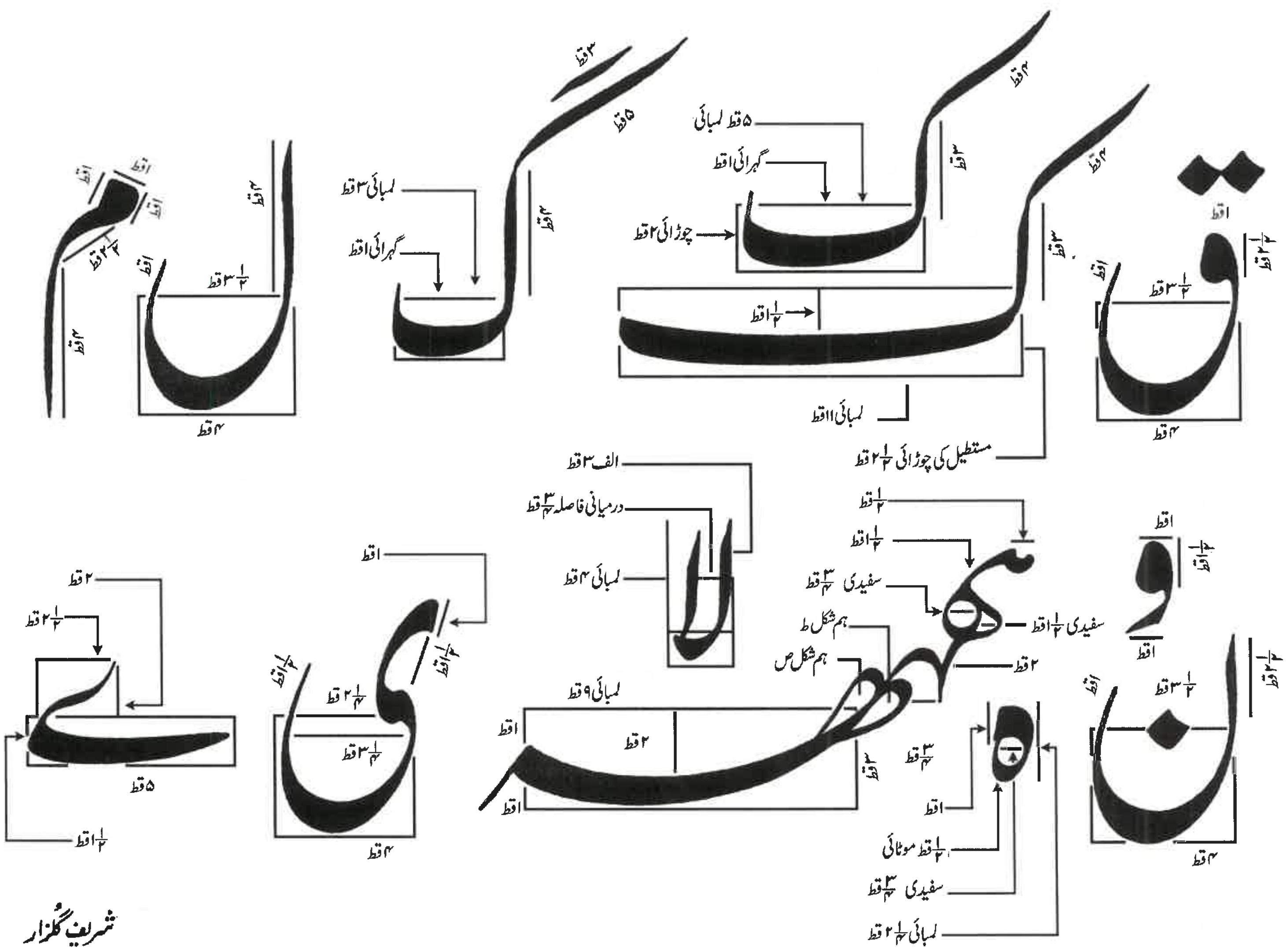
۵ قط لمبائی
گہرائی اقط
چوڑائی ۲ قط
لمبائی ۱۱ قط
لمبائی ۳ قط
گہرائی اقط
الف ۳ قط
لمبائی ۴ قط
لمبائی ۹ قط
ہم شکل ط
ہم شکل ص
۵ قط
۴ قط
شریف گلزار

مشق — اوّل

آ ب ت ج د ر د ر س ش ص ط ع ف

شریف گلزار۔ لاہور

ق ک گ ل م ن و ہ ھ لا ر ی ے

قط : — نقطے:

مشق — ب

با بب بت بج بد بر بس بش بص بط بع بف

شریف گلزار - لاہور

بق بک بگ بل بم بن بو به بھ بلا بی بے

ب کی مختلف حالتیں :-

مشق — ج

جا جب حت جنج جد جر جر جس جش جص جط جن جع جف

شریف گلزار - لاہور

جق جک جگ جل جم جن جو جہ جھ جلا جی جے

جوڑ :- ج کی مختلف حالتیں :-

مشق ـ س

سا سب ست سج سد سر سس شس سص سط سع سف

شریف گلزار۔ لاہور

سق سک سگ سل سم سن سو سہ سھ سلا سی سے

جوڑ:- س کی مختلف حالتیں:-

مشق ـ ص

صا صب صت صج صد صر صس صش صص صط صع صف

شریف گلزار - لاہور

صق صک صگ صل صم صن صو صہ صھ صلا صی صے

جوڑ :-

ص کی حالتیں

مشق ـ ط

طا طب طت طج طد طر طس طش طص طط طع طف

شریف گلزار ـ لاہور

طق طک طگ طل طم طن طو طہ طھ طلا طی طے

جوڑ :-

ط کی مختلف حالتیں :- ط ط

مشق – ع

عا عب عت عج عد عر عس عش عص عط عع عف

شریف گلزار - لاہور

عق عک عگ عل عم عن عو عہ عھ علا عے عی

جوڑ :- ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ ـعـ

ع کی مختلف حالتیں :- ع ع ع ع

عا عب عت عج عد عر عس عش عص عط عع عف

عق عک عگ عل عم عن عو عہ عھ علا عی عے

مشق ـ ف

فا فت فج فد فر فس فش فص فط فع فف

شریف گلزار- لاہور

فق فک فگ فل فم فن فو فہ فھ فلا فی

جوڑ:- ف کی مختلف حالتیں :- ف ف

مشق ۔ک

کا کب کت کج کد کر کس کش کص کط کع کف

شریف گلزار ۔ لاہور

کق کک کگ کل کم کن کو کہ کھ کلا کی کے

ک کی مختلف حالتیں :۔ ک ا ک ا ک ک

جوڑ :۔ ـ ـ ـ ـ ـ ـ ـ

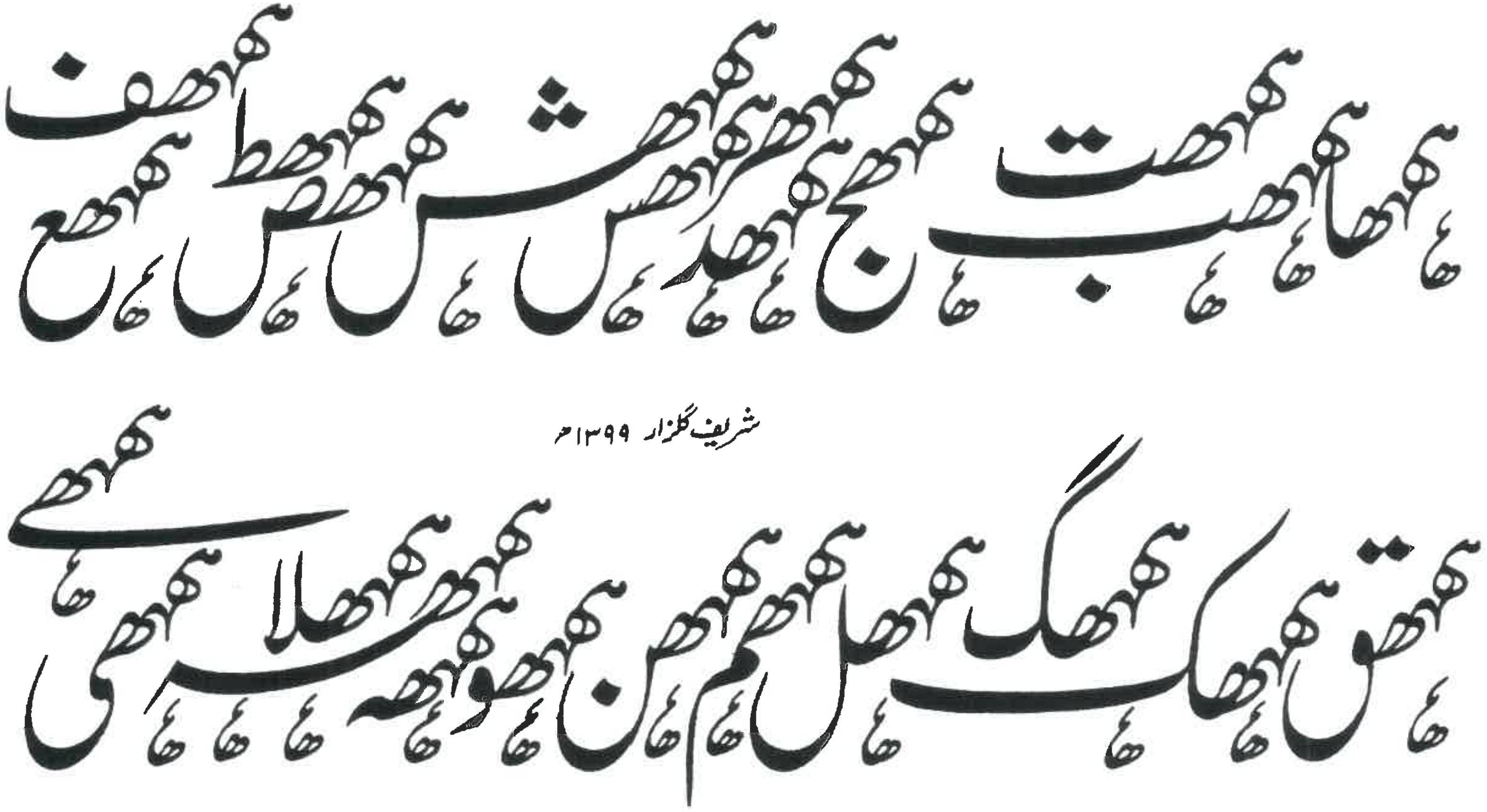
شریف گلزار ۱۳۹۹ھ

ابجد ہوز حطی کلمن
سعفص قرشت ثخذ ضظغ

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰

س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

مُرتب: محمد ایوب صابر

وہ جو ہم سے بچھڑ گئے

روزنامہ مشرق (لاہور۔کراچی۔پشاور۔کوئٹہ) اوراخبارِخواتین کے وہ ارکان جو ہماری دانست میں انتقال کر چکے ہیں۔انا اللہ وانا الیہ راجعون

ایڈیٹر صاحبان: 1-بانی مشرق عنایت اللہ صاحب 2-ضیاالاسلام انصاری 3-اقبال زبیری صاحب 4-خورشید اعجاز صاحب 5-ابو صالح اصلاحی صاحب 6-حسن عابدی صاحب 7-ارشاد احمد خان صاحب

انتظامیہ: 1-حمید اللہ خاں صاحب 2-یوسف حسن زیدی شعبہ اشتہارات: 1-فاروق علی خان صاحب 2-غلام علی صاحب

شعبہ آرٹ وکتابت: 1-جناب شریف گلزار صاحب (چیف آرٹ ڈائریکٹر) 2-محبوب علی خاں صاحب 3-قطب الدین صاحب (صدر کراچی خوش نویس یونین) 4-شمیم احمد صاحب 5-رئیس احمد صاحب 6-جمیل احمد (پٹواری) 7-استاد محمد یعقوب صاحب 8-محمد اسحٰق شاہد صاحب 9 عبدالواحد صاحب 10-محمد اقبال قریشی صاحب 11-محمد شبیر صاحب 12-اظہر علی صاحب 13-محمد شاہد فاروقی صاحب 14-منظور احمد صاحب 15-قادری وثیقۃ الرحمٰن 16-حافظ احمد اللہ صاحب 17-محمد اسلم کھوکھر صاحب 18-مسعود احمد صاحب 19-جی،ایم بزمی صاحب 20-محمد عباس صاحب (ہیڈ لائن رائٹر) 21-محمد اسحٰق گجراتی صاحب 22-محمد اشفاق ابن اسحٰق گجراتی 23-اسلم پرویز صاحب 24-سیف اللہ صاحب 25-اکرام صاحب (لاہور) 26-محمد نواز فاروقی صاحب 27-حافظ نذیر احمد لاہور 28-محمد یعقوب چوہان لاہور 29-محمد اطہر ابن اظہر علی صاحب 30-حسن رضا خان صاحب (آرٹسٹ) 31-محمد مشتاق (آرٹسٹ) 32-نذیر بیگ لاہور 33 سید طاہر زیدی صاحب 34-محمد اختر 35-محمد اسلم (محمود آبادی)

نیوز ڈیسک: 1-ہادی صاحب 2-مولانا انجم صاحب 3-مولانا عبدالصمد صاحب 4-قمر نقوی امروہوی صاحب 5-نعیم آروی صاحب 6-مختار احمد صاحب 7-لوہانی صاحب 8-پیکر نقوی صاحب 9-وسیم اعجاز صاحب 10-بلند اقبال صاحب 11-سبحانی صاحب 12-جعفر علی سید 13-محمد سلیم ارشد صاحب

لائبریرین: 1-محمد علی خان صاحب **پروف ریڈر:** 1-عشرت انجم صاحب

کیمرہ مین: 1-اظہار علی آفریدی صاحب 2-غیاث الدین صاحب 3-محمد طفیل شاد (چیف کیمرہ پروسس)

چوکیدار: 1-محمد نعیم شاہ صاحب **کیشیئر:** میاں محمد قاسم صاحب

رپورٹرز: 1-محمد نسیم شاہ صاحب، چیف 2-محمد ریاض بٹالوی صاحب 3-شبیر درانی صاحب

معاون: 1-محمد رفیق صاحب 2-غلام رسول صاحب 3-محمد سردار صاحب 4-محمد علی صاحب 5-محمد بشیر صاحب (محمود آبادی)

پریس ورکرز: 1-محمد رمضان صاحب 2-راجہ محمد اسحٰق صاحب 3-امین کشمیری صاحب 4-فضل دین صاحب

فوٹوگرافر: 1-اقبال زیدی صاحب 2-فدا حسین صاحب

سفرِ حج کے مشاہدات - محبت و عقیدت کی
جذباتی کیفیات اور واردات قلبی کی روداد

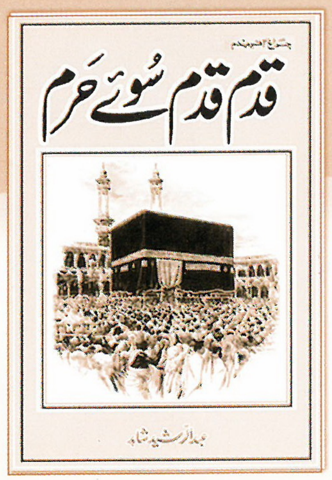

قدم قدم سوئے حرم

روزنامہ امت میں شائع ہونے والے
عبدالرشید شاہد کے سفرِ حج سے متعلق قسط وار کالموں کا مجموعہ

- ''قدم قدم سوئے حرم'' محبت کی زبان میں محبوب کے گھر کی منظر کشی ہے، مولانا محمد ولی رازی
- عبدالرشید شاہد کی قلبی، ذہنی اور روحانی جذبات کا خوبصورت اظہار۔ یہ سفرنامہ زورِ قلم سے نہیں دل سے لکھا گیا ہے۔ اطہر ہاشمی
- ان کی منظر کشی قاری کو محویت کے عالم میں کبھی سینکڑوں اور کبھی ہزاروں سال پیچھے لے جا کر تاریخ کے مقدس ادوار میں پہنچا دیتی ہے۔ معین کمالی
- وہ خوشخط تو ایک زمانے سے لکھ رہے ہیں لیکن دلکش اب لکھنا شروع کیا ہے۔ حج ہو یا عمرہ وہ جہاں جاتے ہیں قاری کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد محسن
- وہ نازک احساسات کی اتنی بڑی دنیا اپنے اندر سمائے ہوئے ہیں اس کا اندازہ پہلے کبھی نہ تھا۔ رفیق افغان

خوبصورت طباعت سے مرصع | رنگین سرورق سے مزین | قیمت =/180 روپے

فضلی بک سپر مارکیٹ اردو بازار کراچی
فون: 021-2212991

القلم پبلشرز 164 اولڈ اقبال آباد ڈرگ روڈ کینٹ کراچی
فون: 021-4575043 موبائل: 0333-2389942

کتاب سرائے الحمد مارکیٹ، غزنی اسٹریٹ،
اردو بازار لاہور۔ 042-7320318

سرکولیشن منیجر روزنامہ ''امت'' کراچی لیاقت بیرکس ہاکی کلب آف
پاکستان کراچی 021-5655270-2

سونالی
ناول

اقتدار کی ہوس صرف انسانوں میں ہی نہیں دیگر مخلوقات میں بھی پائی جاتی ہے۔اپنے وقت کے فاضل طبیب حکیم تیمور چغتائی پر کیا گزری؟ جنہیں ایک قتالۂ عالم سنہری ناگن سے پالا پڑ گیا تھا۔انسانوں، شیش ناگوں،شیاطین اور ماورائی مخلوق کے مابین کشاکش کی دلچسپ داستان۔حقیقت کے قریب تر ایسی کہانی نہ آپ نے سنی اور نہ ہی پڑھی ہوگی۔جس میں محبت کی رعنائیاں بھی ہیں اور انتقام کے شعلے بھی۔سونالی نے اپنے حسن جہاں سوز اور ماورائی قوتوں کی بدولت انسانوں کو اپنا معاون بنالیا۔حقیقت اور اسرار کے ہولناک عوامل میں ڈوبی ''سونالی'' یقیناً آپ کی دلبستگی کا سامان کرے گی۔

ہر اچھے بک اسٹال پر دستیاب ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں

القلم پبلشرز
164 اولڈ اقبال آباد، ڈرگ روڈ کینٹ، کراچی
فون: 021-4575043 موبائل: 0333-2389942

کنوئیں والیاں (زیر طبع)

عالم برزخ میں موجود ان بے بس اور مظلوم لڑکیوں کی داستانیں، جنہیں 1947 کے فسادات میں اپنی عزت و ناموس بچانے کی خاطر کنوئیں میں چھلانگیں لگانی پڑیں۔ان بے بس خواتین پر کیا گزری؟ انہی کی زبان سے سنئے۔''چراغ آفریدم'' کے عنوان کے تحت روزنامہ امت میں شائع ہونے والے عبدالرشید شاہد کے دلچسپ کالموں کا مجموعہ۔فکشن کا رنگ لئے ہوئے یہ سچی کہانیاں آپ پر لرزہ طاری کر دیں گی

بہت جلد تمام اچھے بکسٹال پر دستیاب ہوگی۔

القلم پبلشرز
164 اولڈ اقبال آباد، ڈرگ روڈ کینٹ، کراچی
فون: 021-4575043 موبائل: 0333-2389942

یک چشم گل (زیر طبع)

ظلم پھر ظلم ہے بڑھتا ہے تو مٹ جاتا ہے

اس دنیا میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ظلم اور جبر کے سائے میں پلنے والی ایک منفرد سچی داستان۔ جو اہل دل کو ہلا کر رکھ دے گی۔آنکھ کے بدلے آنکھ، ناک کے بدلے ناک اور کان کے بدلے کان، کا قانون بنانے والے منصف نے جب ظلم کا از خود نوٹس لے لیا۔ یہ اور دیگر متعدد دلچسپ کہانیوں کا مجموعہ۔

بہت جلد تمام اچھے بکسٹال پر دستیاب ہوگا

القلم پبلشرز
164 اولڈ اقبال آباد، ڈرگ روڈ کینٹ، کراچی
فون: 021-4575043 موبائل: 0333-2389942

رُوبُرو

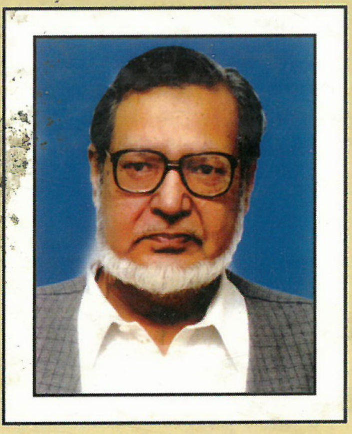

نام: عبدالرشید شاہد۔ والد: مولانا عبداللطیف۔ ضلع گجرات کے ایک دورافتادہ گاؤں چک نمبر 30 (شادیوال) میں 1942ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گاؤں میں حاصل کی۔ ثانوی تعلیم قریبی قصبہ میانہ گوندل سے اور اس کے ساتھ ساتھ فارسی کی تعلیم بھی حاصل کی۔ جامع قدس لاہور میں دینی علوم حاصل کئے۔ پھر افتادطبع اور سیاحت سوکھے پتے کی مانند ادھر سے ادھر اڑاتی رہی جس سے دنیا کے رنگ ڈھنگ عیاں ہوئے۔ پھر طبیعت کو قرار آیا تو خطاطی کو اوڑھنا بچھونا بنالیا۔

خطاطی اور مصوری، طبابت اور درس وتدریس خاندانی وصف تھا۔ خاندان کے بیشتر افراد انہی فنون سے وابستہ تھے۔ شاہ عالم مارکیٹ لاہور کی ایک دیوار پر چسپاں ایک پوسٹر کی خطاطی نے مہمیز کا کام کیا۔ یہ پوسٹر سلطان الخطاطین حافظ محمد یوسف سدیدی کے زور قلم کا نتیجہ تھا۔ خطاطی دل کو ایسی بھائی کہ اسی کے ہو کر رہ گئے۔ اور پھر خطاطی سے ہی کار عشق کیا۔

1960ء سے 1963ء تک روزنامہ آفاق اور روزنامہ ''حالات'' سے وابستگی رہی۔ 1963ء میں کوہستان جوائن کیا۔ اسی سال روزنامہ ''مشرق'' طلوع ہوا تو اس میں شمولیت اختیار کی۔

1966ء میں اخبار خواتین کے اجرا پر ہراول دستے میں شامل ہو کر کراچی سکونت اختیار کی۔ 1967ء میں کراچی سے مشرق کا اجرا ہوا تو اس میں منتقل ہوا لیکن تھوڑے ہی عرصے میں اخبار خواتین میں واپسی ہوگئی۔ مشرق آرگنائزیشن میں ملازمت کا عرصہ 30 سال پر محیط ہے جہاں جناب شریف گلزار صاحب سے لے آوٹ اور خطاطی کی تربیت حاصل کی۔

1987ء میں ہفت روزہ تکبیر جوائن کیا اور ایک طویل عرصے تک ٹائٹل بنانے کی ذمہ داریاں نبھائیں۔ 1996ء میں روزنامہ امت میں شمولیت اختیار کی۔ اور تاحال اسی سے وابستہ ہیں۔ وہ نستعلیق اور نسخ کے ماہر اساتذہ میں سے ایک ہیں۔ اخبار میں استعمال ہونے والی خط کوفی کی ایک مخصوص طرز کے موجد ہیں۔ وہ ملک کے کئی بڑے اور ممتاز اخبارات میں کام کر چکے ہیں۔ خطاطی کے کئی کتبات لکھے اور پذیرائی حاصل کی۔ خطاطی کے موضوع پر ٹی وی مذاکرے میں حصہ لے چکے ہیں۔ 1970ء سے 2008ء تک جزوی طور پر ''سب رنگ'' کے پہلے پرچے سے آخری شمارے تک کام کیا اور پوری ٹیم کے ساتھ اپنا شاندار کردار ادا کیا اس کے علاوہ بہت سے جرائد میں ''اقدار'' نیشنل بینک آف پاکستان کے میگزین ''قومی بینکار'' کراچی یونیورسٹی کی طلبا تنظیم کے ''الجامعہ'' کے سالانہ میگزین تیار کئے۔ گورنمنٹ کالج آف ٹیکنالوجی کے میگزین ''ٹیکنالوجسٹ''۔ ڈاؤ میڈیکل کالج کے سالانہ میگزین ''نمود سحر'' اور سندھ میڈیکل کالج کے میگزین بنائے جو خطاطی اور لے آؤٹ میں نئی جدت کے حامل ہیں۔ جنہوں نے عبدالرشید شاہد کو شہرت بخشی۔ بے شمار کتابیں کتابت کیں جن میں سندھ ٹیکسٹ بک کا سلیبس بھی شامل ہے۔

آغا خاں اسپتال میں دیواروں۔ شیشے اور پتھروں پر اردو خطاطی کی۔ تقریباً پندرہ برس تک جامعہ دارالعلوم کراچ[illegible] کتابوں کے ٹائٹل بنائے۔ مختلف اخبارات اور جرائد کی لوحیں لکھیں جن میں روزنامہ امت۔ انتخاب۔ ضرب۔ ع[illegible] ہفت روزہ تکبیر۔ ماہنامہ غازی۔ فاران۔ گل رنگ۔ اقدار اور بے شمار جریدوں کی لوحیں تحریر کیں۔

اگست 2006ء کو کالم نویسی کی طرف متوجہ ہوئے اور تاحال لکھ رہے ہیں۔ حج کی یادداشتوں پر سفرنامہ ''قدم قدم سوئے حرم'' شائع ہو چکی ہے۔ زیر نظر کتاب ''خطاطی کا شاہجہاں'' محترم استاد شریف گلزار کے لیے خراج تحسین ہے۔ آنے والی کتابوں میں ایک ناول ''سونالی'' اور کالموں کے دو مجموعے ''کنوئیں والیاں'' اور ''یک چشم گل'' زیر طبع ہیں۔

محمد راشد شیخ

مولف ''تذکرہ خطاطین''

Rs. 995/=

CAD LIBRARY P.U. LHR
9668